Kashmīr : 1931 se 1977 tak...

Ghulām Muhiuddīn

کشمیر

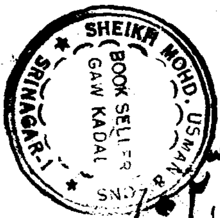
۱۹۳۱ء سے

۱۹۷۷ء تک

(ایک کمیونٹری)

مُرتبہ

صوفی غلام محی الدین



ناشر

صنوبر پبلیکیشنز

سری نگر

تعداد صفحات: ۲۸۰

قیمت: ۱۲/-

انتساب

اُن افراد کے نام

جو

پُرخلوص طریقہ پر

قوم کی خدمت کرتے ہیں

فہرست

کشمیر کی تاریخ ۴۵ سال پرانی ہوگئی ہے۔ ان ۴۵ سال کے واقعات کو کتابی صورت میں پیش کرنے کی چند ایک لوگوں نے کوشش کی ہے۔ ان کوششوں کے باوجود بہت سارے اہم واقعات کی نسبت ہماری معلومات صحیح نہیں۔ جب ۴۵ سال کے واقعات کو جمع کرنیکی کوشش کی جاتی ہے تو ان واقعات کو قلمبند کرتے ہوئے وہ فضا پیدا نہیں ہو جاتی جس فضا میں یہ واقعات رونما ہوئے۔ کسی واقعہ کی حقیقی صورت اور اس کے حقیقی خدوخال نظروں کے سامنے اس وقت آجاتے ہیں جب اس کو اپنے حقیقی پس منظر میں پیش کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کام صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو ہر تاریخی واقعہ کو ساتھ ساتھ قلمبند کرتا جائے۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کی صحیح تصویر کشی آج کا ہی مورخ کر سکتا ہے۔ بیس یا تیس سال بعد ان واقعات کو قلمبند کرنیوالا مورخ ایسی تصویر کشی نہیں کر سکتا۔ مستقبل کا مورخ اندازوں اور امکانات کا سہارا لیکر کچھ لکھتا ہے لیکن ہمعصر تاریخ نویس حقایق کی ہو بہو تصویر کھینچ سکتے ہیں۔

موجودہ حالات پر جب بھی تبصرہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس کام کو مستقبل کے مورخ پر چھوڑ دیا جانا چاہیئے۔ جو کچھ اس وقت ہو رہا ہے اس پر رائے زنی کرنے اور اس کو قلمبند کرنیکا کام کیوں مستقبل کے مورخ پر چھوڑ دیا جائے۔ آخر

ہم کیوں یہ فرض پورا نہ کریں اور روزمرہ کے سیاسی واقعات کو قلمبند کر کے حالات کی عکاسی کرنے کی کوشش کریں۔

کشمیری عوام کی جدوجہد اس وقت ۴۵ ویں سال میں داخل ہوگئی ہے۔ ان ۴۵ سال میں یہاں کی جدوجہد نے کئی رُخ اختیار کئے۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۸ء تک تحریک کا ایک رُخ تھا۔ ۱۹۳۸ء کے بعد تحریک نے دوسرا رُخ اختیار کیا۔ ۱۹۴۷ء میں کشمیر کی آزادی کی تحریک ایک نئے اور زیادہ پیچیدہ دور میں داخل ہوگئی۔ ۱۹۵۳ء میں کشمیر کی تحریک نے ایک اور پلٹا کھایا۔ ۱۹۷۵ء میں کشمیر کی تحریک ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگئی۔ کشمیر کی تحریک کا موجودہ مرحلہ سب سے زیادہ پیچیدہ اور ناقابلِ فہم ہے۔ موجودہ مرحلے میں اُن لوگوں کا دماغ کافی حد تک اُلجھ گیا ہے جو تحریک میں ابتدا سے یا کسی دوسرے مرحلے میں شامل تھے۔ ۱۹۷۵ء تک کشمیر کی آزادی کی جدوجہد کن مراحل سے گذری اس کا حال کئی اصحاب نے قلمبند کیا ہے۔ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس پر روزانہ اخبارات وغیرہ میں لکھا جا رہا ہے۔ ان حالات کو جس انداز سے پیش کیا جا رہا ہے اُسے مستقبل کے مورخ اور آنے والی نسلیں سمجھنے میں غلطیاں کر سکتی ہیں اور وہ مختلف لیڈروں کے بارے میں غلط فہمیوں کے شکار بن سکتی ہیں۔ آنے والی نسل کے سامنے ایک صحیح صورت حال پیش کرنے کے لئے ہی میں موجودہ سیاسی حالات کو ان کی تاریخی اہمیت کا لحاظ رکھ کر قلمبند کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

۱۹۷۵ء میں ہندوستان اور کشمیر کے درمیان جو سمجھوتہ ہوا۔ اس کے بعد حالات کو سمجھنا اکثر لوگوں کے لئے مشکل ہوگیا ہے۔ ۴۵ سال کے دوران دو نسلیں پیدا ہوگئی ہیں۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۵۳ء تک جس نسل کے لوگوں نے تحریک میں حصہ لیا۔ اس میں سے

اکثر لوگ چل بسے ہیں۔ اب جو نئی نسل پیدا ہوگئی ہے وہ تحریک کے آغاز سے ناواقف ہے۔ یہ نئی نسل انتشار اور افراتفری کے حالات میں پرورش پا چکی ہے۔ نئی نسل رائے شماری کے نعروں کے درمیان بڑھی ہے۔ رائے شماری کے اس نعرے نے کشمیر کی سیاسی فضا کو کافی حد تک پیچیدہ بنایا۔ یہ نعرہ پورے ۲۲ سال تک کشمیر کی فضاؤں میں گونجتا رہا۔ شیخ محمد عبداللہ بھی یہ نعرہ بلند کرتے رہے پاکستان بھی اس نعرے کا مؤید بن کر اس کی خاطر ہندوستان سے مقابلہ کرتا رہا۔ شیخ محمد عبداللہ اور پاکستان کی طرف سے رائے شماری کا نعرہ بلند ہوتے دیکھ کر دنیا والے اور خود ریاستی عوام سمجھنے لگے۔ دونوں کے درمیان نظریاتی ہم آہنگی ہے۔ پاکستان کے پاس رائے شماری کا اپنا مطلب تھا اور شیخ محمد عبداللہ کے پاس اس نعرے کا اپنا مطلب تھا۔ کشمیری عوام پاکستان اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان اس مشترکہ نعرے میں فرق کو سمجھنے کی نہ کوشش کرنے لگے اور نہ انہیں اس فرق کو سمجھنے کی ضرورت تھی۔ ہندوستان کی اپنی حماقتوں کے باعث یہی سمجھا جانے لگا کہ شیخ صاحب نظریاتی طور پاکستان کے زیادہ قریب ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کے ساتھ اختلافات کے باوجود وہ ہندوستان کے زیادہ قریب رہے۔ پاکستان، ہندوستان اور شیخ محمد عبداللہ تینوں کے تعلقات اس طرح اُلجھ گئے کہ یہ سمجھنا مشکل ہوگیا کہ کون کس کا دوست اور حامی ہے اور کون کس کا حریف ہے۔ ۱۹۵۳ء کے بعد پاکستان شیخ محمد عبداللہ کا زبردست حامی بنا رہا۔ چنانچہ عوام بھی اسی خیال کو ذہن میں رکھ کر رائے شماری کی حمایت کرنے لگے۔ ہندوستان کو رائے شماری کا دشمن تصور کیا جانے لگا۔ حالانکہ پنڈت جواہر لال نہرو نے خود الحاق پر کشمیری عوام کی رائے لینے کی شرط اس وقت پیش کی۔ جب انہوں نے الحاق

کے مسودہ پر دستخط ہونے کے وقت کہا :-

"یہ الحاق بہت ہی نازک حالات میں کیا جا رہا ہے۔ یہ الحاق
اسی وقت پکا ہوگا جب کشمیری عوام اس کی تائید اور حمایت کرینگے۔"

اس وقت جو صورت حال ہے وہ اکثر لوگوں کے لئے ناقابلِ فہم بن گئی ہے۔ نئی نسل کے لوگ تحریک کے حقیقی مقاصد اور رائے شماری کے اصلی مطلب سے ناواقف ہیں۔ یہ نسل شعوری طور کورپٹ کی گئی ہے۔ ۱۹۵۳ء کے بعد ریاست میں منفی عمل شروع ہوگیا۔ ۱۹۵۳ء کا واقعہ بجائے خود ایک منفی عمل تھا۔ اس ایک منفی عمل سے زندگی کے تمام شعبوں میں منفی رَو داخل ہوگئی۔ نوجوان اس منفی رَو میں پیدا ہوئے اور جوان ہوگئے۔ چنانچہ سیاست میں اعلیٰ اخلاقی قدروں کا عمل دخل ختم ہوگیا۔ منفی حالات میں پرورش پاکر ریاست کے جوان منفی ذہنیت کے مالک بن گئے۔ اب ریاست کے عوام کو جن میں نئی نسل کے لوگ زیادہ تعداد میں شامل ہیں کوئی بھی تعمیری انداز فکر پسند نہیں آتا۔ نوجوانوں کا ذہن تخریب پسند بن گیا ہے۔ اس تخریبی ذہن نے مختلف قسم کے پیکر اختیار کئے ہیں۔ یہ تخریبی ذہنیت کسی جگہ فرقہ پرستی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے کسی جگہ چاپلوسی میں، کہیں جگہ یہ رشوت خوری کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے اور کہیں جگہ سمگلنگ کا ـــ غرض لوگ مختلف طریقوں سے تخریب میں شامل ہوگئے ہیں۔ لوگوں کے اخلاقی معیار بدل گئے ہیں۔ اب شرافت اور دیانداری عزت و مرتبے کی نشانی نہیں۔ اب دولت ہی عزت اور وقار کی علامت ہے۔ خواہ یہ دولت ناجائز طریقوں سے ہی حاصل کی گئی ہو۔ سیاست میں بھی اخلاق کا عنصر خارج ہوگیا ہے۔ اب ریاست کے عوام ایسی سیاستدان کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔

جس کے ہاتھ میں اقتدار ہو۔ انفرادی اور اجتماعی طور لوگ مقتدر سیاستدانوں کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔ جس شخص کے ہاتھ میں اقتدار ہو اسی کی طرف عوام کی کشش بڑھ جاتی ہے۔ لوگ بے شک ان لیڈروں کی طرف بھی مائل نظر آتے ہیں جو کسی مقصد کی خاطر ان کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن عملی طور وہ ان لوگوں کی اعانت کرتے ہیں جن کے ہاتھ میں طاقت ہے۔ لوگوں کے اخلاقی معیار بدلنے کے باعث شیخ محمد عبداللہ نے اپنی سیاسی حکمت عملی تبدیل کی ۱۹۷۵ء میں انہوں نے حکومت کی بھاگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی جدوجہد کو نئی سمت دی۔

اس بدلی ہوئی صورت حال نے نئے سوال پیدا کئے ہیں۔ ہر شخص پوچھ رہا ہے اور سوچ رہا ہے کہ رائے شماری جس کے لئے قربانیاں دی گئیں اور جو عوام کی سیاسی زندگی کا ایک ناقابلِ تنسیخ جُز بن گیا تھا کیوں ترک کی گئی اور اس نعرے کو ترک کر کے کیا حاصل کیا گیا۔ بہت کم لوگ اس نئی تبدیلی کی وجوہات کو سمجھ سکے ہیں۔ اس تبدیلی کی مختلف تاویلیں پیش کی جا رہی ہیں۔ ایک استدلال یہ ہے کہ شیخ صاحب نے رائے شماری کے موقف کو ترک کر کے قوم سے دھوکہ کیا ہے۔ دوسرا استدلال یہ ہے کہ شیخ صاحب نے اپنا موقف نہیں بدلا لیکن اپنی حکمت عملی تبدیل کی ہے۔

کشمیر کی نئی نسل ۱۹۴۷ء سے پہلے کی تاریخ سے واقف نہیں۔ اس نسل کو معلوم نہیں کہ پاکستان نے کشمیری عوام کی تحریک کی کس طرح مخالفت کی اور ہندوستان اس تحریک کی امداد کرنے کے لئے کیا کچھ کر چکا ہے۔ اس نئی نسل نے ہندوستان اور پاکستان کا وہ رُخ دیکھا ہے جو ۱۹۵۳ء کے بعد سامنے آیا۔ تحریک کے بانی ۱۹۵۳ء کے بعد اکثر عرصہ میں مقید رہے اس لئے اُن کو تحریک کے حقیقی مقاصد سے ...

واقف کرنے کا موقع نہ ملا۔ نئی نسل ایک ہیجانی اور زہر آلود فضا میں پروان چڑھی۔ اس نسل کو ایک ایسے نظام میں ہوش سنبھالنے کا موقع ملا جو نظام منفی اعتقادات پر قائم کیا گیا تھا۔ ۱۹۵۳ء کا واقعہ ایک منفی عمل تھا۔ اس منفی عمل کا منفی ردِ عمل ہونا قدرتی تھا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد ایک ایسے نظام کی داغ بیل ڈالدی گئی جو رشوت پر قائم کیا گیا تھا۔ اس وقت ایک گروہ پیدا کیا گیا جس کے ہاتھ میں رشوت کے طور حکومت تھمادی گئی۔ رشوت پر قائم کی گئی حکومت رشوت کے سہارے قائم رکھی جاسکتی تھی۔ چنانچہ سماج کے مختلف طبقوں کو رشوت کے ذریعہ اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی گئی۔ ۱۹۵۳ء میں عوام نے جس قسم کی بغاوت کی اس نے نئے حکمرانوں کو خوف زدہ کردیا۔ انہیں احساس ہوا کہ اگر انہیں حکومت کی بھاگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھنی ہے تو دباو کے ساتھ ہی تحریص و ترغیب کا ہتھیار بھی استعمال کرنا ہے۔ نئی حکومت نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شہریوں کو راشن میں سبسڈی دی گئی۔ اس وقت غذا کی حالات کافی حد تک خراب تھے۔ لوگوں کی اقتصادی حالت اچھی نہیں تھی۔ قبائلی حملے کی وجہ سے کشمیر میں سماجی ڈھانچہ تبدیل ہوگیا تھا۔ کاروبار کی روایتی شاہراہیں بدل گئی تھیں۔ تجارت اور لین دین جن راستوں سے ہوتا تھا ان راستوں پر پاکستان کا قبضہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ ریاست کا سارا اقتصادی اور کاروباری ڈھانچہ تباہ ہوگیا تھا۔ اقتصادی مشکلات کے علاوہ سیاسی مسئلے پیدا ہوگئے تھے۔ ان وجوہات کے باعث ریاست میں صورت حال کافی حد تک ناگفتہ بہ تھی۔

کشمیری عوام نے دو قومی نظریئے کو ٹھکرانے کے لئے پاکستان کے حملہ آوروں سے ٹکر لی تھی اور اپنے حقوق اور اپنے اصولوں کو بچانے کے لئے ایک بڑی قوت کا مقابلہ

کیا تھا۔ انہوں نے کمزور اور نہتے ہونے کے باوجود ایک مسلمان دشمن سے ہاتھ ملانے سے انکار کیا تھا۔ اپنے اصولوں کی سربلندی کے لئے انہوں نے ایک بہت ہی طاقتور دشمن کا چیلنج قبول کیا تھا۔ ان خطرات کا مقابلہ کرکے ریاستی عوام نے ہندوستان کے ساتھ ہاتھ ملادیا تھا۔ ۱۹۵۳ء میں جب ہندوستان نے کشمیر میں ایک نمائندہ حکومت کو تباہ کرکے ایک کٹھ پتلی حکومت قائم کی تو سوال پیدا ہوا اس حکومت کو کس طرح عوام پر مسلط کیا جائے۔ چنانچہ عوام کے جذبۂ خودداری کو کچلنے کے لئے مختلف طریقے استعمال کئے گئے۔ سبسڈی دی گئی۔ ملازمتیں اور عہدے عطا کئے گئے۔ پرمٹ اور لائسنس دے کر لوگوں کی وفاداریاں خریدنے کی کوشش کی گئی۔ غرض تمام لالچ اور تمام قسم کی رشوت کا جال پھیلادیا گیا۔ کشمیری عوام ابتدا میں اس جال میں پھنسنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے سخت مزاحمت کی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی مزاحمت ختم ہونے لگی۔ ریاست میں ایک نفسیاتی ماحول پیدا کیا گیا۔ جو لوگ زیادہ دیر تک مزاحمت پر قائم نہ رہ سکے۔ انہوں نے مفادات کی طرف راغب ہونا شروع کیا۔

۱۹۵۳ء کے چند سال بعد ہی حق پرستوں اور مفاد پرستوں کے دو گروہ پیدا ہوگئے۔ حق پرست جیل جاتے یا مفاد پرستوں کے خلاف لڑتے رہے۔ مفاد پرست حکومت کے وفادار بن کر اپنی وفاداری کی قیمت چکانے لگے۔ ہر شخص اپنے سیاسی یا سماجی مرتبے کے مطابق اپنی وفاداری کی قیمت وصول کرنے لگا۔ کشمیر کے ملا مفتی واعظ اور دوسرے لوگ جن کا سماج کے کسی طبقے یا طبقوں پر اثر تھا کو اپنے شیشے میں اتار دیا گیا۔ اُن کو بڑے فائدے دیئے گئے اس طرح اُن کو "رائے شماری" کے موقف سے ہٹایا گیا۔ یہ لوگ عوام میں اپنی سیاسی ساکھ قائم رکھنے کے لئے "رائے شماری" کی

حمایت کرتے رہے لیکن عملی طور پر "رائے شماری" کے خلاف کام کرنے لگے۔ نوجوان لیڈروں کو جو جذبۂ خودداری سے سرشار نظر آتے تھے اسی طرح ملوث کیا گیا۔ خود محاذ رائے شماری جیسی سب سے بڑی تنظیم کے عہدیداروں کو بھی اپنی راہ سے بھٹکایا گیا۔

غرض تمام طبقوں، تمام جماعتوں اور زندگی کے تمام شعبوں میں اپنے زرخرید ایجنٹ داخل کر دیئے گئے۔ اس کے علاوہ مکر و فریب کے ہزاروں جال پھیلائے گئے۔ چنانچہ رائے شماری کا نعرہ ایک استحصالی نعرہ بن گیا۔ اس نعرے کا کچھ لیڈر استحصال کرنے لگے۔ رائے شماری کے نعرے کو یہاں کے حکمرانوں نے عملی طور رشوت دے کر ختم کر دیا لیکن وہ اس نعرے کو زندہ رکھنے کے لئے کوششیں بھی کرتے رہے۔ اس نعرے کی موجودگی سے ہی ان کا اقتدار اور ان کا استحصال قائم رہ سکتا تھا۔ انہوں نے رائے شماری کے نعرے کو ختم کرنے کے لئے رشوت کا حربہ استعمال کیا۔ لیکن اس نعرے کو زندہ رکھنے کے لئے بھی رشوت دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ اقتدار کے متوالوں اور جاہ پرستوں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے اقتدار کو اس وقت تک قائم رکھ سکتے ہیں اور اپنے مفادات کو تقویت دے سکتے ہیں جب تک یہاں ایک کشمکش کی فضا قائم رہے گی۔ کشمکش قائم رکھنے کے لئے رائے شماری کو زندہ رکھنا ضروری تھا۔ چنانچہ پاکستان کی حمایت کرنے والے کچھ لیڈروں جن میں ملا اور مفتی اور کچھ نوجوان بھی شامل تھے کو اپنا تنخواہ دار بنایا گیا۔ اس طرح رائے شماری کے نعرے کو ختم بھی کیا گیا لیکن اس نعرے کو زندہ بھی رکھا گیا۔ کانگریس جیسی قوم پرست اور سیکولر جماعت [illegible] عوامی ایکشن کمیٹی اور جماعت اسلامی جیسی فرقہ پرست اور رجعت پسند جماعتوں کے ساتھ روابط قائم کئے اور ان دو جماعتوں کے ذریعہ اپنے منصوبوں کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ عام لوگ رائے شماری کے ساتھ دلچسپی لیتے رہے لیکن ان

کو مختلف قسم کی رعایات دے کر رائے شماری سے عملی طور منحرف کیا گیا۔ سماج
ٹھیکیداروں، لائسنس ہولڈروں، پرمٹ ہولڈروں، آفیسروں، عہدیداروں
ٹرانسپورٹروں اور دوسرے لوگوں پر مشتمل بہت سارے مفاد خصوصی کے طبقے پیدا
کئے گئے۔ یہ تمام طبقے حکمران جماعت کے ساتھ وفاداری کا دم بھرتے رہے اور پاکستان
رائے شماری کے ساتھ اپنی دلچسپی کا اظہار بھی کرتے رہے۔ سماج میں برائیاں پیدا کی گ
دانشور طبقے کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے اُسے اپنے حق میں لکھنے پر آمادہ کیا۔ ان طریقوں
لوگوں میں اپنے حقوق کے لئے لڑنے کا پُرجوش جذبہ تباہ کیا گیا۔ اُن کی خودداری کو
کیا گیا۔ وہ لوگ جو ۱۹۴۷ء تک اصولوں کی خاطر اپنا سب کچھ لٹانے کے لئے تیار
اصولوں اور آدرشوں کا سودا کرنے لگے۔ وہ اپنی وفاداریوں کو سرِعام نیلام
چڑھانے لگے۔ لوگوں کا اخلاقی معیار بدل گیا۔ وہ اصولوں کا مضحکہ اڑانے لگے
مفادات کو ہی سب کچھ سمجھنے لگے۔ چنانچہ لوگوں کی کوشش کا مرکز صرف حکمران
بن گئی۔ اصولوں اور آدرشوں کی سربلندی کے لئے لڑنے والے لیڈروں کے س
صرف زبانی ہمدردی کا اظہار کیا جانے لگا۔ ان حالات میں "رائے شماری" کے ن
کو بلند کرتے رہنا بے مقصد تھا۔ اس طرح کی چیخ و پکار سے کوئی مسئلہ حل ہون
نہیں تھا۔ بدلے ہوئے حالات میں اپنی حکمت عملی کو تبدیل کرنا وقت کا تقاضہ
کشمیر میں جس تحریک کو ۱۹۳۱ء میں شروع کیا گیا تھا اس کا مقصد ذمہ دا
قائم کرنا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان وجود میں آگیا تو الحاق کا مسئلہ پیدا ہو گ
مسئلے کو بھی رائے شماری کے ذریعہ حل کرنے کا مقصد کشمیری عوام کو فیصلہ کرنے کا
بنیادی حق دینا تھا۔ کشمیری عوام کو رائے شماری کے ذریعہ اور انتخابات کے ذریعہ

کرنیکا حق مل گیا تھا۔ رائے شماری کے ذریعہ فیصلہ کرنیکا حق اقوام متحدہ نے دیا تھا اس حق کی نوعیت سیاسی تھی۔ انتخابات کے ذریعہ فیصلہ کرنیکا حق ہندوستان کے آئین نے دیا تھا جس میں دفعہ ۳۷۰ شامل ہے۔ اس حق کی نوعیت آئینی تھی۔ اول الذکر حق حاصل کرنے میں کافی مشکلات تھے۔ اس حق کو حاصل کرنے کے لئے صبر آزما مرحلوں سے گذرنے کی ضرورت تھی۔ موخر الذکر حق کو حاصل کرنے کے لئے بہت کم مشکلات تھیں۔ یہ حق حاصل کرنا مشکل نہ تھا۔ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۳ء کے بعد کشمیری عوام ان دونوں قسم کے حقوق سے محروم تھے۔ ان کو نہ رائے شماری کے ذریعہ اپنے حق کو استعمال کرنے کی اجازت تھی اور نہ انتخابات کے ذریعہ۔ رائے شماری کے حق کے ساتھ کئی فریق وابستہ تھے۔ اس حق میں ہندوستان، پاکستان، اقوام متحدہ اور کشمیر کے دونوں حصوں کے لوگ شامل تھے۔ انتخابات کے حق کے ساتھ کشمیری عوام اور ہندوستان ہی وابستہ تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے کشمیری عوام کے لئے انتخابات کے ذریعہ اپنے وہ اختیارات حاصل کرنے کی طرف رخ پھیر دیا۔ جو اختیارات ریاستی عوام سے ۱۹۵۳ء کے بعد چھین لئے گئے تھے۔ اور جن کی وجہ سے کشمیر کی خصوصی پوزیشن تباہ ہوگئی تھی۔ شیخ صاحب کی تحریک کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا کہ ریاستی عوام کو ہندوستان کے آئینی ڈھانچے میں ایک باوقار مقام دلایا جائے۔ ۱۹۵۳ء میں ہندوستان نے جب کشمیری عوام کے اس حق کو چھیننے کے لئے ایک منصوبہ بنایا اور یہاں اپنی مرضی کی حکومت قائم کی۔ تو شیخ صاحب نے اپنے بنیادی حق کے حصول کیلئے رائے شماری پر زور دینا شروع کیا۔ اسوقت تک رائے شماری کا مطالبہ ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اٹانومی ہی بنیادی مسئلہ تھا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد رائے شماری پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ ۲۲ سال کے بعد

ہندوستان کے حکمران وہ اختیارات ریاستی عوام کو واپس دینے پر آمادہ ہوگئے۔ جو انہوں نے چھین لئے تھے۔ اس طرح مفاہمت ہوگئی اور دوبارہ ہندوستان اور کشمیر قریب آگئے۔

اس سیاسی پس منظر میں یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ کشمیر کی سیاست نے کن وجوہات کے باعث پلٹے کھائے اور ریاست کی سیاست کو ایک خاص رخ دینے کے مقصد میں کون سے عوامل باعث بن گئے۔

کشمیر کی نئی نسل جو ریاست کے سیاسی نشیب و فراز سے ناواقف ہونے کے باعث اکثر غلط فہمی کی شکار بن رہی ہے کی واقفیت کی خاطر میں نے ریاست کے سیاسی واقعات کو ان کے حقیقی سیاق و سباق کے ساتھ لکھا گیا ہے تاکہ ان سے کشمیر کی سیاست کے صحیح خدوخال ابھریں اور وہ ذہنی الجھنیں دور ہوجائیں جو غلط فہمی یا غلط اطلاعات کی وجہ سے پیدا ہورہی ہیں۔ اس کتاب میں ہر تاریخی واقعہ کو اس کے حقیقی پس منظر میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں پورے چالیس سال سے ریاست کے سیاسی واقعات کا مشاہدہ کرتا رہا ہوں جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ زیادہ تر میرے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے۔ کشمیر کی سیاست کو سمجھنے کے لئے ان پیچیدگیوں کو سمجھنا ضروری ہے جو بین الاقوامی سیاسی طاقتوں کے اپنے سیاسی اغراض نے پیدا کی ہیں اور جن کی وجہ سے کشمیر کا سوال کافی الجھ گیا ہے۔

کشمیر کے لیڈروں کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان کے لیڈروں نے وقت وقت پر اس مسئلے کو سلجھانے کے لئے اپنے طور اپنے انداز سے کوششیں کیں لیکن بین الاقوامی دباؤ یا بڑے ممالک کی اپنی مصلحتوں کے باعث کوئی بھی کوشش

کامیاب نہ ہوسکی۔ عالمی سطح پر غیر معمولی سیاسی تغیرات کا کشمیر پر اثر پڑا۔ کشمیر کے معاملے کی آڑ میں بڑے ممالک نے برصغیر میں مداخلت کی راہیں تلاش کیں۔ اپنی سیاسی مصلحتوں کے مطابق بڑے ممالک اس معاملہ پر اپنا رویہ بدلتے رہے۔ اس معاملہ میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف قسم کے دباؤ کام کرتے رہے۔ حالات کے دباؤ اور مسئلے کی پیچیدگیوں کے باعث اس معاملہ سے وابستہ ممالک اور لیڈر ہر چند سال کے بعد اپنے مؤقف کا جائزہ لیتے رہے۔ حالات اور ضروریات کے مطابق اپنے رویوں میں تبدیلیوں کی بھی ضرورت محسوس کی گئی۔ ان تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ وقت گذرتا رہا۔ آج حالات کی نہج وہ نہیں جو ۳۰ سال پہلے تھی۔ تیس سال کے طویل عرصہ میں دنیا کا کوئی بھی مسئلہ اپنی ابتدائی صورت میں نہیں دیکھا جاسکتا۔ مسائل تو وہی ہیں لیکن مسائل سے نمٹنے کا ڈھنگ بدل گیا ہے۔ اپنی طاقت اہلیت اور استطاعت کے مطابق ہر ملک اور لیڈر پرانے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کشمیر کے حالات کو سمجھنے کے لئے سیاسی بالغ نظری اور سیاسی تجربات کی ضرورت ہے۔ سیاست میں CONSISTANCY ایک عیب ہی سمجھی جاتی ہے۔ بدلتے ہوئے قومی اور بین الاقوامی حالات میں جو لیڈر CONSISTANCY چاہتے ہیں وہ سیاسی تجربات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتے۔ یہ سب تجربے ایک لیڈر کو بہت محتاط بناتے ہیں۔ سیاسی دنیا میں کامیابی اور ناکامیوں سے ایک لیڈر کو آگے بڑھنے کا صحیح شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی سیاسی [illegible] بات لیڈر کا خلوص ہوتا ہے۔ لیڈر اپنا ہر قدم اپنے سیاسی [illegible] آگے بڑھاتا ہے۔ لیڈر کے خلوص سے ہی اس کا سٹائل

اُبھرتا ہے۔ یہ سٹائل ہی کسی لیڈر کی شخصیت کو نمایاں کرتا ہے۔ سیاست کی پٹی ہوئی راہوں پر چلتے چلتے نئی راہیں تلاش کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیڈر کا کردار اس کے عمل سے سمجھا جاسکتا ہے۔ سیاسی دنیا میں ایک لیڈر بہت کچھ بولتا ہے۔ وہ بیان دیتا ہے۔ تقریریں کرتا ہے۔ بیانات اور تقریریں تو حالات کی پیداوار ہوتی ہیں لیکن لیڈر کا عمل ہی اس کے خلوص اور اس کے سٹائل کو ظاہر کرتا ہے۔ سیاست میں اندازوں کے مطابق ہی کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اندازے صحیح بھی ہوتے ہیں اور غلط بھی۔ اندازے کی غلطی سے ایک لیڈر کو کبھی وقتی طور پر کسی سخت ناکامی کا سامنا بھی کرنا پڑے۔ اگر اس میں خلوص ہو تو اس لیڈر کی قیادت اپنی بہت ساری ناکامیوں کے بعد بھی پُرکشش ہوتی ہے۔

کشمیر کی سیاست میں کسی تحریک کی کامیابیوں سے زیادہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ تحریک کو چلانے والے لیڈروں میں کس نے خلوص سے کام کیا۔ اگر یہ خلوص تلاش کیا جائے گا تو صحیح قیادت کو پہچاننا مشکل نہیں ہوگا۔

اس کتاب میں مختلف سیاسی کرداروں کو ان کے اپنے عمل سے اُبھارا گیا ہے۔ چنانچہ قارئین ہر لیڈر کے کردار کے بارے میں کسی صحیح نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔

اس تاریخ کو ترتیب دینے میں جہاں میں نے اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات سے کام لیا ہے اور حالات کو اپنی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے وہاں میں نے بہت ساری تاریخی کتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس تاریخ کو مرتب کرتے ہوئے میں نے ذیل میں درج کتابوں کا سہارا لیا ہے۔

۱۔ رشید تاثیر کی تحریک حریت کشمیر۔

۲۔ وائی۔ ڈی۔ گنڈیویا کی ٹیسٹمنٹ آف شیخ محمد عبداللہ۔

۳۔ بی۔ این۔ ملک کی مائی ایرس وِد نہرو MY YEARS WITH NEHRU

۴۔ پریم ناتھ بزاز کی فریڈم سٹرگل آف کشمیر

۵۔ کلدیپ نائیر کی ڈسٹنٹ نیبرس

۶۔ مسٹر بامزئی کی ہسٹری آف کشمیر

۷۔ کشمیر سازش کیس سے متعلق روئیداد

۸۔ مسٹر شرما کی کشمیر اویکینز

۹۔ نرسنگھ داس نرگس کی تاریخ ڈوگرہ دیش

۱۰۔ نوجیون پبلشرز کی پٹیل اور نہرو کی خط و کتابت

اس کے علاوہ اخباروں اور دوسرے بہت سارے رسالوں سے بھی میں نے مواد حاصل کیا ہے۔ کئی اخبارات سے اپنی وابستگی کے ناطے مجھے کشمیر کی سیاست کو بہت نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

ہندوستان کے وفاق میں کشمیر ایک خاص درجہ رکھتا ہے۔ کشمیر کی ساری جدوجہد حقیقت میں اس وفاقی ڈھانچے میں کشمیر کی حیثیت کو برقرار رکھنے اور اس کا تحفظ کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔ سیاسی ضروریات کی وجہ سے اس کے ساتھ دوسرے مسئلے خلط ملط کئے گئے ہیں۔

صوفی غلام محی الدین

۵ رمئی ۱۹۷۷ء

جدوجہد کا آغاز

شیخ محمد عبداللہ لگ بھگ نصف صدی سے کشمیری عوام کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ ۱۹۳۱ء سے وہ مسلسل طور ایک جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اس جدوجہد نے اب تک کئی شکلیں بدلیں۔ ابتدا میں یہ جدوجہد مسلمانوں کو ملازمتیں دلانے کے لئے شروع ہوئی بعد میں اس نے مسلمانوں کے مجموعی مسائل ابھارنے شروع کئے۔ پھر یہ جدوجہد نیشنل کانفرنس کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جدوجہد نے ایک پیچیدہ صورت اختیار کی۔ شیخ محمد عبداللہ کو تحریک کے قائد کی حیثیت سے کبھی پاکستان سے مقابلہ کرنا پڑا کبھی ہندوستان کے ساتھ الجھنا پڑا۔ اور کبھی ہندوستان اور پاکستان دونوں کے ساتھ نمٹنا پڑا۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۵ء یعنی ۴۴ سال تک شیخ صاحب نے قوم کی رہنمائی کس طرح کی اور وہ کس حد تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے یہ ایک اہم سوال ہے۔ اس سوال کا مختلف لوگ مختلف جواب دے رہے ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ مختلف لوگ شیخ صاحب کی شخصیت اور سیاست کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ شیخ صاحب کو کن حالات سے گزرنا پڑا اور مختلف موقعوں پر کن قوتوں کے ساتھ ان کو مقابلہ کرنا پڑا۔

منظم تحریک

۱۹۳۱ء میں جو تحریک شروع ہوئی وہ حقیقت میں چار سو سال کے بعد کشمیر کی پہلی تحریک تھی جو منظم طریقہ پر اُٹھی اور جس تحریک کے ساتھ تمام کشمیری وابستہ ہو گئے۔

۱۵۸۶ء میں جب شہنشاہ اکبر نے کشمیر پر قبضہ کر لیا تو کئی بار کشمیری عوام نے بغاوت کرنے کی کوشش کی۔ یہ بغاوتیں اندر ہی اندر دب گئیں۔ مغل دور، افغان دور اور سکھ دور میں ہمیں کشمیری عوام کی کوئی ایسی تحریک نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے باہر کے حکمرانوں کو کشمیری عوام کی کسی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ کشمیری عوام کی مزاحمت کی قوت بدیشی حکمرانوں کے طویل تسلط کے دوران ختم ہو گئی اور وہ باہر کے ہر حکمران کے آگے سر جھکانے پر تیار نظر آنے لگے۔ ۱۹۳۱ء میں پہلی بار کشمیری عوام نے غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کا عزم کیا اور انہوں نے کسی ظلم کے آگے سر جھکانے سے انکار کیا۔ چار سو سال کے بعد کشمیری عوام میں اُس طرح اُبھار پیدا ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس اُبھار کو اب صحیح سمت دینے کی ضرورت تھی تاکہ بغاوت غلط رُخ پر جا کر کشمیری عوام کی دوبارہ غلامی کا موجب نہ بنے۔ شیخ محمد عبداللہ کی صورت میں کشمیری عوام کو ایک لیڈر مل گیا۔ صدیوں کی دبی اور کچلی ہوئی قوم کی قیادت کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ایسی قوم کے لئے ایک باہمت، باغیرت اور بااصول لیڈر کی ضرورت تھی جو ہر قسم کے دباو اور لالچ کا مقابلہ کر سکتا۔ اب تک تو لالچ اور دباؤ کے ذریعہ ہی کشمیری عوام کو قیادت سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اب بھی ایسا ہی ہو سکتا تھا اور کبھی بھی اُبھرتے ہوئے لیڈر کو کشمیری عوام سے دباو یا لالچ کے ذریعہ الگ کیا جا سکتا تھا۔

شیخ صاحب کی قیادت کا خطرہ

شیخ صاحب جب کشمیری قوم کی قیادت کیلئے میدان جدوجہد میں آئے تو اُن کو پہلے دباو اور دھمکیوں کے ذریعہ خاموش کرانے کی کوشش کی گئی۔ شیخ صاحب نے ظلم اور ظالموں سے مقابلہ کس طرح کیا اور وہ بے باکی کے ساتھ کس طرح ابتدائی مرحلوں میں شخصی حکمرانوں کے ساتھ ٹکرائے اس کا ثبوت وہ مکالمہ ہے جو ستمبر ۱۹۳۱ء کو شیخ صاحب اور مہاراجہ ہری سنگھ کے وزیر اعظم ہری کرشن کول کے درمیان ہوا ——

وزیر اعظم ہری کرشن کول نے مسلم نمائندگان کے ساتھ بات چیت کرنے کے سلسلے میں میر واعظ محمد یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ کو اپنی کوٹھی پر طلب کیا۔ جہاں پہلے ہی سے گورنر کشمیر اور پولیس کے بڑے آفیسر موجود تھے۔ وزیر اعظم مسٹر کول نے شیخ محمد عبداللہ سے مخاطب ہو کر کہا —— "تم بڑے بدمعاش ہو اور اپنی شرارت سے باز نہیں آتے۔" اس کے جواب میں شیخ محمد عبداللہ نے کہا ——

"جناب پیشتر اس کے آپ سے کوئی بات دریافت کروں میری درخواست ہے کہ آپ برائے مہربانی اپنے ناشائستہ اور اخلاق سے گرے ہوئے الفاظ واپس لیں۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل آپ نے مجھے اور میرے رفیق چودھری غلام عباس سے متکبرانہ لہجہ میں کہا تھا کہ میں نے ننکانہ صاحب میں سکھوں کی تحریک کو تباہ و برباد کیا جس کا تصور آتے ہی اب بھی سکھ قوم کے بدن میں لرزہ طاری ہوتا ہے۔ مسلمان میرے سامنے کیا

حیثیت رکھتے ہیں۔ تمہاری مسجدوں کو مقفل کر دیا جائے گا اور تمہاری احمقانہ تحریک کو کچل کے رکھ دوں گا۔ آج آپ نے اس سے بھی بڑھ کر ناشائستہ الفاظ استعمال کئے جنہیں میں اور میری قوم کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ میں نے آج تک کوئی بدمعاشی نہیں کی بلکہ مسجدوں میں جا کر لوگوں سے التجا کر رہا ہوں کہ وہ موجودہ شرائط صلح پر کاربند رہیں۔ میں تو لوگوں کو قرآن شریف کا وعظ سناتا ہوں۔ حالانکہ حکومت اعلانیہ شرائط صلح کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ وزیراعظم نے جواب دیتے ہوئے کہا — تم بکواس کرتے ہو تمہارے خلاف سی۔ آئی۔ ڈی کی جو رپورٹیں ہیں۔ وہ ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ تمہاری قوم کو کچھ سبق سکھایا جائے کیونکہ تم لوگ اپنی کمینہ حرکت سے باز نہیں آتے۔ اس کے جواب میں شیخ صاحب نے کہا کہ سی۔ آئی۔ ڈی کی شکایات اور رپورٹیں بالکل غلط اور گمراہ کن ہیں۔ میں نے ہزار بار حکومت کے نمائندوں اور خود مہاراجہ بہادر سے التجا کی تھی کہ وہ خود بنفس نفیس تشریف لا کر تقریریں سنیں۔ ہمارے خلاف شکایت کرنیوالا طبقہ وہ ہے جس نے میری قوم کے خلاف گذشتہ دنوں یہ جھوٹا الزام لگایا تھا کہ مسلمانوں نے ایک پنڈت لڑکی کو جان سے ہلاک کر دیا۔ خفیہ پولیس کے اہلکار میرے اور میری قوم کے خلاف غلط شکایتیں کرتے ہیں۔ ایسا کرنیوالے برادرانہ وطن سے کوئی بازپرس نہیں کی جاتی۔ مگر خدا جانے ہم سے خدا واسطے کا یہ بیر کیوں رکھا جاتا ہے۔ باقی رہا مجھے اور میری قوم کو آپ کچھ سبق پڑھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس کے جواب میں صرف اتنا کہوں گا کہ آپ کے ارادے حکومت کی جڑیں کھوکھلی کریں گے۔ مدت ہوئی کشمیر ہمیں نشانۂ ستم بنائے ہوئے ہے۔ گذشتہ جگر خراش واقعات کا اعادہ کرنا میں پسند نہیں کرتا۔ لیکن مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا حکومتِ کشمیر کے حق میں سخت خطرناک ہوگا۔ اور میں یہ مشورہ دوں گا کہ مسلم رعایا کی تالیفِ قلوب کرنے کی بالکل کوشش نہ کریں۔ یہ قوم جس طرح آج تک وفادار چلی آئی ہے پہلے سے بھی زیادہ مہاراجہ بہادر اور اس کی حکومت کی مرہون منت ہوگی۔ لیکن آپ بھی کچھ اس قوم کو ضرور اشک شوئی کیجئے۔ مسلمانوں کو جن کی آبادی ۹۷ فیصد ہے بڑی آسانی کے ساتھ قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ راعی اور رعایا کے تعلقات بہتر بنائے جائیں۔ اس پر وزیراعظم نے کہا تم بہت مکار ہو۔ میں تمہیں گرفتار کراتا ہوں اور دیکھوں گا کہ تم اور تمہاری قوم میرا اور حکومت جموں کشمیر کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ اس کے بعد پولیس آفیسر سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ میر واعظ کے سوا اس کے تمام ساتھیوں کو جہاں بھی ہوں گرفتار کر لیا جائے۔ اس کے جواب میں شیخ محمد عبداللہ نے کہا۔ آپ یاد رکھئے کہ قید ہونے یا کسی اور سزا کی مجھے پروا نہیں۔ میرے کئی ہزار ساتھی میرے ساتھ قید ہونے کے لئے تیار ہیں۔ آپ جیل کے دروازے کھول دیں اور دیکھیں کہ کس طرح وہ اور کن لوگوں سے بھر جائیں گے۔ مگر میں آپ سے کہے دیتا ہوں آپ حکومت کے ہرگز خیر خواہ نہیں ہیں۔ بلکہ آپ

دونوں بھائیوں (دیا کرشن کول۔ ہری کرشن کول) نے ریاست کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے اور آج ایک بار پھر اس نازک دور پر مسلمانوں کی غیرت کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ آپ کو دل سے یہ خیال نکال لینا چاہیئے کہ چند سرکار پرست اور کانگریسی مُسلمان آپ کے دوست ہیں اور حکومت ہند کے سرکاری حلقوں میں آپ کا کافی اثر و رسوخ ہے۔ دُنیا کی حکومتیں ایسی حکومت کو کیا سمجھیں گی جن کی سلطنت کی ایک ریاست میں مُسلمانوں کو حیوانوں اور جانوروں کی طرح ذبح کیا جاتا ہے۔ مظلوم کی آہ ضرور کچھ رنگ لا کے رہے گی اور ہماری حمایت پر ضرور کوئی ایسی جماعت پیدا ہوگی جس کو دیکھ کر آپ کی حکومت دنگ رہ جائے گی۔ شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے ساتھ ان کے دوسرے تمام قریبی ساتھیوں کو پابند زندان کر دیا گیا اور حکومت نے ان پر دباؤ ڈالنے کی خاطر روزانہ چھ چھٹانگ اون کاتنے کی مشقت کا حُکم صادر کیا[1]۔"

اس واقعہ کے بعد کشمیری قوم شیخ صاحب کی قیادت میں ہر ظُلم سے ٹکراتی رہی۔ شیخ صاحب جیل جاتے رہے اور شخصی حکومت کے خلاف لڑتے رہے۔ ۱۱ر جولائی ۱۹۳۱ء کو شیخ محمد عبداللہ نے مسجد شریف بٹہ مالنہ میں تقریر کرتے ہوئے جنگ بدر کی تمثیل پیش کی۔ ۱۲ر جولائی ۱۹۳۱ء کو شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کی

ط۱۔ یہ سارا اقتباس رشید تاثیر کی تاریخ حرّیت کشمیر (صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۵) سے لیا گیا ہے۔

موجودگی میں گاؤکدل کی مسجد میں تقریر کی۔ ایک بڑا جلسہ تھا جس کے اختتام کے بعد لوگ یہ شعر گنگناتے ہوئے گھروں کو جانے لگے۔

سرفروشی کی تمنّا اب ہمارے دِل میں ہے
دیکھ لیں گے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

تیرہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء

۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کشمیر کی تاریخ کا وہ پہلا واقعہ ہے جب کشمیریوں نے صدیوں کے بعد شخصی نظام کے خلاف پہلی ٹکر لی۔ اس ٹکّر میں بہت سارے نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۳۱ء کو شیخ محمد عبداللہ گرفتار ہوئے۔ ان کی گرفتاری کے ساتھ ہی سردار گوہر رحمان، مستری محمد یعقوب، چودھری غلام عباس، مولوی عبدالرحیم اور غلام نبی گلکار بھی گرفتار کر لئے گئے۔ بریگیڈیر سدر لینڈ جامع مسجد میں پولیس اور فوج کے ہمراہ داخل ہو گئے۔ اس گرفتاری کے بعد شیخ صاحب کو گرفتار کرنے اور ان کو رہا کرنے کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ ۲۳ر جنوری ۱۹۳۲ء کو شیخ صاحب دوسری بار گرفتار کر لئے گئے اور دُو ماہ اٹھارہ دِن تک ان کو جیل میں رکھا گیا۔ دوسری گرفتاری ۲۳ر مئی ۱۹۳۳ء کو ہوئی۔ شیخ صاحب جب تیسری بار گرفتار ہوئے تو ان کو چار ماہ تک مقید رکھا گیا۔ اس بار مسٹر کالون ریاست کے وزیر اعظم تھے۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۳۴ء کو جب مسٹر ویکفیلڈ ریاست کے وزیر اعظم تھے شیخ صاحب کو چوتھی بار گرفتار کر کے اُنیس ۱۹ روز تک جیل میں رکھا گیا۔ ۱۹۳۸ء کو جب سر گوپالا سوامی آئینگر ریاست کے وزیر اعظم تھے شیخ صاحب پانچویں بار گرفتار ہوئے۔ یہ گرفتاری

۲۹ر اگست کو ہوئی۔ چھ ماہ تک شیخ صاحب جیل میں رہے۔ ۲۰ر مئی ۱۹۴۶ء کو کشمیر چھوڑدو تحریک شروع کرنے کی پاداش میں شیخ صاحب گرفتار کرلئے گئے۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا اور نو سال قید کی سزا دی گئی۔ سزا کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی اُن کو ۲۹ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو رہا کردیا گیا۔ اس گرفتاری کے ذمہ وار پنڈت رام چند کاک تھے جو ان دنوں ریاست کے وزیراعظم تھے۔

۹ر اگست ۱۹۵۳ء کو شیخ صاحب ایک سازش کے ذریعہ حکومت سے الگ کرکے گرفتار کرلئے گئے۔ اس بار انہیں ۴½ سال تک نظربند رکھا گیا۔ ۲۹ر مئی ۱۹۵۸ء کو پھر انہیں گرفتار کرلیا گیا اور مارچ ۱۹۶۴ء تک جیل میں رکھا گیا۔ اس وقت ان کی جیل کی مدت لگ بھگ چھ سال تھی۔ مئی ۱۹۶۵ء کو شیخ صاحب پالم ہوائی اڈے پر گرفتار کرلئے گئے اور انہیں مارچ ۱۹۶۸ء تک مدراس میں اپنے وطن سے دور رکھا گیا۔ جنوری ۱۹۷۱ء میں انہیں دہلی میں روکا گیا اور کشمیر جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔

۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۸ء تک شیخ صاحب شخصی حکومت کے ساتھ زیادہ تر مسلمانوں کے چھوٹے مسایل پر اُلجھتے رہے۔ اس دوران شخصی حکومت کشمیر میں اُبھرتی ہوئی تحریک کو کچلنے کے لئے کبھی دباؤ اور کبھی ڈپلومیسی سے کام کرتی رہی۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے تحریک کو پہلے ہی مرحلے پر ختم کرنے کے لئے ایک کے بعد دوسرے وزیراعظم کا تقرر عمل میں لایا لیکن تحریک دب نہ سکی۔ حکومت کو جو سب سے بڑا خطرہ لاحق ہوا وہ شیخ صاحب کی لیڈرشپ کا تھا۔ شیخ صاحب کو مرعوب کرکے اور اس پر دباو ڈال کر لیڈرشپ کو ختم کرنے کی جو کوششیں شروع کی گئی تھیں وہ کامیاب نہیں ہوئیں۔ شیخ صاحب کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور مسلمانوں کے اتحاد کو دیکھ کر حکومت

پر لرزہ طاری ہوگیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے وزیراعظم ہری کرشن کول نے مُسلمانوں میں ٹ ڈالنے کے لئے میرواعظ مولانا یوسف شاہ کو اپنے شیشے میں اُتارنے کی کوشش کی۔ ہری کرشن کول[1] نے حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی اپنے سیاسی وقار کو قائم کرنے کی خاطر لاہور ہائی کورٹ کے سابق جج مرزا ظفر کو ریاستی ہوم منسٹری کی کُرسی پیش کی۔ سرمہر شاہ کو گورنمنٹ آف انڈیا سے ان کے سیاسی داؤ پیچ کے لئے مستعار لیا۔ لاہور کے با اثر تاجر عبدالحمید اور مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار لاہور کو دعوتِ خصوصی پر کشمیر لایا گیا ان کے ذریعہ یہ کوشش کی گئی کہ شیخ محمد عبداللہ، غلام احمد عشائی، مولوی محمد یوسف شاہ، چودھری غلام عباس خان اور دوسرے مسلم نمائندگان کو شیشے میں اُتار لینے کی راہ ہموار کی جائے۔ ان سب نے

ان سب نے اپنی ملاقات میں فرداً فرداً جماعت کے ہر ممبر کے سامنے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ مہاراجہ کشمیر اور مُسلم نمائندگان کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ بظاہر اس تریاقی نسخہ میں اس بات کی پیش کش کی گئی کہ مُسلم نمائندگان اگر چاہیں تو ان کی خاطر تواضع کے لئے جاگیروں کی تازہ قسط اور نوکرشاہی میں اُن کے رُتبے اور شان کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ مگر حق تو یہ ہے کہ مُسلم نمائندگان نے اس پیش کش کو ٹھکرایا۔ خصوصی طور شیخ محمد عبداللہ اور ان کے قریبی ساتھی جنہیں ہری کرشن کول کے ایک لفظ نے قید خانوں کی تنگ و تاریک گوشوں میں پہنچایا۔ بہت ہی سخت جان واقع ہوئے۔ یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ میرواعظ کشمیر مولانا یوسف شاہ جو اُس وقت تک محض ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے تحریک میں حِصّہ لے رہے

ل۔ حوالہ از تحریک حریت کشمیر صفحہ ۱۲۸ مصنف رشید تاثیر

تھے۔ ان کے ساتھ ہری کرشن کول کے تعلقات بہت خوشگوار رہے غالباً یہی وجہ ہوئی کہ ہری کرشن کول نے سوائے میر واعظ کے دوسروں کے نام اپنا نادر شاہی حکم نافذ کیا۔ اس حکمنامہ کے ساتھ ہی وادی کے باشندوں کے دلوں میں میر واعظ کے بارے میں وسوسوں اور اندیشوں نے جگہ لینی شروع کی۔ ان میں نفاق پیدا ہونا شروع ہو گیا۔

مُسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش

ہری کرشن کول کی اس ڈپلومیسی سے مسلمانوں میں پھوٹ پیدا ہو گئی لیکن جس نئی لیڈرشپ کو وہ ختم کرنا چاہتے تھے وہ ختم نہ ہو سکی۔ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ شیخ صاحب کی قیادت میں منظم ہو کر جدوجہد میں مصروف ہو گیا۔ اس جدوجہد کا یہ فائدہ ہوا کہ مہاراجہ نے مسلمانوں کی شکایات اور ان کے مطالبات پر غور کرنا تسلیم کیا اور اُس نے یکے بعد دیگرے تین کمیشن۔ (دلال کمیشن، مڈلٹن کمیشن، گلانسی کمیشن) قائم کئے۔ دلال کمیشن، اسلام آباد شوپیاں اور سری نگر میں گولی چلانے کے واقعات کی چھان بین کے لئے قائم کیا گیا۔ دوسرے کمیشن جس کے سربراہ مڈلٹن تھے کے سپرد مختلف مقامات پر گولی چلانے کے واقعات کی تحقیقات کے علاوہ مساجد اور دیگر مقدس مقامات اور اُن سے وابستہ جائیدادیں جن پر حکومت کا قبضہ تھا واگذار کرانے کا مطالبہ بھی تھا۔ کمیشن کے سامنے تحریر و تقریر کی آزادی کا سوال بھی پیش کیا گیا تھا اور انجمن سازی کی اجازت کی مانگ بھی تھی۔ سب سے بڑا مسئلہ جو مڈلٹن کمیشن کے سامنے مُسلمان نمائندگان کی طرف سے پیش ہوا وہ

مجلس قانون ساز کی تشکیل سے متعلق تھا۔ وزارت میں مسلمان وزیروں کو آبادی کے تناسب کے مطابق شامل کرنیکا مُطالبہ بھی مڈلٹن کمیشن کے سامنے تھا گلانسی کمیشن پہلے دو کمیشنوں کے مقابلہ میں زیادہ وسیع بنیادوں پر قائم کیا گیا تھا۔ اس کمیشن کے ذریعہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ پنڈتوں اور بودھوں کے مذہبی جائیداد کے معاملے پر غور کرنا تھا۔ اس کمیشن میں چار غیر سرکاری ارکان شامل تھے۔ چار غیر سرکاری ارکان میں دو مسلمان اور دو غیر مُسلم تھے۔

ان تین کمیشنوں کے ذریعہ مُسلمان کس حد تک اپنے مطالبات منوانے میں کامیاب ہوگئے۔ اس سے قطع نظر ان کمیشنوں کا قیام اس بات کا بیّن ثبوت تھا کہ عوام کی طاقت کا احساس حُکمرانوں کو ہو گیا ہے اور وہ احساس کرنے لگے ہیں کہ اب کشمیری عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا نہیں جا سکتا۔ ان تین کمیشنوں کو قائم کرنے میں شیخ محمد عبداللہ اور مسلم کانفرنس کے دوسرے زعماؤں کو کافی حوصلہ ملا اور وہ ایک مطالبہ منوانے کے بعد دوسرا مطالبہ منوانے کی جدوجہد شروع کرنے لگے۔

کشمیر کی قیادت جس قدر اپنی کوششوں اور اپنی جستجو میں کامیابی حاصل کر رہی تھی اسی قدر یہ اپنے نقطۂ نظر میں وسعت پیدا کر رہی تھی۔ سال ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۵ء تک کشمیر کی تحریک کامیابی کے ساتھ آگے بڑھتی گئی اور اس میں کافی وسعت اور توانائی پیدا ہو گئی۔ کشمیر کی یہ تحریک ہندوستان کے وسیع پس منظر میں اُبھر رہی تھی۔ ہندوستان میں آزادی کی تحریک کی اُٹھان۔ اگرچہ کشمیر کی تحریک سے مختلف تھی۔ یہ دونوں تحریکیں کسی نہ کسی نقطے پر ایک دوسرے کے امداد و تعاون کی محتاج تھیں۔ کشمیر کی تحریک کو باہر کی تحریکوں کے تعاون کی ضرورت تھی۔ تاریخی دُنیا

سے الگ ہو کر کشمیر میں تحریک چلانا مشکل تھا۔ باہر کی دنیا کی ہمدردیاں
کو آگے لے جانے کے لئے پہلی ضرورت تھی۔ کشمیر کی سیاست ابھی عالم طفو[illegible]
[illegible] تھی۔ یہاں مختلف نظریے کام کرتے تھے۔ جو تحریک یہاں ابھری تھی
[illegible] میں صرف ایک فرقے کی تحریک تھی۔ اب یہ سوال تھا کہ کشمیر کی تحریک
[illegible] مرحلے سے نکل کر اہم سیاسی مسائل کی طرف آگئی تھی کو [illegible]
دیا جائے۔ کیا اس تحریک کو خالص مذہبی بنیادوں پر آگے لے جایا جائے
ایک فرقے تک اس کو محدود رکھا جائے یا اس تحریک کے ساتھ دوسرے فرقوں
کو بھی وابستہ کیا جائے۔ یہ ایک اہم سوال تھا جس وقت یہ سوال ابھرا [illegible]
[illegible] مسلم لیگ کی سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں اور یہ جماعت مسلمانوں کو ا[illegible]
قوم تسلیم کر کے ان کے لئے الگ وطن کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مسلم لیگ کی سیا[illegible]
کا اثر کشمیر پر پڑنا ضروری تھا۔ مسلم لیگی لیڈروں نے اپنے رویہ سے کشمیری مسلما[illegible]
اپنے کردار کے بارے میں شبہ میں ڈال دیا۔ مسلم لیگی لیڈروں نے کشمیر
کی جد و جہد کی حمایت کرنے کے بجائے اس کو غنڈوں کی ایک تحریک [illegible]
انہوں نے اپنے ہر بیان سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ کشمیر میں [illegible]
کی گئی تحریک کے حامی اور ہمدرد نہیں ہیں۔ ۱۹۳۸ء سے پہلے تک جب کہ [illegible]
نیشنل کانفرنس کام نہیں کرتی تھی۔ لاہور اور دوسرے صوبوں کے مسلمانوں [illegible]
کشمیری مسلمانوں پر روا رکھے گئے ظلم کے خلاف ان کے ساتھ ہمدردی ظاہر [illegible]
مسلمانوں کا ایک انفرادی جذبہ تھا۔ مسلم لیگی لیڈروں نے بحیثیت جماعت [illegible]
[illegible] تحریک کی حمایت کرنے سے شعوری طور گریز کیا۔ ۱۹۳۶ء میں مسلم [illegible] کانفرنس

[illegible] کانفرنس میں تبدیل کرنے کا تاریخی فیصلہ کیا گیا تو اس کو مسلمانوں کے خلاف
[illegible] دیا گیا۔ اور شیخ محمد عبداللہ کے خلاف نفرت کی ایک زبردست
[illegible] مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کا فیصلہ ایک تاریخ
[illegible] فیصلہ ایک ایسے وقت پر کیا گیا جب ہندوستان میں فرقہ واریت
[illegible] تھا۔ اور فرقوں کی بنیاد پر ملک کی تقسیم کا مطالبہ شروع ہو گیا
[illegible] اس قسم کا فیصلہ کرنا آسان نہ تھا۔ اس فیصلے سے
[illegible] ریاست سے باہر وہ لوگ مشتعل اور ناراض ہو گئے تھے جن
[illegible] کے ساتھ یہ فیصلہ کوئی مطابقت نہیں رکھتا تھا۔
[illegible] میں جو نظام فکر ابھر رہا تھا وہ نام کے اعتبار سے فرقہ پرست تھا۔
[illegible] کانفرنس کا مجموعی کردار ابتدا سے آخر تک غیر فرقہ وارانہ رہا۔ اس
[illegible] حالات اور روایات کا دخل تھا۔ کشمیر میں پہلے ہی فرقہ وارانہ ہم آہنگی
[illegible] تھیں۔ کشمیری عوام صدیوں سے مذہبی اختلافات کے باوجود بھائیوں
[illegible] رہتے تھے جن روایات نے ان کی سیاست میں جگہ لینی شروع کی
[illegible] سال پرانی تھیں۔ یہ روایات اس وقت سے کشمیر کے سماج میں
[illegible] شیخ نورالدین نورانیؒ دو تمدنی دھاروں کو یکجا کر رہے تھے۔
[illegible] کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب کشمیر میں اسلام کو پھیلتے ہوئے نصف صدی
[illegible] گذر چکا تھا۔ یہ تہذیبی انقلاب کا دور تھا۔ ایک طرف ہندو تہذیب
[illegible] دوسری طرف مسلمانوں کی تہذیب ابھر رہی تھی۔ نئی اور پرانی
[illegible] شروع ہو گیا تھا۔ شیخ نورالدین اور للہ عارفہ نے دو تہذیبوں

کے درمیان ٹکراؤ کو ختم کر کے ان کو ایک سنگم دیا۔ دونوں تہذیبیں اکٹھے سابقہ روایات اور خیالات کو قایم رکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگیں۔ ریشی ازم بھی اس تہذیبی اتحاد کو بڑھاوا دینے لگا۔ شیخ نورالدین اور ان کے ہمعصر ریشیوں نے کشمیر کے اندر جو خانقاہیں قائم کیں وہ نفرت و فساد کے بجائے ہدایت و ہم آہنگی کی مرکز بننے لگیں۔ ان خانقاہوں اور عبادت گاہوں سے اتحاد کا درس دیا جانے لگا۔ اتحاد و یکجہتی کی اس روایت کو کشمیری قوم کے اندر سلطان زین العابدین نے بھی داخل کیا جو کشمیر کے سب سے بڑے بادشاہ مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے تعصب اور تنگ نظری سے پاک ایک حکومتی نظام قایم کیا جس میں انصاف پسندی اور رواداری کے عناصر تھے۔ سلطان زین العابدین اور شیخ نورالدین نورانی کی روایات کو بعد کے بادشاہوں اور صوفیوں نے کسی نہ کسی صورت میں قایم رکھا اور اس یکجہتی کو ختم ہونے کی کسی کوشش کو کامیاب ہونے نہ دیا۔ مغل حکمران ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے ان کے دور میں کچھ گورنروں کا رویہ کسی حد تک یکجہتی کی روایات کے خلاف رہا لیکن اسے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان یکجہتی متاثر نہ ہوئی۔ افغان دور میں کچھ گورنروں نے ظالمانہ رویہ اختیار کیا۔ اس ظلم کے شکار مسلمان بھی بن گئے۔ سکھ دور میں بھی یہی حالت رہی۔ ڈوگرہ شاہی میں حالات کی ناسازگاری کے باوجود اتحاد کی روایتیں قایم رہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں نے اپنے میل جول اور ہم آہنگی کو وقت کی آندھیوں سے تباہ ہونے نہ دیا۔

۱۹۳۱ء میں جب صدیوں کے بعد کشمیری عوام ظلم اور ظالموں کے خلاف

صف آراء ہوئے اور انہوں نے اس ظلم کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا تہیہ کیا تو دیکھنا تھا کہ کیا مسلمان ہی مظلوم ہیں یا دوسرے فرقے بھی اس ظلم کے شکار ہیں۔ چنانچہ مسلم کانفرنس نے اس بات پر پوری طرح غور کیا۔

مسلم کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں اس بات پر غور کیا گیا کہ ریاست میں جو تحریک مسلم کانفرنس کے نام سے شروع کی گئی ہے۔ اس کو وسیع بنیاد فراہم کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے اور اس کا رخ اور رویہ کیا ہونا چاہیئے۔ یہ اجلاس ۲۵، ۲۶، اور ۲۷ مارچ ۱۹۳۸ء کو جموں میں شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ شیخ صاحب نے اس موقع پر جو خطبۂ صدارت پڑھا وہ یہ تھا :-

"ہمیں اپنے گھر کا انتظام کرنے کے لئے خود مختاری دی جائے اور ہمارے ان قدرتی اور پیدائشی حقوق جو انسانیت کے ابتدائی اور عام حقوق ہیں۔ میں کوئی بیرونی اور مطلق العنانیت اندرونی مداخلت نہ کی جائے۔ اسی چیز کا نام ذمہ دار نظام حکومت ہے۔ اور یہی ہمارا وہ نصب العین ہے جس کے حصول کی خاطر ہم اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں اور جس کو حاصل کرنا ہمارا محبوب ترین مقصد حیات قرار پا چکا ہے۔

ذمہ دار نظام حکومت کے حصول میں ان تمام لوگوں کی شرکت فرض اولین ہے جنہیں موجودہ نظام حکومت کے وقت مختلف النوع غلامیوں اور فقر و فاقہ کی مصیبتوں کا شکار بنایا جا رہا ہے۔

وہ لوگ کون ہیں؟ وہ صرف مسلمان ہی نہیں، صرف ہندو

اور سکھ ہی نہیں۔ اچھوت اور بودھ ہی نہیں بلکہ ریاست کے تمام باشندے بھی ہیں۔ بعض مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ سارے کے آٹھ لاکھ غیر مسلم نہایت ہی آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ خیال خام ہے۔ درحقیقت آٹھ لاکھ میں سے چند ہزار غیر مسلم ہی ایسے ہوں گے جو مصائب و آلام سے بچے ہوئے ہوں۔ ورنہ باقی سب کے سب آپ ہی کی طرح بے علمی جہالت مفلسی قرضہ بیکاری [illegible] اور اسی قسم کی دوسری مصائب کے مارے ہوئے ہیں۔ یہ نظام حکومت صرف اسی فیصدی مسلم آبادی ہی کے لئے طلب نہیں کیا جا رہا ہے یہ تو سو فیصدی باشندگان جموں و کشمیر کے لئے مانگا جا رہا ہے۔ اس لئے اس کو حاصل کرنے کے وقت بیس فیصدی ہندو، سکھوں، بودھوں اور ہریجنوں کو بھی شمولیت کی دعوت دینا اور ان کو اپنے ساتھ ملا کر آگے بڑھانا اشد ضرورت ہے۔ میرے نزدیک قومی عمارت کو صحیح بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے دو باتیں لازمی اور جمہوریت کی جان ہیں۔ اولاً تمام سیاسی و معاشی امور میں ہندو سکھ اور مسلم غیر مسلم کے امتیازات کو ختم کر کے مشترکہ اور متحدہ قومی محاذ قائم کرنا ہے۔ دوئم ملک کے ہر ایک بالغ مرد و زن کو حق رائے دہندگی کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کر کے مشترکہ طریقہ انتخاب کو رائج کرنا۔" [1]

۱۔ اقتباس از تاریخ حریت کشمیر صفحہ ۳۶۳، ۳۶۴۔

شیخ صاحب کی اس تاریخی تقریر نے ہی کشمیر کی تحریک حریت کو ایک صحیح سمت عطا کی۔ یہ رائے مستقبل کے تقاضوں، حال کی ضروریات اور ماضی کی روایات کے بالکل مطابق تھی۔ کشمیری قوم جن روایات کو صدیوں سے اپنی قومی زندگی کا جزو بنا کر ستم جھیل رہی تھی اس کو محض ایک وقتی مصلحت کے تحت ترک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ مسلمان سب سے زیادہ مظلوم تھے لیکن مسلمانوں کی مظلومیت کے باعث غیر مسلم آبادی کو ان حقوق کے طلبگار ہونے سے روکا نہیں جا سکتا تھا۔ قومی زندگی کے کارواں کو انتشار کی صورت میں منزل کی طرف رہنمائی نہیں کی جا سکتی تھی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ کوششوں اور دونوں کے جائز حقوق کی نگہداشت کے احساس سے ہی منزل تک پہنچنا ممکن ہو سکتا تھا۔ اس لئے تحریک کو وسیع بنیاد فراہم کرتے وقت تنگ نظری، تعصب اور [illegible] کو آئندہ کے فیصلوں پر اثر انداز ہونے نہیں دینا تھا۔ ماضی کی روایات کو مستقبل کے تقاضوں سے ملا کر ہی ماضی اور مستقبل میں ایک رشتہ اور ایک مشترکہ مربوط اور نیا نظام فکر قائم کرنے کی ضرورت تھی۔ تحریک کو ٹھوس اور مضبوط بنیاد عطا کرنے اور اس کو ایک فکری انقلاب کا ذریعہ بنانے کے لئے [illegible] اور وقتی مسائل سے ہٹ کر اثاثی معاملات و مسائل پر توجہ دینے کی ضرورت تھی۔ اثاثی مسئلہ یہ تھا کہ کشمیر کا سیاسی نظام کس قسم کا ہو اور اس میں ان عوامل کو داخل کر دیا جائے۔ جن کی بدولت یہ نظام وقت اور حالات کے طوفانی تھپیڑوں کا مقابلہ کر سکے۔ ۱۹۳۸ء میں جو فیصلہ کیا گیا وہ اس لحاظ سے تاریخ ساز فیصلہ تھا کیونکہ اس کے ذریعہ قوم کو صحیح سمت کی طرف رہنمائی کی گئی۔ اسی وقت

اگر تحریک کے قایدین نے کوئی غلط فیصلہ کیا ہوتا تو آج کشمیری قوم میں انتشار ہوتا۔ ۱۹۳۲ء کے فیصلے میں جن لیڈروں نے بھی حصہ لیا اور اس فیصلے کو عملی بنانے میں اپنا کردار ادا کیا ان کی وسعتِ نظر کا جواز بعد کے واقعات نے پیش کیا۔ ۱۹۳۸ء کے فیصلے نے کشمیر میں ایک نئے فکری نظام کی بنیاد ڈالی۔ یہ فکری نظام اس نظامِ فکر کے ساتھ پوری طرح مربوط تھا جو صدیوں سے یہاں ایک یادو شکل میں موجود تھا۔ اس فیصلے میں ماضی کا فکری پرتو بھی تھا اور مستقبل کے غاکے بھی تھے۔ دونوں کے امتزاج سے ایک نیا سیاسی نظام پیدا ہوا۔ اس نظام کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں لسانی، مذہبی یا علاقائی تعصب کا کوئی عنصر نہ تھا۔ یہ نظام انسانی آدرشوں اور اعلیٰ روایات پر قایم تھا۔ اس میں نہ کوئی مصلحت لپی تھی اور نہ غرض مندی۔ ان خصوصیات کے باعث کشمیر کا یہ فکری سیاسی نظام فوراً مستحکم بنیادوں پر کھڑا ہوگیا اور عام لوگ اپنے آپ کو اس نظام کے ساتھ وابستہ کرنے لگے۔ اس سیاسی نظام کے مقابلہ میں جن لوگوں نے متبادل سیاسی نظریہ پیش کیا وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ یہ نظریہ کشمیری عوام کے مزاج کے مطابق نہ تھا۔ اس متبادل سیاسی نظریئے میں مسلمانوں ہی کے مسایل کے نقوش تھے۔ یہ نظریہ دلآویز اور خوبصورت ضرور تھا لیکن یہ وقتی مصلحتوں پر قایم تھا۔ اسی وجہ سے یہ بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ نہ دے سکا۔ اور اس نظریہ کے ساتھ عام لوگ وابستہ نہ ہوسکے۔ اس نظریہ کی ناکامی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ اس نظریہ کو پیش کر رہے تھے ان میں خلوص نہ تھا۔

کشمیر میں قوم پرستی کی تحریک ۱۹۳۹ء کے فوراً بعد اتنی مضبوط ہوگئی کہ یہ باضابطہ ایک سیاسی فلسفہ کی صورت میں اُبھری۔ قوم پرستی کی اس تحریک نے تمام

فرقہ پرست تحریکوں اور فلسفوں کو پچھاڑ دیا۔ شہر اور دیہات میں نیشنل کانفرنس نے مضبوط جڑیں پکڑنی شروع کی۔ اس تحریک کی مقبولیت مضبوطی اور کامیابی نے تحریک کے قایدوں کو اتنا حوصلہ دیا کہ انہوں نے ۱۹۴۶ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کے سامنے "نیا کشمیر" کا پروگرام پیش کیا اور اس کے بعد ہی کشمیر چھوڑ دو کا نعرہ بلند کیا گیا۔ کشمیر چھوڑ دو کا نعرہ اس تحریک کا نقطۂ عروج تھا جو ۱۹۳۱ء میں شروع کی گئی تھی اور جو مختلف مرحلوں سے گذر کر اب شخصی راج کا خاتمہ چاہتی تھی۔ جس وقت کشمیری عوام کی جدوجہد نقطۂ عروج پر پہنچی۔ ہندوستان کی تقسیم کا منصوبہ بھی تیار ہوگیا۔ کشمیری عوام کی تحریک نیشنل کانگریس اور مُسلم لیگ کی تحریکوں سے بالکل الگ تھلگ تھی اور اس کا اپنا ایک انفرادی کردار تھا۔ کشمیر کی تحریک کے قوم پرستانہ خدوخال دیکھ کر ملک کی تمام قوم پرست تحریکوں کی ہمدردیاں اس کے ساتھ بڑھنے لگیں۔ کانگریس اور دوسری ترقی پسند جماعتیں کشمیری عوام کی جدوجہد کے لئے ہر قسم کی اخلاقی اور مادی امداد پیش کرنے لگیں۔ مُسلم لیگی لیڈروں نے کشمیری عوام کی اس تحریک کی حمایت کرنے کے بجائے اس کو غنڈوں کی تحریک کا نام دیا۔ آزاد کشمیر کے ایک کشمیری لیڈر امان اللہ نے لکھا ہے۔

شیخ محمد عبداللہ کو اپنانے کے بجائے ان کی تحریک کو غنڈوں کی تحریک قرار دینا مُسلم لیگی لیڈروں کی بڑی حماقت تھی۔[1]

اس کے برعکس کانگریس اور اس کے لیڈروں خصوصی طور شری جواہر لال نہرو نے کشمیری عوام کی جدوجہد کی بھرپور حمایت کی۔ شیخ صاحب پر کشمیر چھوڑ دو کی

---

[1] امان اللہ بحوالہ خالد جدید۔

تحریک شروع کرنے کے الزام میں جو مقدمہ کیا گیا اس میں کانگریسی لیڈروں نے اپنی طرف سے قانونی دفاع کی تمام سہولتیں فراہم کیں اور کشمیری عوام کے حوصلوں کو بلند رکھا۔

۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک یعنی نو سال کے دوران نیشنل کانفرنس اور انڈین نیشنل کانگریس کے [illegible] اتنے گہرے ہو گئے کہ ہندوستان کی تقسیم کے وقت جب ریاستوں کے الحاق کا سوال پیش آیا تو پاکستان کے حکمرانوں نے کشمیری عوام کے تیور دیکھ کر رائے شماری کے ذریعہ الحاق کا مسئلہ طے کرنے کے بجائے فوج کشی کے ذریعہ کشمیر پر مسلط ہونے کا منصوبہ بنایا۔ مسلم لیگ کے لیڈر جانتے تھے کہ اگر کشمیر کے الحاق کا فیصلہ رائے شماری سے طے کرنا مان لیا گیا تو کشمیری عوام کا فتویٰ ان کے خلاف ہوگا۔ ریاستی عوام کے فیصلے سے ڈر کر ہی انہوں نے کشمیر پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔

۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو جب شیخ صاحب رہا ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ پاکستان اب ایک نظریہ نہیں بلکہ حقیقت بن کر ابھرا ہے تو انہوں نے بدلے ہوئے حالات کے مطابق غیر جذباتی فضا میں اس مسئلے کو طے کرنے پر غور کرنا شروع کیا۔ رہائی کے بعد اپنی پہلی تقریر میں شیخ صاحب نے حضوری باغ میں کہا — "جس وقت مجھے قید کیا گیا تھا۔ اس وقت پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا۔ آج پاکستان ایک حقیقت بن گیا ہے۔ آیندہ ہم جو بھی فیصلہ کریں گے وہ فیصلہ ان نئی حقیقتوں کو پیش نظر رکھ کر ہی کرنا ہوگا۔ شیخ صاحب نے پاکستان اور ہندوستان سے اپیل کی کہ جب تک کشمیری عوام شخصی حکومت کے چنگل سے آزاد نہیں ہو جاتے اس وقت تک انہیں

الحاق کا فیصلہ کرنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔" شیخ صاحب کے روابط کانگریس اور ہندوستان کے ساتھ پہلے سے ہی موجود تھے۔ انہوں نے اب پاکستان کے لیڈروں کے ساتھ بھی روابط قائم کرنے کی شروعات کی۔ اس غرض سے غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد اور چودھری شفیع کو شیخ صاحب نے بات چیت کرنے کی غرض سے پاکستان بھیج دیا تاکہ وہ حکومت پاکستان سے ریاست کے مستقبل کے بارے میں گفت و شنید کریں۔ چنانچہ یہ تینوں پاکستان چلے گئے وہاں انہوں نے پاکستان کے لیڈروں کے ساتھ بات چیت کرنے کی کوشش کی۔ آزاد کشمیر کے لیڈر امان اللہ نے لکھا ہے:

> کشمیر کے تین نمائندوں کو قائد اعظم سے ملنے تک نہیں دیا گیا۔ جی ایم صادق لاہور میں مشہور شاعر حفیظ جالندھری کے ہاں ٹھہرے تھے۔ پاکستانی لیڈروں نے بھی [illegible] کہا کہ کشمیر ہمارے لئے ایک

ایک بہر رچنک ہے ہم اسے جب چاہیں [illegible] اخبار والوں نے وفد کے اراکین کو گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا۔ کچھ لوگوں نے لاہور کے مال روڈ پر چودھری محمد شفیع کی پٹائی کروائی۔ چنانچہ یہ وفد ناامید اور ناکام ہو کر واپس چلا گیا۔ وفد کا مقصد یہ تھا کہ وہ حکومت پاکستان سے طے کرے کہ ریاست کے پاکستان سے الحاق کی صورت میں اسے کس حد تک اندرونی خود مختاری دی جائے گی۔ پاکستان کے غلط فہم کے جذباتی اور عاقبت نا اندیش لیڈروں اور آفیسروں کی مہربانی سے یہ سنہری موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ یہی نہیں بلکہ پاکستانی پریس نے شیخ محمد عبداللہ کی ذات پر انتہائی غیر اخلاقی اور رکیک

حملے گئے۔ اُنہیں کُتّے اور گدھے کی شکل میں پیش کیا گیا۔ انہیں ڈوگرہ عبداللہ، اور غدار عبداللہ وغیرہ کے لقب دیئے گئے۔ حالانکہ حالات کی نزاکت کا اہم ترین تقاضا یہ تھا کہ شیخ صاحب کے ساتھ افہام تفہیم کی فضا پیدا کی جاتی۔ پاکستان کے لیڈروں، پاکستان کے آفیسر شاہی اور پاکستان پریس کے اس انتہائی غیر دانشمندانہ روّیے نے شیخ صاحب کو ذہنی طور پر بھارت کی طرف دھکیل دیا۔ اس کے باوجود جب مہاراجہ کشمیر نے بھارت کے ساتھ الحاق کیا تو یہ شیخ صاحب کی ہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ الحاق کو منظور کرنے کی دستاویز میں اس بات کا اندراج کیا گیا کہ ریاست کے مستقبل کا حتمی فیصلہ ریاست کے عوام رائے شماری کے ذریعہ کریں گے۔ اگر شیخ صاحب مداخلت نہ کرتے، بھارت ریاست کے الحاق کو اسی طرح غیر مشروط طور پر قبول کرتا جس طرح پاکستان نے جوناگڈھ کا الحاق کیا تھا۔ اس صورت میں آج قانونی اور آئینی طور پر پوری ریاست بھارت کا حصّہ ہوتی اور پاکستان یا کشمیریوں کو اس کے خلاف آواز اُٹھانے کا کوئی حق نہ ہوتا۔"

بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق کے پاکستان کے ناکام مشن کے ساتھ ہی پاکستان کے حکمرانوں نے کشمیر پر قبائلی پٹھانوں کو مسلط کیا اور ایک یلغار شروع کی۔ پاکستان کے حکمران کشمیر کے لیڈروں کے ساتھ کسی سیاسی تصفیہ میں خدشات دیکھتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کے کشمیر دشمن روّیہ کے باعث

کشمیری عوام ان کے حق میں رائے نہیں دیں گے۔ چنانچہ سیاسی سمجھوتہ کی کوئی کوشش کئے بغیر انہوں نے ریاست پر ایک فوجی حل مسلط کرنا چاہا۔ پاکستان کے حکمرانوں کا یہ حملہ کشمیری عوام کی خواہش کے خلاف تھا۔ یہ حملہ کشمیری عوام کی رائے اور ان کی اُمنگوں کو کچلنے کے مترادف تھا۔ اس سے یہی واضح ہوتا تھا۔ کہ وہ کشمیری عوام کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور کشمیر کو اپنی ایک ملکیت سمجھتے ہیں۔ پاکستان کے اس حملے سے کشمیر میں زبردست ردّعمل پیدا ہو گیا۔ نیشنل کانفرنس اور اس کے لیڈروں کے لئے یہ زبردست آزمائش کی گھڑی تھی۔ ان کو یا تو جارحیت کے آگے سر جھکا دینا تھا یا حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے کسی ایسی حکومت کی امداد طلب کرنا تھی جو ان حملے سے کشمیر کو بچانے کے علاوہ کشمیریوں کے حقوق کا بھی تحفظ کرتی۔ پاکستان کا حملہ اس قدر اچانک ہوا کہ مہاراجہ کی فوج پہلے ہی مرحلہ پر پسپا ہو گئی اور حملہ آور قبائلی مظفرآباد کو روندتے ہوئے اوڑی پہنچے۔ یہاں سے وہ آگ اور خون سے کھیلتے ہوئے بارہمولہ کی طرف بڑھے۔ راستہ میں تمام چیزوں کو تہس نہس کرتے ہوئے وہ پیش قدمی کرتے رہے یہاں تک کہ وہ سری نگر کے دروازے پر دستک دینے لگے۔ مہاراجہ ہری سنگھ کو جب معلوم ہو گیا کہ قبائلیوں کے حملہ کو روکنا ڈوگرہ فوج کے بس میں نہیں تو وہ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اپنے مصاحبوں کے ساتھ کشمیر سے بھاگ گیا۔ مہاراجہ کے فرار ہونے سے پہلے ہی شیخ صاحب نے کشمیری عوام کو قبائلی یلغار کے خلاف سینہ سپر ہونے کے لئے تیار کیا۔ چند روز کے اندر ہی نیشنل کانفرنس نے سلامتی فوج تنظیم کی۔ اس فوج کے نہتے سپاہی ایک طرف حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے ڈٹے دوسری طرف اس نے کشمیر کے اندر نظم و نسق کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اس

وقت حکومت کا کہیں وجود نہیں تھا۔ ڈوگرہ فوج پسپا ہو کر بھاگ رہی تھی تمام ڈوگرہ افیسر کشمیر چھوڑ کر جموں جا چکے تھے۔ افیسر اور ملازم خوف کے مارے بھاگ رہے تھے۔ نیشنل کانفرنس نے اس خطرناک گھڑی میں تمام سرکاری محکموں پر اپنے آدمی تعینات کئے اور سرکاری املاک کو لوٹ مار سے بچایا۔ شہر میں فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھنے کا جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے خلاف بھی انسدادی تدابیر اختیار کی گئیں نیشنل کانفرنس کے کارکنوں اور اس جماعت کے نہتے سپاہیوں نے اقلیتی فرقے کے لوگوں کو کسی خطرے سے بچانے کے لئے ان کے محلوں کا پہرہ دینا شروع کیا۔ اقلیتوں کے جان و مال کی حفاظت کے لئے زبردست انتظامات کئے گئے اس موقع پر اس رواداری اور اتحاد کا عملی مظاہرہ کیا گیا جو نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ نے سکھائی تھی۔ یہ طوائف الملوکی کا وقت تھا۔ کشمیر کی سرحدوں پر آگ بھڑک رہی تھی۔ فرقہ وارانہ آگ کے شعلے آسمان کو چھو رہے تھے۔ ساری فضا میں فرقہ واریت کا زہر محلول ہو گیا تھا۔ ہندوستان کا کوئی علاقہ فرقہ وارانہ فسادات سے بچا ہوا نہ تھا پاکستان میں بھی یہی جنون تھا۔ ہر شخص ایک دوسرے کو مارنے پر تلا ہوا تھا۔ انسانیت دم توڑ رہی تھی۔ جنون اور پاگل پن ذہنوں پر سوار ہو گیا تھا۔ صدیوں کی روایات کو بھسم کیا جا رہا تھا۔ شہر اجڑ رہے تھے۔ دیہات تباہ ہو رہے تھے۔ انسانی کھوپڑیاں فضا میں اڑ رہی تھیں۔ بے گناہ لوگوں کے قافلے پناہ ڈھونڈنے کے لئے پاکستان سے ہندوستان اور ہندوستان سے پاکستان جا رہے تھے۔ چاروں طرف دھواں ہی دھواں تھا۔ اس اندھیرے میں صرف کشمیر ایک جگہ تھی۔ جہاں انسانیت کا چراغ جگمگا رہا تھا۔ مہاتما گاندھی نے اس طوائف الملوکی کے

دوران کہا۔ مجھے صرف کشمیر میں ہی روشنی کی کرن نظر آ رہی ہے۔ نیشنل کانفرنس نے بیرونی جارحیت اور اندرونی خطرے کو منظم اور متحد ہو کر کامیاب ہونے نہ دیا۔ مقبول شیروانی نے قبائلی حملہ آوروں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے جام شہادت نوش کیا۔ قبائلی بظاہر مسلمانوں کو ڈوگرہ مظالم سے چھٹکارا دلانے کے لئے مسلمانوں کو ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کے خلاف اکسانے کی کوشش کرتے رہے۔

لیکن یہ حربہ کامیاب نہ ہوا مسلمان پاکستان کی ان ہمدردیوں میں چھپی ہوئی فریب کاری کو بھانپ گئے تھے۔ چنانچہ وہ آخری دم تک لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ نہتے کشمیری پاکستانی حملہ آوروں کی یلغار کو کچھ وقت تک روکنے میں کامیاب ضرور ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی قوت کا مقابلہ کرنا نہتے کشمیری عوام کے لئے ممکن نہ تھا۔ قبائلی تمام ہتھیاروں سے لیس تھے۔ وہ عورتوں کی عصمتیں لوٹتے گھروں کو جلاتے اور آبادیوں کو اجاڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب قبائلی کشمیر کی راجدھانی سری نگر کے بہت نزدیک پہنچے۔ تو مہاراجہ جو اس دوران جموں پہنچ گئے تھے نے ہندوستان کے لیڈروں سے فوجی امداد کی درخواست کی۔ اس وقت نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ نے ہندوستان کے لیڈروں سے کہا کہ وہ مہاراجہ ہری سنگھ کی فوجی امداد کی درخواست کو قبول کریں۔ مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ محمد عبداللہ دونوں نے الحاق پر دستخط کے وقت کشمیر کو پاکستانی حملہ سے بچانے کے لئے ہندوستان سے امداد طلب کی۔ مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کو بچا کر اپنے شخصی اقتدار کو بچانا چاہتے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کشمیر کو حملہ آوروں سے بچا کر ماضی کی ان روایات آدرشوں اور اصولوں کو بچانا چاہتے تھے جن کی خاطر کشمیری عوام نے بیش بہا قربانیاں دی

دی تھیں۔ دونوں کے امداد طلب کرنے کے پیچھے دو مختلف مقاصد تھے۔ شیخ صاحب نے الحاق پر دستخط ہوتے وقت کشمیری عوام کے حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے یہ شرط پیش کی کہ الحاق اسی وقت مستقل بن جائے گا۔ جب کشمیری عوام اس کی تائید کریں گے۔ رائے شماری کا مطالبہ اسی جگہ پیدا ہوگیا۔ الحاق کو طے کرنے میں اس وقت کے وزیر اعظم کشمیر مہر چند مہاجن اور ہند سرکار کے ریاستی امور کے سیکرٹری وی۔ پی۔ مینن نے سب سے اہم کردار ادا کیا۔

الحاق طے کرتے وقت اگر شیخ صاحب موجود نہ ہوتے تو الحاق مستقل بن گیا ہوتا[1]۔ الحاق طے کرتے وقت شیخ صاحب کی کوئی سرکاری پوزیشن نہیں تھی۔ الحاق کو مشروط بنانے میں شیخ صاحب کی کامیابی پنڈت نہرو کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے ممکن بن گئی۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کے ساتھ تین معاملات پر الحاق کیا۔ شیخ صاحب الحاق طے ہونے کے بعد نومبر ۱۹۴۷ء میں ریاست کے ناظم اعلیٰ اور جنوری ۱۹۴۸ء میں وزیر اعظم بن گئے۔ اس وقت تک مہر چند مہاجن ہی ریاست کے وزیر اعظم تھے۔

---

[1]۔ وی۔ پی۔ مینن کی کتاب کے الحاق سے متعلق باتیں۔

کشمیر میں جنگ

ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق پاکستان کی فوجی مداخلت کے [illegible] بن گیا۔ پاکستان سیاسی طور کشمیری عوام کو ہمنوا بنانے میں پہلے ہی ناکام ہو گیا [illegible] اس کی فوجی حکمت عملی بھی ناکام ہو گئی تھی۔ ہندوستانی فوج نے کشمیری [illegible] کی [illegible] حمایت سے پاکستانی حملہ آوروں کو شالہ ٹینگ سے پیچھے دھکیل دیا۔ [illegible] جس وقت سری نگر پر قبضہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے تو ہندوستانی [illegible] اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کرنل رائے کی سرکردگی میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ [illegible] ہندفوج کے اس پہلے دستے نے ہوائی اڈے کو اپنے قبضہ میں لیا اور [illegible] محفوظ بنایا۔ ہندفوج کو سول گاڑیاں فراہم کی گئیں اور [illegible] پہنچایا گیا۔

۵ نومبر ۱۹۴۷ء کو کلونت سنگھ نے کشمیر میں تمام فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں [illegible] کے دوران آرمو ڈر کاروں کا ایک سکواڈرن بانہال کے راستے سری نگر میں داخل [illegible] ۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو ہندوستانی فوج نے حملہ آوروں کی تعیناتی کا پتہ لگایا اور

اسی روز جوابی حملہ شروع کیا۔ بریگیڈیر سین نے فوج کا ایک دستہ گاندربل کی طرف روانہ کیا جہاں سے قبائلی سری نگر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ بارہمولہ کے قریب حملہ آوروں کی بھاری تعداد دیکھ کر کرنل رائے نے اپنی فوج کو قبائلیوں کے محاصرے میں آنے کا خدشہ محسوس کیا۔ انہوں نے فوج کو محاصرے میں آنے سے بچانے کے لئے فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ یہ کاروائی موثر ثابت ہوئی۔

۸۔ نومبر ۱۹۴۷ء کو بارہ مولہ پر قبضہ ہوگیا۔ اسی روز قبائلی اوڑی کی طرف پیچھے ہٹنے لگے۔ ۱۴۔ نومبر کو ہندوستانی فوج اوڑی میں داخل ہوگئی۔ بارہ مولہ کے بعد ان کو کسی جگہ حملہ آوروں کے ساتھ ٹکر نہیں ہوئی۔

جنگِ کشمیر کے دوران ۴۸۔۱۹۴۷ء میں حکومت پاکستان نے پوری دانشمندی اور مہارت کا مظاہرہ نہیں کیا۔[1] جنگِ کشمیر کے ایک پاکستانی کمانڈر[2] اکبر خان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اگر پاکستان کی مرکزی حکومت اور جی۔ ایچ۔ کیو ہماری مدد کرتے تو ہم جنگ کا نقشہ ہی بدل سکتے تھے۔ اس وقت پاکستانی فوج کا کمانڈر ایک انگریز جنرل سر ڈگلس گریسی تھا۔ انہوں نے مسٹر جناح کے حکم کو ماننے سے انکار کیا۔ جنگِ کشمیر میں پاکستانی فوج کی شمولیت کے بعد یہی نہیں کہ چھاپہ ماروں کی پیش قدمی رک گئی بلکہ اکثر محاذوں سے پیچھے ہٹنا پڑا ہے۔[3] اسی طرح گلگت اور بلتستان کے چھاپہ مار ایک بار وادی کے قصبہ بانڈی پورہ اور لداخ تک پہنچ گئے تھے لیکن پاکستانی آفیسروں کے وہاں پہنچ جانے اور ان کے ساتھ جنگ کے طریقے کے بارے میں اختلاف پیدا ہوجانے

لہ۔ سردار عبدالقیوم کی تقریریں۔ ٹہ۔ اکبر خان

کی وجہ سے انہیں ہزاروں میل کا علاقہ چھوڑنا پڑا۔ پھر ریاستی مجاہدین سے پوچھے بغیر ہی جنگ بند کر دی۔[1]

جس وقت قبائلی حملہ آور دو میل سے کامیابی کے ساتھ وادی میں داخل ہو رہے تھے۔ گلگت میں پشاور کی طرف سے ایک مقامی سازش پر عمل ہونا شروع ہو گیا تھا۔[2] حکومتِ برطانیہ کے اس اعلان کے بعد کہ وہ جولائی ۱۹۴۷ء کے بعد گلگت کا کنٹرول ریاست جموں و کشمیر کی سرکار کے حوالے کرے گی مہاراجہ نے بریگیڈیر گھنسارا سنگھ کو گلگت کا گورنر مقرر کیا تھا۔ جونہی بریگیڈیر گھنسارا سنگھ نے اپنے عہدے کی ذمہ داریاں گلگت میں سنبھالیں ان کو گلگت سکاؤٹوں کی طرف سے بہت سارے مطالبات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان سکاؤٹوں نے کچھ برطانوی اور مسلمان آفیسروں کی شہ پر پاکستان کے ساتھ گلگت کو ضم کرنے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ گورنر نے مقامی لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ لیکن گلگت سکاؤٹ میجر براؤن کی ہدایت پر شرارت پر تلے رہے۔ ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو گورنر کی رہائش گاہ کا محاصرہ کیا گیا اور ان کو گرفتار کر لیا گیا ایک عبوری حکومت قائم کی گئی۔ ۴۔ نومبر ۱۹۴۷ء کو سکاؤٹس لائینز گلگت پر پاکستانی جھنڈا لہرایا گیا۔ اور نومبر کے تیسرے ہفتے میں پشاور کی طرف سے گلگت میں ایک پولیٹکل ایجنٹ آ گیا۔

اکتوبر اور نومبر کے بعد کشمیر میں سردی اور برفباری کی وجہ سے لڑائی رک

لہ۔ امان اللہ کا خط جو خالد جدید میں شائع ہوا ہے۔ ٹہ۔ ۔۔۔دد کا ٹہ

سلہ۔ ہسٹری آف کشمیر بامزئی۔

گئی لیکن جموں کا محاذ گرم ہوگیا۔ حملہ آور قبایلی نوشہرہ، راجوری اور پونچھ تک پہنچ گئے تھے۔ ہندوستانی فوج نے پہلے نوشہرہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا پھر راجوری سے قبایلیوں کو ہٹانے کا معرکہ شروع کیا۔ راجوری سے پیچھے ہٹتے ہوئے حملہ آوروں نے زبردست تباہی مچائی انہوں نے مقامی آبادی کو روند ڈالا۔ اور گھروں کو برباد کیا۔ بارہمولہ کی تباہی کے مقابلہ میں راجوری کی تباہی کا ریکارڈ زیادہ خطرناک اور ہیبت ناک تھا۔

۱۹۴۸ء کے بہار کے ساتھ ہی دونوں جانب سے ایک نئی جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ ہندوستانی فوج نے اوڑی اور دومیل کی طرف سے مظفرآباد پر قبضہ کرنیکا منصوبہ بنایا تھا۔ دوسری طرف پاکستان کی حملہ آور فوج اپنے دفاع کو مضبوط بنارہی تھی۔ اسی دوران شمال مشرق سے گلگت کی جانب حملہ آوروں کا دباؤ بڑھ رہا تھا اور وہ دوسرا محاذ کھول کر عقب سے سری نگر پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ اس وقت بریگیڈیر تھایا سری نگر ڈویژن کے کمانڈر تھے۔ انہوں نے مغربی محاذ پر مظفرآباد کی طرف حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ بریگیڈیر سین کو اوڑی سے دومیل روڈ کی طرف آگے بڑھنا تھا۔ بریگیڈیر ہربخش سنگھ کو ہندوارہ سے ٹیٹوال کی طرف پیش قدمی کرنا تھی۔ ۱۷ اور ۱۸ مئی ۱۹۴۸ء کی رات کو بریگیڈیر ہربخش سنگھ کی کمان میں ہند فوج کا ایک دستہ ہندوارہ سے آگے بڑھا اور ۲۳ مئی کو یہ دستہ ٹیٹوال پہنچا۔ چھ دن میں اس فوجی دستے نے چالیس میل کا دشوار گذار علاقہ قبایلیوں سے صاف کیا۔ اس حملہ کے دوران پاکستانی فوج کے لیفٹننٹ کرنل سکندر خان، دوسرے چار آفیسروں کے سمیت گرفتار کرلئے گئے۔ ٹیٹوال کے ہاتھ سے جانے سے مظفرآباد کے لئے خطرہ بڑھ گیا تھا۔ ہند فوج کا دوسرا دستہ ترہگام سے آگے بڑھا اور نستچوں گلی پہنچا۔

بریگیڈیر سین ۲۰ مئی ۱۹۴۸ء کو اوڑی سے آگے بڑھے۔ ان کے ہمراہ ہند فوج کی دو بٹالینیں تھیں۔ اوڑی کے شمال مشرق میں واقع اونچی پہاڑی پانڈو کو ۲۳ مئی کے روز قبضہ میں لے لیا گیا۔ ۲۰ مئی ۱۹۴۸ء کو ہند فوج کا یہ دستہ اردسہ کی جانب پیشقدمی کرنے لگا۔ یہاں تمام حملہ آور سڑک کے اردگرد جمع ہوگئے۔ اچانک پاکستان کی باضابطہ فوج نے پانڈو چوٹی پر جوابی حملہ کردیا اور اس کو دوبارہ ہند فوج سے چھین لیا۔ ٹیٹوال سیکٹر میں دریائے کشن گنگا کے شمال میں پاکستانی فوج نے جوابی حملہ شروع کئے۔

کشمیر کا مسئلہ اقوامِ متحدہ میں

پاکستان اب تک کشمیر کی جنگ میں اپنے ملوث ہونے سے انکار کر رہا تھا۔ لیکن اُس نے اقوامِ متحدہ کے کمیشن کے سامنے اعتراف کیا کہ مئی ۱۹۴۸ء سے پاکستانی فوجیں کشمیر میں لڑ رہی ہیں اور پاکستان آرمی ہیڈ کوارٹر سے ہی تمام محاذِ جنگ کو ہدایات جاری ہو رہی ہیں۔ ۷ ار مئی ۱۹۴۸ء تک جنرل تھمایا کی سرکردگی میں لڑنے والی فوج نے اوڑی سے اوڑی تک گیارہ میل کا علاقہ صاف کر دیا تھا اور ہندوارہ، کپوارہ، کیرن اور ٹیٹوال پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور مظفر آباد سے اٹھارہ میل دور اپنی اگلی چوکیاں قایم کر لی تھیں۔ ہند فوج نے کل تین ہزار پانچسو مربع میل علاقہ حملہ آوروں سے پاک کیا تھا۔

اول جنوری ۱۹۴۹ء کو پندرہ ماہ کی خطرناک لڑائی کے بعد جنگ بندی معاہدہ ہو گیا۔ یہ معاہدہ اقوامِ متحدہ کی وساطت سے ہو گیا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہی حکومتِ ہند نے کشمیر کا تنازعہ اس ادارے میں پیش کیا تھا۔ اور اس صورت حال سے اقوامِ متحدہ کو آگاہ کیا تھا۔ جو کشمیر پر قبایلی حملہ آوروں کی یلغار سے پیدا ہو گئی تھی۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جب مہاراجہ ہری سنگھ نے دستاویزِ الحاق پر دستخط کئے

اور ہندوستان کے گورنر جنرل نے الحاق کے کاغذات قبول کئے۔ تو ہندوستانی فوج کشمیر میں داخل ہونے لگی۔ پاکستان کے گورنر جنرل خود کراچی سے لاہور آ گئے تھے تاکہ قبائلیوں کو کشمیر میں داخل ہوتے دیکھ لیں۔ ہند فوج کی کشمیر میں داخل ہونے کی خبر سے وہ کافی پریشان ہو گئے۔ انہوں نے پاکستان کے قایمقام فوجی سربراہ جنرل ڈگلس گریسی سے کہا کہ وہ بھی پاکستان کی فوج کو کشمیر میں داخل ہونے کا حکم دیں۔

۲۹ سر ڈگلس گریسی نے گورنر جنرل پاکستان مسٹر جناح کے حکم کو ماننے سے انکار کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ مسٹر آچنلیک AUCHANLEAK جو فوج کی تقسیم کے کام کو ممکن بنانے کے سپریم کمانڈر تھے کی ہدایت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے۔ مسٹر آچنلیک سر ڈگلس گریسی کی اپیل پر لاہور آ گئے اور مسٹر جناح کو اپنا حکم منسوخ کرنے پر آمادہ کر دیا۔ مسٹر جناح نے اس واقعہ کے بعد سفارتی سطح پر یہ معاملہ طے کرنے کی کوشش کی اور ہندوستان کے گورنر جنرل اور مسٹر نہرو کو لاہور آنے کی دعوت دی۔ مسٹر نہرو لاہور نہ جا سکے لیکن لارڈ ماونٹ بیٹن مسٹر جناح سے اس نئی صورت حال پر بات چیت کرنے کی غرض سے لاہور روانہ ہو گئے۔

فوجی منصوبہ ناکام

سیاسی اور فوجی طور کشمیر کو حاصل کرنے کا پاکستانی منصوبہ ناکام ہونے کے بعد پاکستان کے لیڈروں نے رائے شماری کے ذریعہ مسئلہ حل کرنے کی حمایت کی۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں کشمیر کے سوال کو پیش کرتے ہوئے حکومت ہند نے سکورٹی کونسل کے نام جو مکتوب ارسال کیا۔ اس میں لکھا گیا تھا۔

"کشمیر سے حملہ آوروں کو نکال باہر کرنے کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہندوستانی فوج کو پاکستان کی حدود میں داخل ہونے کی ضرورت پڑے گی جس سے ان دو ممالک کے درمیان مسلح تصادم ناگزیر بن جائے گا۔ حملہ آوروں کو پاکستان سے جو امداد مل رہی ہے وہ ہندوستان کے خلاف ایک جارحیت کے مترادف ہے۔ چنانچہ ہندوستان اپنی مسلح افواج کو سرحد کے پار بھیجتے ہیں۔ بین الاقوامی قانون کے لحاظ سے حق بجانب ہے۔ تاہم اس قسم کی کاروائی سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ سکتی ہے اس لئے حکومت ہند اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ ۳۵ کے رو سے اس صورت حال کو سلامتی کونسل

کی نوٹس میں لانا چاہتی ہے۔ حکومت ہند چاہتی ہے کہ اقوام متحدہ پاکستان سے کہے کہ وہ حملہ آوروں کو اسلحہ فراہم نہ کرے اور اپنا علاقہ ہندوستان کے علاقہ پر حملہ کرنے کے لئے استعمال کرنے کی اجازت نہ دے۔"

جب سلامتی کونسل میں اس سوال پر بحث شروع ہوگئی تو پاکستان نے زور دے کر کہا کہ کشمیر پر جو حملہ ہوا ہے اس میں پاکستان کا کوئی ہاتھ نہیں۔ پاکستان کے وزیر خارجہ سر محمد ظفر اللہ خان نے سلامتی کونسل میں کہا:-

"حکومت پاکستان اس بات سے قطعی انکار کرتی ہے کہ وہ حملہ آوروں کو کسی قسم کے امداد دے کر ہندوستان کے خلاف جارحیت کے لئے آمادہ کر رہی ہے۔ اس کے برعکس حکومت پاکستان دو مملکتوں کے درمیان دوستانہ اور خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کی خاطر قبائلی تحریک کی حوصلہ شکنی کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔"

سلامتی کونسل نے ۲۲۔ جنوری ۱۹۴۸ء سے ۴۔ فروری ۱۹۴۸ء تک کشمیر کی صورتحال پر غور کرنے کے لئے آٹھ اجلاس طلب کئے۔ مختلف ممالک نے سلامتی کونسل میں کئی ریزولیوشن پیش کئے جو زیادہ تر پاکستان کے ہی حق میں تھے۔ پاکستان نے کشمیر کی صورت حال پر بحث کے دوران جو دوسرے مسائل اُبھارے ان پر بھی سلامتی کونسل نے بڑی ہمدردی کے ساتھ غور کیا۔ اس طرح اصل مسئلے کو نظر انداز کیا گیا۔ دریں اثنا کشمیر میں جنگ جاری رہی۔

۱۰۔ مارچ ۱۹۴۸ء کو سیکورٹی کونسل نے کشمیر کی صورت حال پر دوبارہ سوچ بچار شروع کیا۔ کافی غور و فکر کے بعد ۱۷۔ اپریل ۱۹۴۸ء کو کونسل نے ایک مشترکہ ریزولیوشن کا مسودہ پیش کیا۔ جس میں لکھا گیا تھا۔ کشمیر میں جو صورت حال پیدا ہوگئی ہے اس سے

بین الاقوامی امن اور سیکورٹی کو زبردست خطرہ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اس لئے کونسل تجویز کرتی ہے کہ پانچ ممبروں پر مشتمل سلامتی کونسل کا ایک وفد فوری طور برصغیر کی طرف روانہ ہو جائے اور حکومت پاکستان کو اپنی خدمات پیش کر کے مصالحت کی کوشش کرے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں نے اس ریزولیوشن پر اعتراض کیا۔ ہندوستانی نمائندے مسٹر آینگر نے کہا۔ اس ریزولیوشن سے ہندوستان بھی ایک ساتھی ملزم بن گیا ہے۔ پاکستان نے کہا۔ اس قرارداد سے غیر جانبدار اور منصفانہ رائے شماری کی یقین دہانی نہیں ہوتی۔ دونوں ممالک کے اعتراضات کے باوجود سلامتی کونسل نے یہ ریزولیوشن پاس کر دیا۔

اقوام متحدہ کا کمیشن برائے ہند و پاکستان جب برصغیر پہنچا تو اُس نے یہاں سیاسی اور فوجی صورت حال بہت مختلف دیکھی۔ کمیشن کے ممبر ۵۔ جولائی ۱۹۴۸ء کو کراچی پہنچے۔ یہاں پہنچتے ہی پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ظفر اللہ خان نے کمیشن کے ممبروں کو مطلع کیا کہ کشمیر میں پاکستانی فوج کی تین بٹالینیں لڑ رہی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ یہ فوجی کارروائی دفاعی مقصد سے کی گئی ہے۔ اس کمیشن نے جو رپورٹ مرتب کی اس میں اُس نے لکھا کہ کشمیر میں پاکستانی فوج کی موجودگی سے اس صورتحال میں بہت بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے جو حکومت پاکستان نے سلامتی کونسل میں پیش کی تھی۔ حکومت پاکستان نے کشمیر سے اپنی فوجوں کو واپس بُلانے کا اقرار کیا ہے۔

۵، مئی ۱۹۵۰ء کو سلامتی کونسل نے سر اوین۔ ڈکسن کو کمیشن کی جگہ اپنا نمائندہ بنا کر کشمیر روانہ کیا۔ انہوں نے صورت حال کا مشاہدہ کر کے جو نتائج اخذ کئے۔ وہ یہ ہیں:-

مخالف عناصر نے جب جموں وکشمیر کی سرحد پار کی تو یہ بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی تھی اور جب مئی ۱۹۴۸ء میں پاکستان کی باضابطہ فوجیں ریاست کی سرحد میں داخل ہوگئیں۔ تو یہ کارروائی بھی بین الاقوامی قانون کے منافی تھے۔"

جب کشمیر میں جنگ تیز ہوگئی تو کمیشن نے کشمیر میں جنگ بند کرانے کی تجویز دی۔ اس سلسلے میں حکومتِ ہند اور حکومتِ پاکستان کے نمائندوں کے ساتھ طویل بات چیت کی گئی۔ آخرکار ۱۳۔ اگست ۱۹۴۸ء کو ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ حکومت ہند نے اس ریزولیوشن کو منظور کیا لیکن پاکستان نے اس کو مسترد کر دیا۔ اس کے بعد بھی جنگ بند کرانے کی کوششیں جاری رکھی گئیں۔ چنانچہ ہندوستان نے ۲۲، دسمبر ۱۹۴۸ء اور پاکستان نے ۲۵۔ دسمبر ۱۹۴۸ء کو جنگ بند کرانے پر اتفاق کیا۔ اس طرح پہلی جنوری ۱۹۴۹ء سے جنگ بندی لاگو کی گئی۔ دونوں ملکوں نے اس معاہدہ کو تسلیم کر لیا۔

کشمیر کے تنازعہ سے متعلق بُنیادی ریزولیوشن ۱۳، اگست ۱۹۴۸ء کو پاس کیا گیا۔ اس ریزولیوشن کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں جنگ بندی عمل میں لانے کے علاوہ دونوں طرف سے فوجی قوت میں اضافہ کرنے سے احتراز کرنے کی شرط درج ہے۔ ریزولیوشن کے دوسرے حصے میں جہاں پاکستان سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی باضابطہ اور بے ضابطہ فوج واپس بُلا لے وہاں ہندوستان سے کہا گیا کہ وہ کشمیر میں اتنی فوج موجود رکھے جو ریاست کی سیکورٹی اور اندرونی امن کی بحالی کے لئے ضروری ہو۔ تیسرے حصے میں درج ہے:-

"حکومت پاکستان اور حکومت ہند اس خواہش کا اعادہ کرتی ہے
کہ ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کشمیری عوام اپنی آزادانہ
مرضی کے مطابق کریں ـــــ"

اس ریزولیوشن کے مطابق رائے شماری اس وقت عمل میں لائی جاسکتی تھی جب حکومت پاکستان ریزولیوشن کے پہلے اور دوسرے حصے پر عملدرآمد کرتی یعنی ریاست سے اپنی فوجیں واپس طلب کرتی۔ پاکستان نے ریزولیوشن کے دوسرے حصے پر عمل نہیں کیا۔

کشمیر میں جنگ بندی کے بعد ۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء کو سلامتی کونسل نے اقوام کے ایک نمائندہ کا تقرر عمل میں لانے کی اجازت دی تاکہ وہ ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کے ریزولیوشن پر عمل درآمد کا کام شروع کرے۔ اس مقصد کے لیے سر اوئن ڈکسن کو پہلا نمائندہ بنایا گیا۔ وہ ۱۹۵۰ء کے موسم سرما میں ہندوستان آیا اور یہاں تین ماہ گذار دیئے۔ انہوں نے جنرل مکناٹن کی پیش کی ہوئی تجویزوں کے مطابق فوجوں کو ہٹانے کا طریقہ اختیار کیا لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہوئے۔ جنرل میکناٹن کی فوجیں ہٹانے کی تجویز یہ تھی کہ ہندوستان اور پاکستان کی فوجیں ایک ہی وقت ریاست کو خالی کریں۔ اور آزاد کشمیر اور کشمیر کی فوجی تنظیموں کو توڑ دیا جائے۔ بلتستان اور گلگت کے شمال حصوں میں بھی فوجوں کو ہٹایا جائے۔ تاہم وہاں باغی حکومتوں کو قائم رکھا جائے۔

سر اوین ڈکسن کی جنرل مکناٹن کی تجویز پر عمل کرنے میں ناکامی کے بعد انہوں نے کشمیر کی تقسیم کا منصوبہ تیار کیا۔ ان کی تجویز تھی جن علاقوں کے لوگوں کی

رائے بالکل صاف اور غیر متنازعہ ہو۔ ان علاقوں کو ہندوستان اور پاکستان میں شامل ہونے دیا جائے اور جہاں رائے میں اختلاف پایا جائے۔ وہاں رائے شماری کرائی جائے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں نے اس تجویز کو مسترد کردیا۔ مسٹر ڈکسن نے اپنی کوششوں میں ناکامی کے بعد سفارش کی کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک خود طے کریں کہ کیا کرنا چاہیئے۔

اپریل ۱۹۵۱ء میں سلامتی کونسل نے ڈاکٹر گراہم کو اپنا نیا نمائندہ بنایا۔ وہ کشمیر میں ہندوستان اور پاکستان کے تعاون سے فوجوں کی واپسی کا کام کریں۔ دو سال تک وہ ہندوستان اور پاکستان کو کشمیر سے فوجیں ہٹانے کے منصوبے پر راضی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

کشمیر اور ہندوستان کے آئینی تعلقات

۹ اگست ۱۹۵۳ء کے بعد ساری صورت حال یکسر بدل گئی۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے اگست ۱۹۵۳ء تک لگ بھگ چھ سال کے دوران کشمیر کے مسئلے کا سلامتی کونسل میں حل تلاش کرنے کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ اور مرکزی حکومت کے درمیان کشمیر کے تعلقات پر بات چیت ہوئی۔ ۱۹۴۸ء کے بعد ہی ہندوستان میں آئین سازی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ جب ہندوستان کا آئین تیار کیا جا رہا تھا تو کشمیر اور ہندوستان کے درمیان آئینی تعلقات کا مسئلہ بھی سامنے آ گیا۔ کشمیر ایک متنازعہ مسئلہ تھا اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں کشمیر کا مسئلہ زیر بحث تھا اس لئے کشمیر اور ہندوستان کے تعلقات کی نوعیت پر غور کرتے ہوئے کشمیری عوام کی رائے اور عالمی رائے کا خیال رکھنا ضروری تھا۔ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں خود شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ، مولانا محمد سعید مسعودی وغیرہ کشمیر کے نمائندے بن کر شامل ہو گئے۔ کشمیر اور ہندوستان کے تعلقات کو قائم رکھتے ہوئے دستاویز الحاق کو بنیاد بنایا گیا۔ دستاویز الحاق کے مطابق کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ صرف تین معاملات ۱۔ دفاع ۲۔ امورات خارجہ اور (۳) رسل و رسائل پر طے ہوا تھا۔ ان تین معاملات کے بغیر ہند پارلیمنٹ

کو کشمیر پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ دستاویز الحاق کی شرائط کو آئینی شکل دینے کے لئے آئین ہند میں آرٹیکل ۳۷۰ شامل کیا گیا۔ اس آرٹیکل کے مطابق ریاست جموں و کشمیر تین معاملات کے بغیر تمام امور میں اندرونی طور خود مختار بن گئی۔ ریاست جموں و کشمیر کو آئین کے آرٹیکل ۳۷۰ کے تحت جو خصوصی پوزیشن حاصل ہو گئی۔ اس کے مطابق ہی ریاست جموں و کشمیر کو اپنا علیحدہ آئین بنانے اپنا سربراہ (صدر ریاست) منتخب کرنے اور اپنا علیحدہ جھنڈا رکھنے کا اختیار مل گیا۔ اپنے آئین، اپنے صدر اور اپنے جھنڈے کے علاوہ ریاستی حکومت کا سربراہ وزیر اعظم کہلایا جا سکتا تھا۔ یہی تین امتیازی نشان تھے جس سے کشمیر کی امتیازی پوزیشن واضح ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ کشمیر پر سپریم کورٹ مرکزی الیکشن کمیشن اکاونٹنٹ جنرل اور آڈیٹر جنرل کا دائرہ اختیار نہ تھا۔ ریاست پر کوئی مرکزی قانون (سوائے تین معاملات کے) حاوی نہیں ہو سکتا تھا۔

دفعہ ۳۷۰ کو آئین ہند میں شامل کرنے سے پہلے آئین بنانے والوں شیخ صاحب اور ان کے نمائندوں کے درمیان طویل بحث ہوئی تھی۔ دونوں طرف کے نمائندوں کی لمبی گفت و شنید کے بعد ہی دفعہ ۳۷۰ کو آئین میں درج کیا گیا۔ اس طرح دفعہ ۳۷۰ ایک جمہوری عمل کا نتیجہ تھا اور ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی جس کو نہرو جواہر لال نہرو کی پشت پناہی حاصل تھی نے اس دفعہ کو ترتیب دے کر آئین میں درج کیا۔

آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ جب ایک مسودہ کی صورت میں پیش ہوئی اسی وقت مسودہ آئین میں کشمیر سے متعلق اس دفعہ کا نمبر ۳۰۶-اے تھا۔ آرٹیکل ۳۰۶-اے

کا مسودہ جب مسودہ کمیٹی نے تیار کیا تو شیخ محمد عبداللہ نے اس کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کے لئے نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا۔ ورکنگ کمیٹی نے آرٹیکل 306-A کے مسودہ کو منظور نہیں کیا۔ شیخ صاحب نے آرٹیکل 306-A کے بدلے ایک متبادل مسودہ تیار کیا جس میں درج کیا گیا کہ پارلیمنٹ صرف ان معاملات پر قوانین بنا سکتی ہے جن پر الحاق کیا گیا ہے۔ اس مسودہ میں ایک اور پروویژن کا اضافہ کیا گیا جس میں لکھا گیا کہ گورنمنٹ آف کشمیر کا مطلب ہز ہائی نیس مہاراجہ ہری سنگھ کی وہ سرکار ہے جو اس وقت کونسل آف منسٹروں کے مشورے پر کام کرتی ہے اور مہاراجہ کی اپنی ذاتی رائے یا حکم پر کام نہیں کرتی۔ شیخ صاحب نے یہ دلیل پیش کی کہ اگر بنیادی حقوق، شہری حقوق اور ہدایتی اصول براہِ راست طور ریاست پر حاوی کئے گئے تو ہندوستان کے دوسرے باشندوں کے خلاف زمین یا جایداد حاصل کرنے سے متعلق کوئی قانون جو بنایا جائے ناقص بن جائے گا۔ شیخ صاحب نے اس بارے میں یہ دلیل پیش کی کہ آئین کی تمہید میں درج ہے کہ یہ بہت کم وقت کے لئے موجود رہے گا۔ نیز ریاست کی آئین ساز اسمبلی اس آرٹیکل کو ختم کرے گی اور اس طرح آئین ہند کے تمام پراویژن ریاست پر لاگو ہوں گے۔ ان اسباب کے باعث شیخ محمد عبداللہ نے دفعہ 306-A میں ترمیم کرنا چاہی۔

شیخ صاحب نے جب آرٹیکل 306-A میں ترمیم کر کے ایک متبادل مسودہ پیش کیا تو سر گوپالا سوامی آینگر نے سردار پٹیل کو ایک خط لکھا۔ اپنے اس خط میں گوپالا سوامی آینگر نے تحریر کیا:-

پیارے سردار جی!

شیخ صاحب اور اس کے دو ساتھیوں نے آج صبح میرے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ تک بات چیت کی۔ یہ ایک لمبی بحث تھی جیسا کہ آپ سے میں نے کہا۔ مسودہ کے بارے میں ان کے پاس کوئی ٹھوس اعتراض نہیں تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کے گھر پر اور پارٹی کی میٹنگ میں ڈرافٹ پر اتفاق کرنے کے بعد مجھے یہ امید نہیں تھی کہ آپ مجھے اور پنڈت جی کو اس طرح بے وقعت کریں گے۔ شیخ صاحب نے میری اس بات کے جواب میں کہا اپنے عوام کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے اس مسودہ کو قبول کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔ میں نے شیخ صاحب سے کہا کہ وہ واپس جا کر اس پر پوری طرح غور کریں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ایک دو دن میں اس پر پوری طرح سوچ بچار کے بعد ٹھیک طرح ذہنی طور تیار ہو کر آئیں گے۔

در ایں اثناء میں نے اس معاملے پر دوبارہ غور کیا ہے اور ا ڈرافٹ تیار کیا ہے جس کو اپنا سٹینڈ ترک کئے بغیر ایک طرح ترتیب دیا ہے کہ شیخ صاحب اسے تسلیم کریں گے۔ شام کو میں نے مسودہ کمیٹی کے ساتھ اس ڈرافٹ پر تبادلہ خیال کیا۔ کمیٹی نے جن دو تین ترامیم کی تجویز پیش کی ہے ان کو اس میں درج کیا گیا ہے۔ ڈرافٹ اور وہ چٹھی آپ کو ارسال کر رہا ہوں جو میں نے شیخ صاحب کو لکھی ہے

مجھے اُمید ہے آپ اسے منظور فرمائیں گے۔

آپ کا

این۔ گوپالاسوامی آئینگر

نئی دہلی۔ ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء

گوپالاسوامی آئینگر کی طرف سے ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء کا مکتوب موصول ہونے کے بعد سر(دار) پٹیل نے اس کا جواب مندرجہ ذیل چٹھی میں دیا:۔

پیارے گوپالاسوامی آئینگر

آپ نے مجھے ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو جو مکتوب لکھا اس کے لئے میرا شکریہ قبول کیجیے۔ آپ کی چٹھی مجھے آئین ساز اسمبلی سے واپس آتے ہوئے مجھے ملی۔

میں سمجھ گیا ہوں کہ ابتدائی ڈرافٹ میں کچھ بڑی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ خاص کر سٹیٹ پالیسی سے متعلق بنیادی حقوق اور ہدایتی اصولوں کے ریاست (جموں و کشمیر) پر اطلاق سے متعلق معاملات میں۔ آپ خود اس بے ربطگی کو سمجھ سکتے ہیں کہ ایک طرف ریاست ہندوستان کا حصّہ بنتی ہے اور دوسری طرف ان پراویژنوں کو تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے۔ میں اس سارے انتظام میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ خاص کر اس وقت جب پارٹی نے شیخ صاحب کی موجودگی میں اسے منظور کیا ہے۔ جب بھی شیخ صاحب کسی بات سے مکر جانا چاہتے ہیں تو وہ

...بے تئیں اپنی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہیں اور ہم سے ٹکر لیتے ہیں۔ ...خ صاحب شاید ہندوستان یا ہندوستانی حکومت کی طرف کوئی ...داری نہیں سمجھتے۔ وہ ذاتی طور آپ اور وزیر اعظم کے تئیں بھی کوئی ...داری نہیں سمجھتے جنہوں نے ان کو بنانے میں کافی کام کیا ہے۔ ان ...میں میری منظوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر آپ اسے درست ...تے ہیں تو آپ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

آپ کا

سردار ولبھ بھائی پٹیل

... اکتوبر ۱۹۴۹ء کو شیخ صاحب نے ایک طویل چٹھی سر گوپالاسوامی آئینگر کو لکھی ... بھیجی:۔

ڈیر گوپالاسوامی آئینگر!

آئین ساز اسمبلی میں آج جو واقعات پیش آئے ان سے میں اور میرے تین ساتھی جو آئین ساز اسمبلی میں کشمیر کی نمائندگی کرتے ہیں کافی مضطرب ہو گئے ہیں۔

۱۲۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء کی چٹھی میں، میں نے بتایا تھا کہ آپ نے آرٹیکل 306-A کا جو مسودہ بیگ صاحب کو پیش کیا ہے وہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں۔ اس مسودہ سے وہ وعدے پورے نہیں ہوتے جو ... جواہر لال نہرو نے حکومت ہند کی جانب سے ہمارے ساتھ کئے تھے۔ یہ اس اسٹینڈ کے بھی خلاف ہے جو نیشنل کانفرنس نے اس معاملہ

میں ابتداء سے اختیار کیا ہے اور جس کی پنڈت جی اور سردار پٹیل نے عوامی جلسوں میں منظوری دی ہے۔ اسی باعث ہم نے ایک متبادل ڈرافٹ پیش کیا جس میں پارلیمنٹ کے قانون بنانے کے اختیارات کو ان تین معاملات تک محدود کر دیا گیا ہے جو دستاویز الحاق میں درج ہیں اور جن کے متعلق پنڈت جی نے ہمیں یقین دہانیاں کی ہیں۔ اس کے بعد میرے نمائندوں نے کئی بار اس پوزیشن پر آپ کے ساتھ بحث کی۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو مجھے آپ کی طرف سے دوسرا ڈرافٹ ایک چٹھی کے ساتھ مل گیا۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو میں نے آپ کی چٹھی کا جواب دیا جس میں میں نے صاف الفاظ میں کہا کہ ہم آپ کے ترمیم شدہ ڈرافٹ کو قبول نہیں کر سکتے آپ کے نقطۂ نظر کا زیادہ سے زیادہ حد تک خیال رکھ کر ہم نے ایک اور ڈرافٹ آپ کو ارسال کیا جس میں ہم ان حدود سے کچھ آگے بڑھے جن پر ہم نے الحاق کیا تھا۔ اس چٹھی میں میں نے آپ پر واضح کیا کہ میں آگے جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اس لئے آپ سے التماس کی کہ آپ ڈرافٹ کو منظور کر لیں۔ آپ نے اس کے بعد میرے نمائندوں کے ساتھ مزید بات چیت کی اور ان کے ساتھ تبادلۂ خیال کر کے نیا ڈرافٹ تیار کیا جو میرے پاس بھیجا گیا۔ کل دوپہر کے بعد ڈرافٹ کو آخری شکل دی گئی۔ آپ کی اس یقین دہانی کے بعد کہ ڈرافٹنگ کمیٹی آئین ساز اسمبلی میں ترمیم شدہ ڈرافٹ پیش کرے گی۔ مسٹر بیگ نے اپنی وہ ترمیم واپس لے لی جس کا نوٹس انہوں نے اسمبلی کے سیکرٹری کو دیا تھا۔ میں نے اس

کے بعد آپ کو ایک چٹھی لکھی اور آپ کی ان کوششوں کے لئے شکریہ ادا کیا جو اس ضمن میں آپ نے کی تھیں۔ میں نے آپ کو لکھا کہ بیگ صاحب نے آئین ساز اسمبلی کے سیکرٹری کو ایک چٹھی لکھی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ اپنی ترمیم واپس لے رہے ہیں۔

آج صبح وہ مسودہ جس کی آخری شکل دی گئی تھی اور جو ترمیموں کی فہرست میں اسمبلی کے سیکرٹری نے درج کیا تھا جب اسمبلی کے سامنے آنے والا تھا تو آپ اور مولانا آزاد میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ کیا آپ آرٹیکل 306-A کے کلاز ایک کے ذیلی کلاز (بی) کی توضیح میں کوئی بڑی تبدیلی تسلیم کریں گے۔ اس توضیح میں مجوزہ ترمیم پر غور کرنے کے بعد میں اور میرے ساتھیوں نے آپ کو لابی میں بتایا کہ ہمارے لئے مسودہ میں اس قسم کی ترمیم قبول کرنا ممکن نہیں۔ اس کے بعد آپ اور مولانا صاحب چلے گئے۔ جس وقت ہم لابی میں اس معاملے پر غور ہی کر رہے تھے آپ نے اسمبلی میں آرٹیکل کا مسودہ پیش کیا۔ جب اس مسودہ پر آپ کی نصف تقریر ختم ہو چکی تھی کسی نے ہمیں بتایا کہ اسمبلی میں ڈرافٹ پیش کیا گیا ہے۔ ہم اسمبلی ہال میں اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ ہمیں یہ خیال تھا کہ آپ نے اسمبلی میں آرٹیکل کا وہ مسودہ پیش کیا ہے جس کی آخری شکل دے دی گئی تھی۔ جب ڈرافٹ منظور ہوا تو ہم نے بحث میں حصہ نہیں لیا۔ جب آپ اور مولانا آزاد میرے پاس لابی میں آئے اور اس معاملہ پر بات چیت کرنا چاہی۔ میں نے

واضح طور کہا کہ اگر ڈرافٹ میں کوئی تبدیلی کی گئی تو ہم اسمبلی میں کوئی بھی ترمیم پیش کرنے میں آزاد ہوں گے۔ بیگ صاحب نے پہلے ہی ترمیم کا نوٹس دیا تھا۔ یہ ترمیم آپ کی زبانی یقین دہانی کے بعد واپس لی گئی تھی۔ ان حالات میں ہمیں ترمیم پیش کرنے کا اور ہاؤس میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع نہیں ملا۔

۳۔ جیسا کہ میں نے پہلے ہی کہا ہے۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس بات سے سخت دکھ ہوا ہے۔ اس معاملے پر پوری طرح غور کرنے کے بعد میں اور میرے ساتھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ معاملہ کو یہاں پر ہی رہنے نہ دیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی ناخوشگوار صورتحال پیدا نہ ہو جائے۔ میں آپ سے یہ التماس کروں گا کہ آپ دیکھیں کہ کیا اب بھی اس پوزیشن کو ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک مناسب وقت تک مجھے آپ کا جواب نہ مل سکا تو ہم آئین ساز اسمبلی سے مستعفی ہو جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

شیخ صاحب کی طرف سے آئین ساز اسمبلی سے مستعفی ہونے کی چٹھی موصول ہونے کے بعد گوپالا سوامی آئینگر نے شیخ صاحب کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ایک خط شیخ صاحب کو لکھا جس میں انہوں نے کہا میں حکومت ہند کی طرف سے آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ آرٹیکل ۳۰۶-اے کے خلاف اس کے ذیلی کلاز بی میں درستی کرنا چاہتے ہیں تو حکومت ہند آپ کی تجویز پر غور کرے گی۔ ان حالات میں آپ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف سے آئین ساز اسمبلی سے مستعفی ہونے کوئی جواز نہیں۔ اگر آپ نے ایسا قدم اٹھایا تو اس کا سارے ملک پر بہت ہی ناکارہ اثر پڑے گا۔

ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی نے ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ہند آئین میں دفعہ ۳۷۰ شامل کیا۔[۱۱۵]

کشمیر کی خصوصی پوزیشن

سردار پٹیل کشمیر کو ایک خصوصی پوزیشن دینے کے خلاف تھے۔[۱۱۶] خصوصی پوزیشن ہند آئین کے دفعہ ۳۷۰ کے تحت ہی کشمیر کو مل گئی۔ سردار پٹیل ہندوستان کی چھ سو چھوٹی بڑی ریاستوں کو ملحقہ صوبوں کے ساتھ مدغم کیا تھا۔ یہ ریاستیں اپنا وجود کھو چکی تھیں۔ ریاست جموں و کشمیر کو آرٹیکل ۳۷۰ کے تحت خاص درجہ مل رہا تھا اور اس کا وجود ناقابلِ تقسیم بن گیا تھا۔ ۳۷۰ دفعہ کے تحت ریاست جموں و کشمیر کی سرحدوں میں ذرہ بھر بھی ردوبدل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آئین ہند میں آرٹیکل ۳۷۰ کو شامل کرنے کی وجہ سے ہی سردار پٹیل اور پنڈت جواہر لعل نہرو میں کشمیر کے بارے میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ سردار پٹیل اور دوسرے لوگ محسوس کرتے تھے کہ کشمیر کو خصوصی درجہ دے کر غلطی کی گئی ہے وہ اس دفعہ کے بارے میں اس طرح خدشات محسوس کرتے تھے گویا شیخ صاحب نے کسی جادوئی چھڑی سے اس آرٹیکل کو آئین ہند میں شامل کر دیا تھا۔

۱۱۵۔ کلدیپ نائر کی کتاب "DISTANT NEIGHBOURS" صفحہ ۔۔ حوالہ شیخ صاحب۔

۱۱۶۔ دی ٹیسٹمنٹ آف شیخ عبداللہ۔ ص ۱۱۱

آرٹیکل ۳۷۰ کے مطابق مرکز اور ریاست کے درمیان تعلقات وضع کئے گئے۔ اس آرٹیکل کے کلاز ب (۱) کے تحت پارلیمنٹ کو ریاست جموں وکشمیر کے لئے قانون بنانے کے جو اختیار دیئے گئے وہ مندرجہ ذیل امور تک محدود ہیں:۔

۱۔ یونین لسٹ اور کنکرنٹ لسٹ میں شامل وہ معاملات جن کو ریاست کی حکومت کے ساتھ مشورہ کے بعد پریذیڈنٹ اعلان کرے کہ یہ دستاویز الحاق جس کے ذریعہ ہندوستان کے ساتھ الحاق طے ہوا ہے کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور یہی وہ معاملات ہیں جن کے بارے میں ہند پارلیمنٹ ریاست کے لئے قانون بنا سکتی ہے۔

۲۔ مندرجہ بالا لسٹوں میں وہ معاملات جن کی صدر جمہوریہ ریاستی سرکار کے ساتھ مشورہ کے بعد ایک فرمان کے ذریعہ نشان دہی کریں۔

دفعہ ۳۷۰ کے تحت ہی اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ ریاست جموں وکشمیر کے لئے ایک آئین ساز اسمبلی منتخب کی جائے گی جو طے کرے گی کہ ہند آئین کی کونسی دفعات ریاست جموں وکشمیر پر لاگو کی جاسکیں گی اور ان دفعات کو ترمیم کر کے یا ترمیم کے بغیر کس طرح ریاست پر جاری کیا جائے گا۔ ان معاملات پر کشمیر کے نمائندوں کے ساتھ جو گفت وشنید ہوئی اس کو دہلی ایگریمنٹ میں درج کیا گیا۔

شیخ صاحب اور مہاراجہ میں ٹکر

سنہ ۱۹۴۸ء میں جب شیخ محمد عبداللہ ریاست کے وزیراعظم بن گئے تو انہوں نے ریاست میں بھی جمہوری نظام قائم کرنے کی طرف قدم بڑھانا شروع کیا۔ مہاراجہ کی موجودگی میں ریاست میں جمہوری نظام کا تصور کرنا بے معنی تھا۔ مہاراجہ نے ہندوستان کے ساتھ الحاق اس لئے کیا تھا تاکہ اس کا شخصی اقتدار قائم رہے۔ شیخ صاحب نے مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے کئے گئے دستاویز الحاق کی تصدیق اس مقصد سے کی تھی تاکہ ریاست میں بھی ملک کے باقی حصوں کی طرح اقتدار عوام کے ہاتھ میں منتقل کیا جائے۔ مہاراجہ اور شیخ محمد عبداللہ کا اندازِ فکر متضاد اور مختلف تھا۔ مہاراجہ شخصی حکمران کی حیثیت سے اپنے ہاتھ میں تمام اختیارات رکھنا چاہتے تھے۔ وہ وزیراعظم کے ذریعے عوام کی مرضی کے بجائے اپنے اختیارات سے کام لینا چاہتے تھے۔ شیخ صاحب کی وزیراعظم کی حیثیت سے تقرری مہاراجہ ہری سنگھ کی مرضی سے عمل میں آئی تھی۔ شیخ صاحب ان کی مرضی کے مطابق کام کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ دونوں کے راستے مختلف تھے۔ دونوں مختلف مقاصد کیلئے کام کرنا چاہتے تھے۔ شیخ صاحب وزیراعظم کی حیثیت سے "نیا کشمیر" کے پروگرام پر عمل کرنا چاہتے تھے۔ نیا کشمیر کا پروگرام مہاراجہ ہری سنگھ کے مقاصد کے

منافی تھا۔ نیا کشمیر میں جاگیرداری کا خاتمہ پہلی شرط اور ضرورت تھی۔ مہاراجہ کی حکومت جاگیردارانہ نظام پر ہی قائم تھی۔ شیخ صاحب اور مہاراجہ کے مختلف نقطۂ ہائے نظر کی وجہ سے حکومت میں دوعملی پیدا ہوگئی۔ اُس وقت تمام اختیارات کا سرچشمہ مہاراجہ ہری سنگھ تھا۔ اس لئے کوئی بھی اہم فیصلہ مہاراجہ کی مرضی اور ان کے اختیارات کے تحت ہی کیا جاسکتا تھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ اپنے اختیارات سے کسی حد تک دستبردار تو ہونا چاہتے تھے لیکن وہ اپنے وزیراعظم کے ہاتھ میں تمام اختیارات دینا نہیں چاہتے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ عوام کے نمایندے کی حیثیت سے کام کرنا چاہتے تھے اور عوام کے مفادات کے مطابق ہی اہم فیصلے کرنا چاہتے تھے۔ مہاراجہ اُن کے ارادوں میں سب سے بڑی رُکاوٹ تھے۔ اس قسم کے نظام میں شیخ صاحب ایک برائے نام وزیر اعظم ہی رہ سکتے تھے اور وہ کوئی انقلابی قدم اُٹھا نہیں سکتے تھے۔ اس قسم کے حالات میں شیخ صاحب کیلئے کام کرنا بہت مشکل تھا۔ ایسی صورت حال کو ختم کرنے کیلئے شیخ صاحب نے مرکزی لیڈروں خصوصی طور پنڈت جواہر لال نہرو پر زور ڈالا کہ وہ مہاراجہ کی ان مبینہ زیادتیوں کے خلاف ایک مقدمہ چلائیں جو انہوں نے ریاست کے ایک سربراہ کے ناطے جموں کے مسلمانوں کے ساتھ کیں۔ انہوں نے کہا اگر مہاراجہ اپنے اقتدار سے دستبردار ہوجائیں۔ تو ان کے خلاف کیس دایر کرنے پر زور نہیں دیا جائے گا۔ شیخ صاحب کے اس مطالبے سے مرکزی حکومت بہت پریشان ہوگئی مرکزی لیڈر سوچنے لگے کہ اگر مہاراجہ ہری سنگھ کو حکومت سے دستبردار ہونے کے لئے کہا جائے تو وہ دستاویز الحاق متاثر ہوجائے گا جو مہاراجہ کی وساطت سے طے ہوا ہے اس طرح سلامتی کونسل میں ہندوستان کی پوزیشن کمزور ہوسکتی تھی۔ وہ یہ بھی خیال کرنے لگے کہ

اگر ایسا نہ کیا جائے تو شیخ محمد عبداللہ جو کشمیری عوام کے مسلمہ لیڈر ہیں منحرف ہوجائیں گے۔ شیخ صاحب کے اس مُطالبے سے ایک بڑی اُلجھن پیدا ہوگئی۔ مرکزی سرکار نے گوپالا سوامی آینگر کو یہ اُلجھن دور کرنے کے لئے مقرر کیا۔ مسٹر آینگر نے کافی غور کے بعد سمجھوتہ کا ایک فارمولا تیار کیا۔ اس فارمولا کے مطابق مہاراجہ ہری سنگھ کو اپنے یوراج کے حق میں دستبردار ہوکر ریاست سے باہر جانے کے لئے کہا گیا۔ شیخ صاحب کا مقصد اس طرح پورا ہوگیا۔ کرن سنگھ اپنے باپ مہاراجہ ہری سنگھ کی جگہ ان کے ریجنٹ مقرر ہوئے اور وہ بمبئی گئے جہاں وہ اپنی عمر کے آخری دنوں تک زندگی گزارتے رہے۔ مہاراجہ ہری سنگھ مئی ۱۹۴۹ء میں اپنی حکومت سے دستبردار ہوگئے اور اسی روز کرن سنگھ ان کے ریجنٹ بن گئے۔

پنڈت نہرو اور سردار پٹیل میں اختلافات

شیخ صاحب نے پنڈت جواہر لال نہرو کی مدد سے مہاراجہ ہری سنگھ کو جب اقتدار سے محروم کرکے جلاوطن ہونے پر مجبور کیا تو سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کے درمیان اختلافات بڑھ گئے۔ یہ اختلافات دونوں لیڈروں میں پہلے ہی موجود تھے۔ سردار پٹیل کا کشمیر اور شیخ محمد عبداللہ کی نسبت جو نظریہ تھا وہ پنڈت جواہر لال نہرو کے نظریہ سے مختلف تھا۔ سردار پٹیل نے ایک بار پنڈت نہرو کو لکھا۔

جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرنا چاہیئے کہ میں وہاں کی فوجی صورت حال پر خوش نہیں ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ کشمیر میں فوج اور بھاری اسلحہ بھیج کر بھی ہم نے کوئی پیش رفت

نہیں کی ہے۔ فوجی کمانڈر روز بروز زیادہ فوج اور زیادہ اسلحہ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان کی فوجی ضروریات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔"

شری جواہر لال نہرو نے سردار پٹیل کو بہت نرم لہجہ میں جواب دیا۔ انہوں نے کہا۔

ہمیں اب تک فوجی کاروائی سے کشمیر میں جو تجربہ حاصل ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ فوجی کاروائی شروع کرنا آسان ہے۔ لیکن اس کاروائی کو ختم کرنا آسان نہیں ہے[1]

۱۹۴۷ء میں ہی جب شیخ محمد عبداللہ اور مہاراجہ ہری سنگھ کے درمیان اختیارات کی تقسیم پر جھگڑا پیدا ہوا تو اس کی وجہ سے پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کے درمیان بھی اختلافات پیدا ہو گئے۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۴۷ء کو جب قبائلی حملہ کی وجہ سے کشمیر کی صورت حال بہت خراب تھی، سردار پٹیل نے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک خط ارسال کیا جس میں انہوں نے لکھا۔

"میں محسوس کرتا ہوں کہ اب مجھے حکومت میں کام نہیں کرنا چاہیئے اس لئے میں اپنا استعفیٰ پیش کر رہا ہوں۔"

سردار پٹیل نے استعفیٰ دینے کی یہ خواہش گوپالا سوامی آئینگر کے ساتھ کچھ اختلافات کے باعث ظاہر کی تھی۔ اس وقت مسٹر آئینگر وزیر بلا محکمہ تھے اور وہی کشمیر کے معاملات کے انچارج تھے۔

---

۱ - کلدیپ نایر - DISTANT NEIGHBOURS - صفحہ ۱۷ -

استعفیٰ کی اصل وجہ یہ تھی کہ شیخ صاحب مہاراجہ ہری سنگھ کو اقتدار سے الگ کر کے کشمیر کیلئے اٹانومی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ سردار پٹیل مہاراجہ کو ہٹانے اور ریاست کو اٹانومی دینے کے خلاف تھے۔ سردار پٹیل کی مزاحمت کے باوجود شیخ صاحب نے پنڈت جواہر لعل نہرو کو ریاست سے موروثی حکمرانی ختم کرنے پر آمادہ کر دیا۔ ۱۹۵۰ء میں اعلان کیا گیا کہ ریاست میں آئین ساز اسمبلی قایم کی جائے گی۔ آئین ساز اسمبلی قایم کرنے سے پہلے ہی شیخ صاحب نے ریاست میں زرعی اصلاحات نافذ کئے۔ اس بات پر دہلی اگریمنٹ میں اتفاق ہو گیا تھا۔ زرعی اصلاحات بنیادی حقوق کی ذیل میں آتے ہیں چنانچہ دہلی اگریمنٹ پر دستخط کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا:-

"اس بات پر اتفاق ہوا کہ بنیادی حقوق ریاست جموں و کشمیر پر بھی لاگو ہونے چاہئیں۔ اس بارے میں شیخ صاحب اور ہمارے کشمیر کے دوستوں کے دلوں میں کچھ خدشات تھے۔ چنانچہ پہلے یہ سوال سامنے آیا کہ یہ بنیادی حقوق کشمیر کے زرعی اصلاحات کے قانون میں کس طرح مانع ہو جائیں گے۔ دوسری بات یہ تھی کہ کشمیر کی جنگ پھر جنگ بندی نیز تناؤ کی وجہ سے کشمکش اور کشیدگی کی صورت حال اور دوسری چیزیں ہیں جن کا کشمیر میں ہمیں سامنا ہے۔ ہمیں بتایا گیا بنیادی حقوق کا کچھ حصہ کشمیر سرکار کو کچھ احتیاطی اقدام کرنے میں رکاوٹ بن جائے گا۔ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کشمیر کے مفادات کیلئے ایسا ضروری ہے۔"

شیخ صاحب نے زرعی اصلاحات کا جو قانون پاس کیا، نئی دہلی کے کچھ حلقوں میں اسے کافی اضطراب پیدا ہوگیا۔ ان حلقوں نے اگرچہ اس قانون کی مخالفت نہیں کی لیکن اس بات پر اعتراض کرنا شروع کیا کہ شیخ صاحب نے اتنا اہم اور دوررس اہمیت کا فیصلہ کرنے سے پہلے مرکز کو آگاہ کیوں نہ کیا۔ نئی دہلی میں سردار پٹیل سے وابستہ حلقہ اس قانون کے پاس ہونے سے سخت برہم ہوا۔

نئی دہلی میں دو گروپ تھے۔ ایک گروپ سردار پٹیل سے وابستہ تھا اور دوسرا پنڈت جواہر لعل نہرو سے۔ شیخ محمد عبداللہ کو نہرو گروپ سے وابستہ سمجھا جارہا تھا۔ نہرو ایک دانشور اور فلسفی تھے۔ وہ انتظامیہ کے عملی امور میں بہت کم دلچسپی لیتے تھے۔ سردار پٹیل ہی عملی طور سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ وہ کشمیر کو خصوصی پوزیشن دینے کے خلاف تھے۔ اس بارے میں شیخ محمد عبداللہ اور سردار پٹیل کے نقطہ ہائے نظر میں کافی فرق تھا۔ شیخ صاحب ریاست کیلئے اٹانومی کو لازمی سمجھتے تھے اور وہ اٹانومی کے بغیر ریاستی انتظامیہ کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے خلاف تھے۔ کافی وقت تک اٹانومی کے معاملہ پرلے دے ہوئی۔ سردار پٹیل کسی صورت میں شیخ صاحب کا ریاست جموں و کشمیر کے لئے اٹانومی کا مطالبہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ جب شیخ اور پٹیل کے اختلافات بڑھ گئے تو پنڈت جواہر لال نہرو نے مداخلت کی۔ آخر پنڈت جواہر لعل نہرو ریاست جموں و کشمیر کیلئے اٹانومی پر آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ ایک معاہدہ ہوگیا جس کے تحت کشمیر کو اندرونی خود مختاری حاصل ہوگئی۔

[انٹیلی] جنس آفیسر کی واپسی کا مطالبہ

[...] کشمیر کی خصوصی پوزیشن اور لاء اینڈ آرڈر سٹیٹ سبجیکٹ ہونے [...] ریاست جموں و کشمیر میں مرکز کا انٹلی جنس ڈیپارٹمنٹ کام نہیں کرسکتا تھا۔ [...]ت کی سرحدوں پر حالات کشیدہ تھے۔ ریاست میں تخریبی کارروائیوں کا امکان تھا [...]ن اور پاکستان کی فوج ایک دوسرے کے مقابلہ میں کھڑی تھی۔ ان حقایق [...] نظر ریاست میں انٹلی جنس ڈیپارٹمنٹ قائم کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ [...]کا کام دشمن کی جاسوسی سرگرمیوں کا پتہ لگانا تھا۔ یہ محکمہ مرکزی وزارت [...] تحت کام کرتا تھا۔ جنوری ۱۹۴۹ء میں شیخ صاحب نے مرکزی سرکار کو [...] وہ فوراً اپنے انٹلی جنس آفیسر کو واپس بلادے۔ انہوں نے وارننگ دی کہ [...] آفیسر کو ۲۴ گھنٹے کے اندر واپس نہ بُلایا گیا تو اُسے نظر بند کیا جائے گا۔ [...] سرکار نے انٹلی جنس ڈیپارٹمنٹ کے اس آفیسر کو فوراً واپس بُلایا اور [...] جگہ دوسرا سینئر آفیسر اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی حیثیت میں روانہ کیا۔ [...] آفیسر اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے جموں پہنچا تو چند روز کے بعد [...] صاحب نے اس کی تقرری پر اعتراض کیا۔ انہوں نے کہا کوئی بھی انٹلی جنس [...] ہماری قبل از وقت اجازت کے بغیر ریاست میں کام نہیں کرسکتا۔ اس آفیسر [...] مرکزی حکومت نے فوراً واپس بُلالیا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد سرگوپالا سوامی [...] شیخ صاحب سے ملے اور ان سے کہا کہ اب انہوں نے اس آفیسر کی تقرری منظور [...] اس لئے اسے واپس طلب کیا جائے۔ اس طرح معاملہ طے کیا گیا۔ ۱۹۵۲ء

شیخ صاحب نے انٹلی جنس کے دو سب آرڈی نیٹ آفیسروں کی واپسی کا مطالبہ
کیا۔ شیخ صاحب نے مرکزی حکومت کے سامنے یہ مطالبہ بخشی غلام محمد کے ذریعے پیش کیا
جنہوں نے آئی۔ بی آفیسر سے کہا کہ اگر ان دو سب آرڈی نیٹ آفیسروں کو فوراً وہاں
سے ہٹایا نہ گیا۔ ان کو ہتھکڑیاں پہنائی جائیں گی [5]۔ اس بار انٹلی جنس کے دو آفیسروں
کو ہٹانے کا معاملہ باہمی طور طے کیا گیا۔ اس طرح حکومت کشمیر اور مرکزی سرکار کے درمیان
ایک اور ناچاقی دور کی گئی۔

آئی۔ بی۔ کے آفیسروں کو ریاست سے باہر بھیجنے کی وجہ کیا تھی اس پر
خود شیخ صاحب نے نئی دہلی میں تبصرہ کیا۔ انہوں نے کہا۔ کشمیر میں کام کرنے والا
انٹلیجنس چیف سردار پٹیل کو ہر قسم کی رپورٹ بھیجا کرتا تھا۔ جب کبھی میں دہلی
جاتا تھا تو وہاں میرے سامنے فرضی واقعات کی تفصیل پیش کی جاتی تھی۔ جو ذہنی
اختراع ہوتی تھی اور جن کا واقعات کے سیاق و سباق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں
ہوتا تھا۔ ان واقعات کی بناء پر میں نے کشمیر سے انٹلی جنس چیف کو واپس بلانے
کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ ۲۴ گھنٹے کے اندر اسے ریاست کے باہر کر دیا گیا۔ اس واقعہ
سے ایک بحران پیدا ہو گیا [6]۔

شیخ صاحب نے ایک اور بیان میں کہا۔ نئی دہلی میں ایک میٹنگ ہوئی
جس میں نہرو، پٹیل، آزاد اور میں موجود تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ لا اینڈ آرڈر

[5] ۔ بی۔ این ملک کی کتاب۔ مائی ایرس ود نہرو۔ صفحہ ۲۶
[6] ۔ ڈسٹنٹ نیبرس۔ از کلدیپ نائیر۔

کا معاملہ ریاست سے تعلق رکھنے والا معاملہ ہے۔ آئین کے تحت مرکزی سرکار کو ہماری
ریاست میں جاسوس بھیجنے کا کوئی اختیار نہیں۔ نہ ہی ریاست میں انٹلی جنس ڈیپارٹمنٹ
قائم کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب سردار پٹیل نے پنڈت جواہر لال نہرو سے کہا:۔

"کشمیر کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ہندوستان کو کشمیر کی فکر نہیں
کرنی چاہیئے۔ ہم نے کشمیر میں جوا کھیلا ہے اور ہم ہار چکے ہیں۔ اب ہمیں
نیا پیچ کھیلنے کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔"

سردار پٹیل کے اس اظہار کے بعد پنڈت نہرو نے مجھ سے ذاتی اپیل کی اور میں انٹلیجنس
چیف کو واپس بلانے پر آمادہ ہو گیا [7]۔

جنوری ۱۹۴۹ء میں شیخ صاحب نے دو برطانوی نامہ نگاروں مسٹر ڈاؤسن
اور وارڈ پرائس کو ایک انٹرویو دیا۔ اس انٹرویو کی انٹلی جنس رپورٹ سری نگر کے
آئی۔ بی۔ آفس سے حکومت ہند کو بھیجی گئی۔ شری جواہر لال نہرو اور گوپالا سوامی
آئینگر نے شیخ صاحب سے اس انٹرویو کی تفاصیل اور اصلی باتیں دریافت کیں۔
انٹلی جنس کی رپورٹ اور شیخ صاحب کی حقیقی تفاصیل میں فرق تھا۔ شیخ صاحب
ان کو کہہ چکے تھے کہ انٹلی جنس چیف نے برطانوی نمائندوں کے ساتھ ان کے انٹرویو کی
غلط رپورٹ دی ہے۔ اسی باعث انہوں نے انٹلی جنس چیف کی فوری واپسی کا
مطالبہ کیا تھا۔ اس انٹرویو کے بارے میں حکومت ہند کو جو رپورٹ ملی تھی اس میں
لکھا تھا کہ شیخ صاحب نے آزاد اور خود مختار کشمیر کے امکانات پر بات چیت کی۔
کشمیر سے نئی دہلی کو متواتر طور رپورٹیں موصول ہو رہی تھیں۔ ان رپورٹوں
کا کچھ آئی۔ بی کو کچھ وزیر اعظم شری جواہر لعل نہرو کو اور کچھ وزیر داخلہ سردار پٹیل

[7] ۔ ڈسٹنٹ نیبرس از کلدیپ نائیر

کو پہنچ رہی تھیں۔ یہ رپورٹیں شیخ محمد عبداللہ کے نجی اور پبلک بیانات سے متعلق ہوتی تھیں۔ ان مختلف اور متضاد قسم کی رپورٹوں سے صورت حال پیچیدہ بن رہی تھی۔ شری نہرو اپنے آدمیوں کو اور سردار پٹیل اپنے آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ کشمیر بھیج رہے تھے۔ تاکہ وہ شیخ محمد عبداللہ اور کشمیر کے بارے میں صحیح صورت حال ان کے سامنے پیش کریں۔[1] جن لوگوں کو شری جواہر لعل حقایق دریافت کرنے کے لئے کشمیر بھیجتے تھے وہ شیخ صاحب کے حق میں رپورٹیں دیتے تھے اور جن اشخاص کو سردار پٹیل بھیج رہے تھے وہ شیخ صاحب کے خلاف رپورٹیں پیش کرتے تھے۔

کشمیر کے سیاسی صورت حال کی حقیقی تصویر پیش کرنے کیلئے ۱۹۴۹ء میں پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل نے بی۔ این۔ ملک انٹیلجنس آفیسر کو کشمیر روانہ کیا۔ انہوں نے ساری صورت حال کا مشاہدہ کرنے اور مختلف مکتبِ فکر کے لوگوں کے خیالات جان کر ایک مبسوط رپورٹ پیش کی۔ اس رپورٹ میں تمام حقائق کو بیان کرنے کے بعد یہ رائے ظاہر کی گئی تھی۔ کہ شیخ محمد عبداللہ نے حالات کے دباؤ کے تحت ہندوستان سے وابستہ ہونا قبول نہیں کیا ہے بلکہ وہ نظریاتی ہم آہنگی کے باعث ہی ہند سے رشتہ جوڑنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ رپورٹ میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ، مہاتما گاندھی اور شری جواہر لال نہرو کے تئیں حقیقی محبت اور لگاؤ رکھتے ہیں اور وہ اس امداد کی قدر کرتے ہیں جو تحریک آزادی کے دوران ان دونوں لیڈروں نے کشمیری عوام کو فراہم کی۔

---

[1] ۔ مائی ایرس وِد نہرو ۔ بی۔ این۔ ملک ص ۱۲

بی۔ این۔ ملک نے کشمیر کے سیاسی حالات سے متعلق یہ رپورٹ مرتب کی اور اسے ہوم سیکرٹری کو پیش کیا۔ اس وقت وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو براہ راست طور پر کشمیر سے نمٹ رہے تھے۔ ہوم سیکرٹری نے بی۔ این۔ ملک کی رپورٹ کی نقلیں وزیر اعظم شری نہرو اور وزیر داخلہ سردار پٹیل کو روانہ کیں۔ سردار پٹیل نے بی۔ این۔ ملک کی رپورٹ پر اختلاف کیا۔ انہوں نے بی۔ این۔ ملک کو اپنے پاس طلب کر کے کہا:۔

"کشمیر اور شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں جو رائے آپ نے قایم کی ہے۔ میں اُس سے اتفاق نہیں کرتا۔[1]"

کشمیر اور شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں سردار پٹیل کے رویہ کو دیکھ کر آئی۔ بی۔ محکمہ کچھ نئے انداز سے کام کر کے رپورٹیں پیش کرنے لگا۔ ایک بحرانی صورت حال پیدا ہونے لگی۔ پنڈت نہرو شیخ محمد عبداللہ کو برابر ایک قابل اعتماد دوست اور کشمیر کا مسلمہ لیڈر سمجھتے رہے۔ لیکن دوسرے لوگ بخشی غلام محمد کو ایک نئے لیڈر کے طور تیار کرنے لگے۔ شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹۵۱ء کے واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے کئی سال بعد دہلی میں ایک بار کہا:۔

حالات روز بروز خراب ہو رہے تھے اور ایک مرحلہ ایسا بھی آگیا جب میں نے وزارت اعظمی سے دستبردار ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ ۱۹۵۱ء کے بعد ہی مجھے اطلاعات مِل رہی تھیں کہ بخشی غلام محمد کو ایک متبادل لیڈر کے طور تیار کیا

---

[1] ۔ بی۔ این ملک کی کتاب ۔ مائی ایرس وِد نہرو ص ۱۵۱

بتا رہا ہے۔ ایک بار مجھے وزیرِ اعظم شری جواہر لعل نہرو کی طرف سے ایک خط وصول ہوا جس میں لکھا گیا تھا کہ اس خط کی ایک نقل انہوں نے بخشی غلام محمد کو بھیجدی ہے۔ میں نے اس خط کو وصول کرنے کے بعد سخت الفاظ میں ایک احتجاجی چھٹی لکھی اور کہا کہ اگر مجھ پر آپ کا اعتماد ختم ہوگیا ہے تو مجھے اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے کی اجازت دی جائے۔ میں ایسی حالت میں وزیرِ اعظم کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرسکتا۔ پنڈت نہرو نے اپنے دستخطوں سے مجھے ایک چھٹی لکھی جس میں انہوں نے کہا۔ میں کشمیر میں صرف ایک لیڈر کو تسلیم کرتا ہوں اور وہ شیخ محمد عبداللہ ہیں۔ لیکن سردار پٹیل ہندو عنصر کی اعانت سے بخشی غلام محمد کو تیار کر رہا تھا۔ جب انہوں نے سمجھ لیا کہ نہرو کو قایل کرنا مشکل ہے تو انہوں نے ان اشخاص کو اپنے اثر میں لانا شروع کیا جو شری جواہر لال نہرو کے بہت قریب تھے ــــ"

آئین ساز اسمبلی

کشمیر کا مسئلہ سلامتی کونسل میں زیرِ بحث تھا۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک ریزولیوشن بھی پاس کیا تھا جس کے تحت جموں وکشمیر کے لوگوں کی رائے حاصل کرکے اس کے مستقبل کو طے کرنا تھا۔ سلامتی کونسل کے ریزولیوشن کے تحت کشمیر میں جنگ بندی کی گئی تھی اور جنگ بندی لاین بھی قایم کی جا رہی تھی۔ رائے شماری سے پہلے پاکستان کو آزاد کشمیر سے اپنی ساری باضابطہ اور بے ضابطہ فوج واپس بُلانا تھی۔ پاکستان ریزولیوشن کے دوسرے حصے پر عمل کئے بغیر کشمیر میں رائے شماری کرانے پر زور دے رہا تھا۔ پاکستان کے اس رویہ سے سلامتی کونسل کی قرارداد پر عمل کرنا مُشکل بن گیا تھا۔ کشمیر میں ایک بحرانی صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ اقوامِ متحدہ بھی پاکستان کو قرارداد کے دوسرے حصے پر عمل کرانے میں ناکام ہوگیا تھا۔ ان حالات میں یہ طے کیا گیا کہ ریاستِ جموں وکشمیر میں آئین ساز اسمبلی قایم کی جائے۔ جو ہندوستان اور کشمیر کے درمیان آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت تعلقات وضع کرے اور ساتھ ہی کشمیر کے مستقبل کے بارے میں بھی اپنی رائے پیش کرے۔ گوپالا سوامی آئینگر نے آئین ساز اسمبلی قایم کرنے کی تجویز پیش کی تھی[لہ]

لہ ، بی۔ این۔ ملک کی کتاب مائی ایرس وِد نہرو۔

۴۔ اپریل ۱۹۵۱ء کو یوراج کرن سنگھ نے حکومت کے منشا کے مطابق ایک فرمان جاری کیا جس کے تحت آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کی ہدایت دی گئی تاکہ ریاست کے لئے ایک آئین مرتب کیا جائے۔ پاکستان نے ریاست جموں و کشمیر میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کے خلاف احتجاج کیا اور سلامتی کونسل میں یہ مسئلہ اٹھایا۔ پاکستان نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے کہا کہ ریاست جموں و کشمیر کیلئے ایک آئین ساز اسمبلی قائم کرنا اقوام متحدہ کی ان قرار دادوں کے خلاف ہے جو کشمیر کے تنازعہ کو طے کرنے کے لئے پاس کی گئی ہیں۔ حکومت ہند نے سلامتی کونسل کو اس موقعہ پر یہ یقین دلایا کہ کشمیر کی آئین ساز اسمبلی صرف اندرونی معاملات تک اپنے فیصلے محدود رکھے گی اور کشمیر سے متعلق کسی بین الاقوامی مسئلے کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کرے گی اور ایسے کسی مسئلے پر غور نہیں کرے گی۔

ستمبر ۱۹۵۱ء میں ریاست کی آئین ساز اسمبلی کے لئے انتخابات کئے گئے۔ نیشنل کانفرنس نے اسمبلی کی تمام نشستوں (۷۵ نشستوں) پر قبضہ کر لیا۔ نیشنل کانفرنس کے امیدوار بلا مقابلہ کامیاب ہوئے۔ مخالف امیدواروں کے کاغذات نامزدگی مسترد ہوئے۔ ان انتخابات میں حکمران جماعت نے اپوزیشن کو جو برائے نام تھی کامیاب ہونے کا موقع نہ دیا۔

ریاست کی آئین ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ۵۔ نومبر ۱۹۵۱ء کو منعقد ہوا۔ شیخ صاحب نے ریاست کے وزیر اعظم کی حیثیت سے اسمبلی میں جو افتتاحی تقریر کی اس میں انہوں نے ریاست سے تعلق رکھنے والے تمام معاملات پر روشنی ڈالی۔ شیخ صاحب نے اپنی تقریر میں کہا :۔

" صدیوں کے بعد ہم آزادی سے ہمکنار ہو گئے ہیں۔ ریاستی عوام کے نمائندے جو اس اسمبلی میں جمع ہو گئے ہیں اپنے ملک کے مستقبل کو یہاں تشکیل دیں گے۔ مجھے معاف کیا جائے اگر میں کہوں کہ ریاست کے عوام اپنی تاریخ کے اس مرحلہ پر پہنچے ہیں جہاں یک جہتی اور اتحاد کے روایتی جذبے نے ان کو ایک بلند مقام عطا کیا ہے۔

آپ صاحبان شاید اس بات سے واقف ہوں گے کہ ہندوستان کے ساتھ ہمارے تعلقات کی حدود کیا ہیں۔ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہندوستان کے ساتھ ہمارے تعلقات بہت خوشگوار ہیں" ہندوستانی حکومت اور عوام کا اعتماد اور حمایت ہمیں غیر مبہم طور حاصل ہے۔ ہندوستان کا آئین ایک وفاقی آئین ہے۔ اس وفاقی آئین کے تحت صوبوں اور مرکز کے درمیان اختیارات کی جو تقسیم ہوئی ہے اس میں ہماری ریاست کے ساتھ مختلف رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ تین معاملات ۱۔ دفاع ۲۔ امورات خارجہ ۳۔ رسل و رسائل جن کا اندراج دستاویز الحاق میں ہے کے بغیر ہم پوری طرح اس بات کے لئے آزاد ہیں کہ ہم اپنا آئین کس طرح مرتب کریں۔ ہماری یہ کوشش ہوگی کہ ہم اپنی اٹانومی کی پوری طاقت سے حفاظت کرنے کے ساتھ ہندوستان کے ایک حصے کے طور اس کے ساتھ پورا اشتراک کریں تاکہ ہمیں بھی ہندوستانی عوام کے دوش بدوش

بہتری کے ساتھ آگے بڑھنے کا موقع ملے۔ اس مقصد کیلئے ہم ہندوستان سے ہر قسم کی امداد کی توقع رکھیں گے۔ اس طرح ہمیں اپنی صلاحیت کے مطابق اپنی روایات اور تمدن کو ترقی دینے کا موقع مل جائیگا۔

ریاست کیلئے آئندہ سیاسی ڈھانچہ تیار کرتے ہوئے آپ کو ریاست میں کام کرنے والے (SUB-NATIONAL) چھوٹے گروہوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ اگرچہ یہ گروپ تمدنی طور ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن تاریخی عوامل نے ان کے درمیان ایک تال میل اور اتحاد پیدا کیا ہے۔ ریاست کی مختلف تمدنی اکائیوں کے درمیان بنیادی اتحاد قایم کرنے کی ضمانت دیتے ہوئے ہمیں اختیارات ایک ہی گروپ کے ہاتھ میں مرکوز نہیں کرنے چاہئیں۔ ہر تمدنی اکائی کو اپنی خصوصیات کے مطابق ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کئے جانے چاہئیں۔ اسی بنیاد پر ریاست کی سماجی اور اقتصادی پالیسیاں وضع ہونی چاہئیں۔

ہمیں اس مسئلے پر بھی غور کرنا ہے جس کی وجہ سے کشمیر عالمی توجہ کا موجب بن گیا ہے اور اقوام متحدہ میں زیر بحث آگیا ہے۔ یہ سیدھا سادہ مسئلہ اتنا اُلجھ گیا ہے کہ تین سال تک کسی حل کی اُمید کرنے کے بعد لوگ پوچھنے لگے ہیں "کیا اس مسئلے کا کوئی حل ہے"۔ ہمارا جواب اثبات میں ہے۔ اگر ہم اس مسئلے پر سیدھی طرح غور کریں تو اس کا حل بھی آسان ہو جائے گا۔

یہ مسئلہ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔ ۱۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان نے کشمیر پر جو حملہ کیا، کیا وہ قانونی اور اخلاقی طور درست تھا۔ سر اوین ڈکسن کا جواب اس مسئلہ پر بہت ہی صاف ہے۔ انہوں نے غیر مبہم الفاظ میں پاکستان کو حملہ آور قرار دیا۔ ۲۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان کے ساتھ جو الحاق کیا، کیا اس کا کوئی قانونی جواز تھا اور کیا وہ صحیح تھا۔ کسی بھی ذمہ دار اور ناطرفدار اتھارٹی نے الحاق کے قانونی جواز پر اعتراض نہیں کیا ہے۔

یہ دو جواب بالکل صحیح ہیں۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کو کشمیر کے معاملہ پر ایک ہی سطح پر رکھنے کا کیا جواز ہے۔ حالات کی منطق سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حملہ آور اپنی فوجوں کو واپس بُلالے اور اقوام متحدہ دیکھے کہ پاکستان ریاست سے باہر جاتا ہے۔

جب پاکستان ریاست سے باہر چلا جائے گا تو ایسی صورت میں ہندوستان جو کشمیری عوام کو اپنے مستقبل کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع دینے پر آمادہ ہے۔ فوجوں کی واپسی کے بارے میں کسی معقول منصوبے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں ہندوستان ریاست سے اپنی فوج واپس بُلالے گا اور صرف اتنی فوج رکھے گا جو پاکستان کے کسی امکانی حملہ کا مقابلہ کر سکے۔

ان دو تجویزوں پر عمل کرنے سے کشمیر میں ایک نئی فضا پیدا کرنے میں کافی مدد مل گئی ہوتی۔ بے گھر لوگوں کی بحالی اور ریاست میں شہری حالات بہتر بن جانے سے لوگ اپنی خواہشات کا اظہار کرتے اور وہ آخری فیصلہ کرنے کے قابل بن گئے ہوتے۔

ہم بحیثیت حکومت کے اس بات کی بڑی خواہش رکھتے ہیں کہ لوگ اپنے ملک کا فیصلہ اپنی مرضی کے مطابق کریں۔ اگر ان تین بنیادی باتوں کو پورا کیا گیا ہوتا تو ہم بین الاقوامی مشاہدین کی خدمات حاصل کر کے منصفانہ اور آزادانہ فیصلہ کرنے کے حالات پیدا کر چکے ہوتے۔

شخصی راج کا خاتمہ

آئین ساز اسمبلی نے جو سب سے پہلا فیصلہ کیا وہ شخصی راج کے خاتمہ سے متعلق تھا۔ یوراج کرن سنگھ کو ریاست کا پہلا صدر ریاست چنا گیا۔ وہ پہلے منتخب سربراہ بن گئے۔ یوراج کرن سنگھ نے ۱۷ نومبر ۱۹۵۲ء کو ریاست کے صدر ریاست کی حیثیت سے اپنا عہدہ سنبھالا۔ اب تک وہ مہاراجہ ہری سنگھ کے ایجنٹ کے طور کام کرتے تھے۔ اسمبلی نے ریاست کے لئے نئے جھنڈے کی بھی منظوری دی۔ آئین ساز اسمبلی نے ریاست کے لئے آئین مرتب کرنے کی غرض سے دو کمیٹیاں قائم کیں۔ ایک کمیٹی کو ریاست اور مرکز کے درمیان تعلقات سے متعلق ان بنیادی اصولوں کو طے کرنا تھا جن پر ریاست کا آئینی ڈھانچہ تیار کیا جاتا اور ریاست کیلئے اٹانومی کی مقدار معین کی جاتی۔ دوسری کمیٹی ریاست پر بنیادی حقوق اور شہریت سے متعلق معاملات کے اطلاق کی جانچ کرنے کے لئے تشکیل دی گئی تھی۔ مرزا محمد افضل بیگ کی سربراہی میں BASIC PRINCPALS COMMITTEE کمیٹی قایم کی گئی۔ ڈی۔ پی۔ در۔ گردھاری لال ڈوگرہ، سردار ہربنس سنگھ آزاد اور سید میر قاسم کمیٹی کے ممبر مقرر کئے گئے۔ مارچ ۱۹۵۲ء میں کمیٹی نے پہلا مسودہ پیش کیا۔ کہا جاتا ہے بنیادی اصولوں کی کمیٹیوں نے کئی فیصلے لئے تھے۔

نئے رجحانات

اسمبلی میں اس دوران کئی معاملات پر غور ہوا جس کے دوران کچھ نئے رجحانات ظاہر ہونے لگے۔ بخشی غلام محمد، دُرگا پرشاد در، گردھاری ڈَر اور غلام محمد صادق کافی حد تک کشمیر کا ہندوستان سے ادغام چاہتے تھے۔ شیخ صاحب الحاق پر قایم رہتے ہوئے کشمیر کو اندرونی طور خود مختار رکھنے کے حق میں تھے۔

۱۹۵۲ء میں گوپالاسوامی آینگر نے ریاست پر آڈیٹر اور کمپٹرول جنرل کا حد اختیار حاوی کر کے ہندوستان اور کشمیر کے درمیان مالی ادغام عمل میں لانے کی خواہش ظاہر کی۔ شیخ صاحب نے اس تجویز پر سخت رّدِ عمل ظاہر کیا۔ انہوں نے کہا۔ ہندوستان کیا یہ چاہتا ہے کہ میں ان کے حق میں پُر نوٹ لکھوں۔ حکومت ہند کی طرف سے مالی ادغام کی اس تجویز نے شیخ صاحب کو کافی حد تک ہندوستان کے تئیں بدظن بنا دیا۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی

بنیادی اصولوں کی کمیٹی اور آیئن ساز اسمبلی میں جو بحث ہو رہی تھی۔ حکومت ہندان کا پورے غور اور ہوشیاری کے ساتھ مشاہدہ کر رہی تھی۔ مرکزی سرکار کو اپنی ایجنسیوں سے تمام قسم کی بحث و تمحیص کی رپورٹیں موصول ہو رہی تھیں۔ بنیادی اصول جو ریاست کی آیئن ساز اسمبلی ریاست اور مرکز کے درمیان تعلقات کے بارے میں طے کرنا چاہتی تھی کی نسبت مرکز کے ساتھ کوئی معاہدہ ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ اسی سال دہلی اگریمنٹ سے متعلق مسودہ تیار کیا گیا جس میں ریاست اور مرکز کے درمیان آیئنی تعلقات کی بنیاد طے کی گئی۔

...غلام محمد صادق اور بخشی غلام محمد نے دہلی اگریمنٹ کے ساتھ مکمل طور اتفاق ... شیخ صاحب نے اس اگریمنٹ پر پہلے کچھ پس و پیش کیا[۱] بعد میں وہ ... کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

دہلی اگریمنٹ پر دستخط ہونے کے بعد ہی کشمیر اور مرکز کے تعلقات ... دگی پیدا ہونے لگی۔ پنڈت جواہر لال نہرو جو شیخ محمد عبداللہ کے ... ت حامی تھے اور جو کئی اہم آئینی اور سیاسی معاملات میں شیخ صاحب کے ... کو تسلیم کر چکے تھے ایسے لوگوں کے اثر میں آنے شروع ہو گئے جو شیخ صاحب ... پالیسیوں سے خوش نہیں تھے۔ ایسے لوگوں کو نئی دہلی میں سردار پٹیل کے دربار ... رسائی حاصل تھی۔ شیخ صاحب کے زرعی اصلاحات کے قانون سے جو بڑے ... متاثر ہوئے تھے وہ نئی دہلی میں رجعت پسند طبقہ کے ذریعہ وزارتِ داخلہ ... رابطہ قایم کر چکے تھے۔ سردار پٹیل کشمیر کے زرعی اصلاحات کے قانون سے ... نہیں تھے وہ کہتے تھے کہ شیخ عبداللہ بنیادی حقوق سے تجاوز کر چکے ہیں۔ ... جاگیروں کو کسی معاوضہ کے بغیر حاصل کرنے کا قانون بنا چکے۔ جموں کے ... کی بڑی جاگیریں تھیں زرعی اصلاحات کے قانون سے متاثر ہوئے تھے ... جواہر لال نہرو شیخ صاحب کے اس انقلابی قدم کو بنظر استحسان دیکھتے ... وزارت داخلہ نہیں چاہتی تھی کہ شیخ صاحب ہند آیئن کی ان حدود سے تجاوز ... بنیادی حقوق خصوصی طور جائیداد کے متعلق معین کی گئی تھیں۔ زرعی

---

[۱] مائی ایرس وِد نہرو۔ از بی۔این ملک ص۳۸

اصلاحات کا سب سے بڑا اثر جموں کے جاگیرداروں اور ہندوؤں پر پڑا تھا۔ چنانچہ اس قانون کو فرقہ وارانہ انداز سے پیش کیا گیا اور کہا گیا کہ شیخ محمد عبداللہ ہندوؤں اور جموں کے ڈوگروں سے انتقام لے رہے ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ ریاست کی آئین ساز اسمبلی میں جو تقریریں کیں ان سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ "بڑی جاگیروں کو کسی معاوضہ کے بغیر، حاصل کرنے کا جو فیصلہ کیا گیا ہے اس کی اسمبلی میں توثیق کی جائے گی۔ بنیادی اصولوں سے متعلق کمیٹی جس سے زرعی اصلاحات کے قانون اور ریاست پر بنیادی حقوق کے اطلاق سے متعلق معاملات پر اپنی رپورٹ پیش کرنا تھی کی سفارشات سے پہلے ہی شیخ صاحب کو اقتدار سے الگ کرنا اب واحد راستہ تھا جس کے طفیل کوئی دوسری سبیل تلاش کی جا سکتی تھی [۱]۔

وزارت داخلہ کا انٹلی جنس ڈیپارٹمنٹ اس دوران ریاست میں بہت سرگرم ہو گیا تھا اور وہ دشمن کی جاسوسی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے کے بجائے شیخ صاحب کی نقل و حرکت اور ان کے بیانات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ ان کا واحد مقصد یہ تھا کہ شیخ صاحب کو کانگریس اور پنڈت نہرو کی نگاہوں سے گرا دیا جائے [۲]

وزارت داخلہ کا دوسرا کام شیخ صاحب کے پیروکاروں میں پھوٹ پیدا کرنا تھا [۲]۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ اپنے منصوبوں میں کامیاب ہونے لگے۔

۱۔ ٹیسٹمنٹ آف شیخ محمد عبداللہ از جی۔ ڈی۔ گونڈیا

۲۔ ٹیسٹمنٹ آف شیخ محمد عبداللہ۔

۱۹۵۲ء میں جب ریاست کی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ شیخ صاحب نے اپنے مقاصد کی وضاحت کی تھی۔ اس دوران جو واقعات ریاست میں رونما ہوئے ان کی رپورٹ انٹلی جنس ڈیپارٹمنٹ نے مرکز کو پیش کی۔ اس بار آئی۔ بی کی رپورٹ کو درست تسلیم کیا گیا چنانچہ آئی۔ بی کے دو سب آرڈی نیٹ آفیسروں کو ریاست سے واپس بلانے کا جو مطالبہ شیخ صاحب نے کیا تھا مرکزی وزارت داخلہ نے اس کو مسترد کر دیا تھا:۔

" دائیں بازو کا پروپیگنڈا، سرگوشیوں میں باتیں کرنے کی مہم، سیاسی جوڑ توڑ اور انٹلی جنس کی رپورٹیں، جو وزارت داخلہ میں مرتب کی جاتی تھیں بالآخر مطلوبہ اثر پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئیں اور شری جواہر لال نہرو ان سے متاثر ہوئے۔ [۱] "

" ریاست کے وزیر اعظم کے خلاف وزارت داخلہ جس وقت ایک معاندانہ مہم میں جٹ گیا تھا۔ جموں اور کشمیر میں ہندو اور مسلم فرقہ پرستوں نے سر اٹھانا شروع کیا تھا [۲] "

ہندو اور مسلم فرقہ پرستی

کشمیر میں پاکستان کے حمایتی شیخ صاحب اور فرقہ پرست پرجا پریشد کے جھنڈے تلے جمع ہو کر حکومت کے خلاف منظم ہو گئے تھے۔ شیخ صاحب کشمیر میں

۱۔ ٹیسٹمنٹ آف شیخ محمد عبداللہ ص ۱۱۱

۲۔ " " " "

مُسلم فرقہ پرستوں کے خلاف جو کاروائیاں کر رہے تھے۔ مرکز میں ان کا خیر مقدم کیا جاتا تھا لیکن جموں کے فرقہ پرستوں کی سرگرمیوں کو کچلنے کے لئے جو کچھ کیا جارہا تھا اس کی سخت نکتہ چینی کی جاتی تھی۔

کشمیر کی خصوصی پوزیشن ختم کرنے کی تحریک

۱۹۵۲ء کے آخری ایام اور ۱۹۵۳ء کے ابتداء میں پرجا پریشد نے جموں میں "ایک ودھان ایک پردھان اور ایک نشان" کا نعرہ بلند کر کے ایجی ٹیشن شروع کی۔ اس ایجی ٹیشن کا مقصد آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ ختم کر کے ریاست جموں و کشمیر کو بھی ملک کی دوسری ریاستوں کی سطح پر لانا تھا۔ وہ ریاست کیلئے علیحدہ آئین، علیحدہ صدر اور علیحدہ جھنڈے کو ختم کر کے مکمل ادغام چاہتے تھے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جموں میں پرجا پریشد نے زبردست تحریک شروع کی۔

نئی دہلی میں بھی جن سنگھ نے جموں کی پرجا پریشد کے حق میں مظاہرے کرنے شروع کئے اور کشمیر کو مکمل طور ہند کے ساتھ مدغم کرنے پر زور دینا شروع کیا۔ نئی دہلی میں روزانہ جن سنگھ کے جلوس نکلتے تھے اور مظاہرے ہوتے تھے۔ جموں اور نئی دہلی میں پرجا پریشد اور جن سنگھ کی کشمیر کی خصوصی پوزیشن ختم کرنے کی ایجی ٹیشن سے شیخ محمد عبداللہ کیلئے حکومت چلانا مشکل ہو گیا۔ شیخ صاحب جس اٹانومی کو مستحکم اور مستقل بنانا چاہتے تھے اسے جن سنگھ اور پرجا پریشد ختم کرنا چاہتی تھی۔ اس ایجی ٹیشن سے ایک خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی۔ اسے ہندو فرقہ پرستی کو ہوا ملنے لگی جس کا مسلمانوں میں شدید رد عمل ہو سکتا تھا۔ اٹانومی کو جموں کے

ہندو خاص طور سے جاگیرداری اور راجپوتوں کا طبقہ اپنے مفادات کے منافی سمجھ رہا تھا۔ یہ لوگ مہاراجہ کی اقتدار سے علیحدگی اور جاگیرداری نظام کے خاتمے سے پریشان تھے۔ مفادِ خصوصی کے یہ طبقے اپنے مفادات کو محفوظ بنانے کے لئے مکمل ادغام کا نعرہ بلند کرنے لگے تھے۔ پریشد انہی عناصر کی نمائندگی کرتی ہے۔

کشمیر کی خصوصیات انفرادیت کا باعث

ریاست جموں و کشمیر ہندوستان کی واحد مسلم اکثریتی ریاست تھی جس نے ہندوستان کے ساتھ رشتہ قائم کرنے کو ترجیح دی تھی۔ یہ اس ریاست کی ایک خصوصیت تھی۔ اس کے علاوہ کشمیر نے آزادی کی تحریک کے دوران شخصی راج سے آزاد ہونے کیلئے اپنی ایک علیحدہ تحریک چلائی تھی۔ یہ تحریک مقاصد کے اعتبار سے انڈین نیشنل کانگریس کے بالکل ہم آہنگ تھی۔ اس ہم آہنگی کے باوجود کشمیر کی تحریک کا اپنا علیحدہ کردار تھا۔ اس کی اپنی خصوصیتیں تھیں۔ انہی خصائص کے باعث کشمیر کو ہند یونین میں ایک خصوصی درجہ دینے کی تجویز تسلیم کی گئی تھی۔ خصوصی درجہ کا مقصد ریاست کے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے سیاسی، سماجی اور ثقافتی حقوق اور مفادات کو محفوظ بنانا تھا۔ ریاست میں مسلمانوں کی اکثریت تو تھی لیکن ملک کے وسیع دائرے میں مسلمان اقلیت بن جاتے تھے۔ ہندو ریاستی سطح پر ایک اقلیت تھے۔ ملکی سطح پر وہ اکثریت بن

جاتے تھے۔ اٹانومی کے ذریعہ مسلمان اور ہندو ریاستی اور ملکی سطح پر اپنے انفرادی وجود کو کسی مشکل کے بغیر قائم رکھ سکتے تھے۔ کچھ مفادِ خصوصی کے عناصر کشمیر کی انفرادیت کو ختم کر کے اس کے ثقافتی، سیاسی اور سماجی ڈھانچے کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔ اور اس تناسب کو مٹانا چاہتے تھے جو صدیوں سے یہاں قائم تھا۔

جموں کو مدغم کرنے کی تجویز

جموں میں پرجا پریشد اور نئی دہلی میں جن سنگھ کی طرف سے شروع کی گئی تحریک سے وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو سخت پریشان ہو گئے۔ پنڈت جی اس ایجی ٹیشن کو چلانے والے لوگوں کے مطالبات کو قبول کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ ایک طرف کشمیر کا مسئلہ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں تھا۔ دوسری طرف کشمیری مسلمانوں کے ردِ عمل کا خطرہ تھا۔ جموں کی پرجا پریشد کے لیڈروں نے پنڈت جواہر لعل نہرو کے رویہ کو دیکھ کر تجویز پیش کی کہ اگر ہند سرکار ساری ریاست کو ہند یونین کے ساتھ مدغم کرنے میں کوئی مشکل دیکھ رہی ہے تو صرف جموں کو ہی ہند یونین میں ضم کیا جائے۔ جب یہ تجویز پنڈت جواہر لعل نہرو کے سامنے آئی تو انہوں نے جواب دیا۔ اس تجویز کو قبول کرنا دو قومی تھیوری کو تسلیم کرنے کے مترادف ہو گا۔ ہم کشمیر میں دو قومی نظریے کے خلاف کام کر رہے ہیں اور کشمیریوں نے اس نظریے کو مسترد کر کے ہی ہندوستان کے ساتھ رشتہ جوڑنے کو ترجیح دی ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا

جن سنگھ کی ایجی ٹیشن سے مجھے زبردست دھکا لگا ہے اور میں پہلی بار کشمیر کے بارے میں خدشات محسوس کرتا ہوں۔

ہل والا جھنڈا لہرانے پر جموں کا احتجاج

۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء کو جموں کے گاندھی میموریل کالج میں وزیرِ اعظم شیخ محمد عبداللہ کو طلباء سے خطاب کرنا تھا۔ اس موقعہ پر یونین کے ترنگے جھنڈے کے ساتھ ہی نیشنل کانفرنس کا ہل والا جھنڈا لہرایا گیا۔ کالج کے کچھ طلباء نے یونین فلیگ کے ساتھ نیشنل کانفرنس کے جھنڈے کو لہرانے کے خلاف احتجاج کیا۔ کچھ طلباء کو اس کارروائی پر کالج سے نکال دیا گیا۔ طلباء پر اس کارروائی کا زبردست ردِ عمل ہوا چنانچہ انہوں نے ستیہ گرہ شروع کیا۔ دس طلباء کو گرفتار کر کے جموں سنٹرل جیل میں حراست میں رکھ دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد طلباء کے بڑے بڑے احتجاجی جلوس نکلنے شروع ہو گئے۔ طلباء کا ایک جلوس ۸ فروری کو جموں سیکرٹریٹ کی طرف بڑھا جہاں اس نے توڑ پھوڑ کر کے سیکرٹریٹ کا کافی ریکارڈ تباہ کر دیا۔ پولیس فوراً حرکت میں آ گئی۔ صورتِ حال پر قابو حاصل کرنے کے لئے کرفیو نافذ کیا گیا۔ حکومت نے کچھ روز بعد طلباء کو رہا کر دیا لیکن پرجا پریشد کے لیڈروں جن میں پریم ناتھ ڈوگرہ بھی شامل تھے کو گرفتار کر لیا گیا۔

پرجا پریشد کے ایجی ٹیشن کی ملک کے دوسرے حصوں میں بھرپور حمایت کی گئی۔ جن سنگھ تو اس ایجی ٹیشن کے ساتھ ابتداء ہی سے ہمدردی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اب دوسری ہندو تنظیموں ہندو مہاسبھا وغیرہ نے بھی اس ایجی ٹیشن کی حمایت کر کے جموں کے ڈوگروں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ ہندوستان کا پریس بھی پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن کی حمایت میں کھڑا ہوگیا۔ اخبارات شیخ صاحب اور ان کی حکومت کے خلاف زوردار طریقے پر لکھنے لگے۔ ریاست کے اندر اور ریاست سے باہر تمام رجعت پسند اور فرقہ پرست ایک ہوگئے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو اگرچہ فرقہ پرستی کے اس طوفان کا مقابلہ کر کے ریاستی سرکار کی پوری حمایت کر رہے تھے۔ لیکن وزارت داخلہ کا رویہ بالکل مختلف تھا۔

شبہات

جموں میں پرجا پریشد کے لیڈروں اور دوسرے لوگوں کو ایجی ٹیشن واپس لینے اور پرامن رہنے کے لئے ہندوستان کے لیڈروں اور خود پنڈت جواہر لعل نہرو کے آدمیوں نے جس انداز سے اور جن وعدوں پر منت و سماجت شروع کی۔ ان سے شیخ صاحب کو ہندوستانی لیڈروں کی نیت کے بارے میں شبہات پیدا ہونے لگے۔ پرجا پریشد کے لیڈروں کو وعدہ دیا جانے لگا کہ کشمیر کو جو خصوصی درجہ دیا گیا ہے اس کو وقت گذرنے کے ساتھ ختم کیا جائے گا۔

بی۔ این۔ ملک (آئی۔ جی۔ آفیسر) نے اپنی کتاب (مائی ایرس ود نہرو) میں اس بات کا اعتراف کیا ہے۔

"وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے مجھے ایک خاص مشن پر کشمیر روانہ کیا۔ میرا پہلا کام یہ تھا کہ میں ان مرکزوں میں جاؤں جہاں پریشد کی ایجی ٹیشن کا زور تھا۔ وہاں مجھے پرجا پریشد کے لیڈروں کو ایجی ٹیشن ختم کرنے کیلئے یہ بتانے کی ہدایت کی گئی تھی کہ کشمیر پہلے ہی ہندوستان کا ایک ناقابل تنسیخ حصہ بن گیا ہے اب مزید ادغام کی ضرورت نہیں۔ جموں و کشمیر کی آئین ساز اسمبلی اس اپوزیشن کو تسلیم کر رہی ہے۔ یہ معاملہ اب تک اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں زیر بحث ہے۔ اس لئے کچھ مزید برسوں کیلئے کشمیر کی اس پوزیشن کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔ یہ خصوصی پوزیشن بتدریج ختم ہوگی اور ریاست جموں و کشمیر بھی دوسری ریاستوں کی سطح پر آ جائے گی۔ ان حالات میں جموں کے ہندوؤں کیلئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنی ایجی ٹیشن ختم کریں اور ادغام کے فطری عمل میں ان کا ساتھ دیں۔"

ریاست کی اٹانومی ختم کرنے کے وعدے پر ایجی ٹیشن ختم کرنے کی اپیل پرجا پریشد سے کی گئی تھی اُسے کشمیر میں ایک شدید رد عمل ہوا۔ یہ اس

ردّ عمل کا ہی نتیجہ تھا کہ شیخ صاحب نے ۱۹۔ اپریل ۱۹۵۲ء کو رنبیر سنگھ پورہ میں ایک تقریر کی جس میں انہوں نے پہلی بار کچھ خدشات کا اظہار کیا۔ شیخ صاحب نے اپنی اس تقریر میں کہا:-

"کوئی بھی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہندوستان میں اب تک فرقہ وارانہ ذہنیت موجود ہے۔ کشمیر میں بہت سارے لوگ بجا طور پر یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر پنڈت نہرو کا کچھ ہوا تو ان کا اور اُن کی پوزیشن کا کیا ہوگا۔"

شیخ محمد عبداللہ کی اس تقریر کو ہندوستانی پریس نے بہت اُچھالا۔ پرجا پریشد کے لیڈر شیخ صاحب کی اس تقریر کی آڑ میں ان کے ارادوں کے بارے میں مصنوعی خدشات کا اظہار کرنے لگے۔ ہندوستان کے رجعت پسند اور فرقہ پرست ہندوستان کے اخبار پرجا پریشد کے کاز کی حمایت کرنے میں پیش پیش نظر آنے لگے۔ کانگریس کے ترجمان "ٹائمز آف انڈیا" نے انہی دنوں ایک اداریہ تحریر کیا جس میں اس نے لکھا:-

"آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت کشمیر اور ہندوستان کے درمیان جو بھی آئینی تعلقات ہوں۔ حکومتِ کشمیر کو کوئی فیصلہ کرتے ہوئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ ریاست ہندوستان کا ایک حصّہ ہے اور ایسے فیصلے کے باقی ملک پر مُرتب ہونے والے اثرات کا اندازہ کر کے ہی

ایسا قدم اُٹھانا چاہیئے۔"

اس کا یہ مطلب تھا کہ حکومتِ کشمیر کو کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہندوستانی عوام کے ردّ عمل کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر کسی فیصلے کو ہندوستانی عوام پسند نہ کریں یا ایسے فیصلے سے ہندوستانی عوام میں کوئی غصّہ یا ناراضگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسا فیصلہ نہیں کیا جانا چاہیئے۔

جولائی ۱۹۵۲ء میں پرجا پریشد کے لیڈروں نے صدرِ جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کو ایک یادداشت پیش کی۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستان کے آئین کو مکمل طور ریاستِ جموں وکشمیر پر لاگو کیا جائے۔

۱۹۵۲ء کے آخری ایام میں جن سنگھ کا ایک اجلاس کانپور میں منعقد ہوا۔ جس میں پارٹی کے صدر شری شیاما پرشاد مکرجی کو اختیار دیا گیا کہ وہ حکومتِ ہند سے رابطہ قائم کر کے پرجا پریشد جموں کی شکایات کا ازالہ کرائیں۔ ان کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ اگر حکومتِ ہند ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہو تو ہندوستان میں پرجا پریشد کے حق میں ستیہ گرہ منظم کیا جائے۔ اکالی دل کے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے بھی پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن کے ساتھ مکمل ہمدردی کا اظہار کیا۔

بخشی صاحب اور ڈی پی دھر صاحب کا کردار

ادھر کشمیر میں انٹلی جنس ڈیپارٹمنٹ کام کر رہا تھا۔ بی۔ این۔ ملک جو

(ان کی کتاب کے مطابق) وزیر اعظم شری جواہر لعل نہرو کی طرف سے پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن ختم کرانے کی غرض سے آتے تھے، ریاست کے وزیروں سے ملتے رہے۔ انہوں نے جب جموں میں پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن ختم کرنے کیلئے جموں میں کام کرنا شروع کیا۔ تو شری ڈی۔ پی۔ در اور بخشی غلام محمد نے ان کے رول پر اعتراض کیا اور کہا کہ ایک مرکزی سُراغرساں آفیسر کا کشمیر میں اس طرح ایجی ٹیشن ختم کرنے کی غرض سے آنا حکومتِ کشمیر پر عدمِ اعتماد کے برابر ہے۔ بی۔ این۔ ملک نے ان کو یقین دِلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ پھر بخشی اور در قائل ہو گئے اور وہ دونوں ان کے کام میں ان کی اعانت کرنے لگے۔

بی۔ این۔ ملک نے لکھا ہے۔ کہ جب میں نے پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن کو ختم کیا۔ تو بخشی غلام محمد اور ڈی۔ پی۔ در نے میری بہت تعریف کی اور کہا کہ تم نے ایک پیچیدہ کام کو بڑی مشاقی سے انجام دیا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کے پاس جب میں گیا تو وہ مجھے سرد مہری سے ملے۔ انہوں نے ڈوگرہ حکمرانوں اور پرجا پریشد کے لیڈروں کی سخت نکتہ چینی کی۔ اسی روز شام کو میں بخشی غلام محمد اور ڈی۔ پی۔ در سے ملا۔ اور میں نے ان کو بتایا کہ شیخ صاحب نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اور وہ کس طرح سرد مہری سے مجھ سے پیش آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میں شیخ صاحب کے متعلق اپنے تاثرات پنڈت جواہر لعل نہرو کو بتا دوں اور ان سے کہوں کہ شیخ صاحب کس طرح موجودہ پرجا پریشد ایجی ٹیشن کو بہانہ بنا کر اپنے ان

وعدوں سے پھر جانا چاہتے ہیں جو انہوں نے ہندوستان کے ساتھ کئے ہیں۔ جب میں اپنا مِشن پورا کر کے واپس نئی دہلی پہنچا تو میں نے ایک مکمل رپورٹ وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو کو پیش کی۔ پنڈت جی میرے کام سے بہت خوش ہوئے تاہم وہ شیخ صاحب کے رویہ سے مایوس ہو گئے اور انہوں نے مجھ سے کہا یہ سب کچھ شیخ صاحب کے فرقہ وارانہ پس منظر کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ شیخ صاحب نے سیاسی طور نیا باب کھولنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ دِل سے فرقہ واریت کو ختم نہیں کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر شیاما پرشاد کرجی نے جن سنگھ کے دیئے ہوئے اختیارات کے مطابق حکومت ہند سے رالبط قائم کیا اور کہا کہ حکومت ہند کشمیر کے وزیر اعظم کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ پرجا پریشد کی شکایات کا ازالہ کریں۔ ان کی بات چیت ناکام ہوگئی۔ مذاکرات فیل ہوتے ہی جن سنگھ، ہندو مہاسبھا اور رام راجیہ پریشد نے نئی دہلی میں پرجا پریشد کے مطالبات کے حق میں مشترکہ طور ستیہ گرہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ تین ماہ تک ان تین ہندو تنظیموں کے حامی دہلی کے مختلف علاقوں میں جلوس نکالتے اور مظاہرے کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو گرفتاری کیلئے پیش کرنا بھی شروع کیا۔

شیخ صاحب اور پنڈت نہرو میں غلط فہمیوں کا آغاز

پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن شروع کرنے اور اس کو ختم کرنے کے طریقوں سے شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے۔ اس ایجی ٹیشن کی وجہ سے شیخ محمد عبداللہ، پنڈت جواہر لال نہرو کے متعلق غلط فہمی کا شکار بنایا گیا۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے مختلف طریقوں سے شیخ محمد عبداللہ کو نئی دہلی آنے کی دعوت دی لیکن شیخ صاحب کافی حد تک دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے دہلی جانا نامناسب بے فایدہ سمجھا۔ جب کشمیر کے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نئی دہلی جانے کے لئے تیار نہ ہوئے تو پنڈت جواہر لعل نہرو خود کشمیر آئے۔ یہ مئی ۱۹۵۳ء تھا۔ انہی دنوں نیشنل کانفرنس کا اجلاس ہو رہا تھا۔ جس میں بنیادی اصولوں پر بحث ہو رہی تھی۔ دونوں لیڈروں کے درمیان بات چیت ہوئی۔ پنڈت نہرو نے نیشنل کانفرنس کے ان تمام لیڈروں کو جو اجلاس میں شرکت کرنے کی غرض سے آئے تھے اپنی رہایش گاہ پر بلایا۔ شیخ صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ پنڈت جی نے داخلی اور خارجی واقعات کی روشنی میں کشمیر کے معاملہ کو پیش کیا۔ انہوں نے ہندوستان میں کشمیر کی پوزیشن کے متعلق بھی اپنے خیالات ظاہر کئے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ سے جو بات چیت کی۔ وہ مفید ثابت نہ ہوئی۔ چنانچہ پنڈت جی مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد پنڈت جواہر لعل نہرو نے مولانا ابوالکلام آزاد کو شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت

کرنے کی غرض سے سری نگر روانہ کیا۔ مولانا صاحب نے شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت کی لیکن یہ بات چیت سود مند ثابت نہ ہو سکی۔ شیخ صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ بات چیت میں کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ مولانا آزاد بھی مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔

شیاما پرشاد مکرجی کشمیر میں نظر بند

شیاما پرشاد مکرجی نے پرجا پریشد کے حق میں شروع کی گئی ایجی ٹیشن کو ایک نئی اور خطرناک صورت دینے کے لئے کشمیر میں داخل ہونے کا اعلان کیا۔ کشمیر میں پاسپورٹ کے بغیر داخل ہونا جرم تھا۔ شیاما پرشاد نے قانون توڑ دیا۔ اور وہ ریاست کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ریاستی حکام نے ان کو گرفتار کر لیا۔ انہیں چشمہ شاہی میں نظر بند کیا گیا۔ ابھی انہیں نظر بند کئے ہوئے ایک ماہ ہو گیا تھا کہ ۲۳ر جون ۱۹۵۳ء کو وہ جیل میں ہی انتقال کر گئے۔ مکرجی کے انتقال کی خبر سے سارے ہندوستان میں سنسنی پھیل گئی۔ ان کی بیماری کی رپورٹ اخباروں میں چھپ گئی تھی اور حکومت کی طرف سے کہا گیا تھا کہ مکرجی کا موثر علاج کیا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی مختلف جماعتوں نے ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کے انتقال کی تحقیقات کیلئے ایک انکوائری کمیشن قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ جن سنگھ، ہندو مہاسبھا اور رام راجیہ پریشد نے الزام لگایا کہ شری مکرجی کو

جان بوجھ کر مارا گیا ہے۔ وزیراعظم شری جواہر لال نہرو نے اس واقعہ کے بعد پریشد کے لیڈروں کے تئیں رویہ بدل دیا جس کے باعث پریشد نے اپنی ایجی ٹیشن ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۷ جولائی ۱۹۵۳ء کو نئی دہلی اور جموں میں ایجی ٹیشن ختم کی گئی۔

ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کے انتقال کے وقت پنڈت جواہر لعل نہرو لندن میں تھے۔ مغربی بنگال کے وزیراعظم ڈاکٹر بی۔ سی۔ رائے نے شری مکرجی کی موت پر زبردست احتجاج کیا۔ انہوں نے حکومت ہند کو ایک تار ارسال کیا جس میں سخت الفاظ میں شیخ صاحب کی نکتہ چینی کی گئی تھی۔ جب شیخ صاحب کو ڈاکٹر رائے کی تار بھیجی گئی تو انہوں نے کہا۔ مکرجی جن سنگھ کے لیڈر ہیں۔ جو پرجا پریشد جموں کی حمایت کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر مکرجی نے ریاستی قانون کو توڑ دیا تھا۔ اور وہ کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ مکمل ادغام کا مطالبہ کر رہے تھے جس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن سے شیخ محمد عبداللہ کئی قسم کے خدشات میں مبتلا ہو گئے۔ ہندوستان میں اس ایجی ٹیشن کی حمایت میں فرقہ پرستوں نے جو مظاہرے کئے اور ریاست کی خصوصی پوزیشن کو ختم کرنے پر جتنا زور ڈالنا شروع کیا اسے ان خدشات کو بڑھاوا مل گیا۔ ادھر نیشنل کانفرنس کے کئی سرکردہ ارکان میں نئے رجحانات پیدا ہونے لگے۔ بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق

ڈی۔ پی۔ در، مولانا مسعودی۔ گردھاری لال ڈوگرہ اور شیام لعل صراف نے الگ علیحدہ گروپ بنانا شروع کیا تھا۔ مرزا افضل بیگ، محمد شفیع اور دوسرے لوگ دوسرے انداز سے سوچنے لگے تھے۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ میں انتشاری کیفیت کے باوجود اختلافات سطح کے نیچے ہی تھے۔ شیخ صاحب کا رویہ روز بروز سخت ہوتا جا رہا تھا۔ مرکزی حکومت خصوصی طور پنڈت جواہر لعل نہرو شیخ صاحب کے رویہ سے کچھ پریشان تھے۔ وہ اب تک صلح و صفائی کی کوششوں میں مصروف تھے۔ شیخ صاحب کی کابینہ کے رکن شری۔ ڈی۔ پی۔ در مرکزی حکومت میں قابل اعتماد سمجھے جانے لگے تھے۔ وزارت داخلہ کے ساتھ ان کے روابط قائم تھے۔ وہ اپنی جانب سے مرکز کو ریاست کے حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ مرکزی حکومت کو آئی۔ بی کے علاوہ اطلاعات حاصل کرنے کا جو ذریعہ تھا وہ ڈی۔ پی۔ در تھا۔ انٹلی جنس آفیسر بی۔ این۔ ملک نے اس کا اظہار اپنی کتاب میں کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے

"میں نے ریاست کے حالات سے متعلق ایک رپورٹ تیار کی میں وزیراعظم شری جواہر لال نہرو کے پاس رپورٹ لے کر گیا۔ شری۔ در بھی اسی اثناء میں نئی دہلی پہنچے۔ انہوں نے کشمیر کی سنگین صورتحال سے شری رفیع احمد قدوائی کو آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا۔ شیخ صاحب کس طرح نیشنل کانفرنس میں ان لیڈروں کو ختم کرنا چاہتے ہیں جو ان کے

"ساتھ اتفاق نہیں رکھتے۔"

رفیع احمد قدوائی نے اس سے قبل شیخ صاحب کو ایک چٹھی لکھی جس میں انہوں نے سری نگر آ کر ان کے ساتھ بات چیت کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ شیخ صاحب نے انہیں لکھا تھا کہ ان کا دورہ با مقصد ثابت نہیں ہوگا۔ قدوائی صاحب نے اس جواب کے بعد شیخ صاحب کے ساتھ ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا اور ان سے کہا کہ وہ کشمیر کی صورت حال پر ان کے ساتھ مفید بات چیت کرنا چاہتے ہیں لیکن شیخ صاحب نے پھر کہا کہ ان کی بات چیت بے مقصد ثابت ہوگی۔ اس لئے وہ سری نگر آنے کی تکلیف گوارہ نہ کریں۔

نئی دہلی میں شری رفیع احمد قدوائی اور شری درگا پرشاد در نے ریاست کے حالات پر غور کیا۔ اس کے بعد دونوں نے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کے ساتھ ملاقات کی۔ دونوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے کہا کہ ریاست میں سیاسی حالات بہت خراب ہوگئے ہیں اس لئے سخت کارروائی کرنے کی ضرورت ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے ان سے کہا کہ شیخ صاحب نے نہ صرف دہلی آنے سے انکار کیا ہے بلکہ ایک چٹھی بھی ارسال کی ہے۔ جس میں شیخ صاحب نے لکھا ہے:۔

"آپ کے ساتھ دوستی کے تعلقات کے باوجود اب ایک ایسا وقت آگیا ہے جب ذاتی اور دوستی کے تعلقات کو ملک کے مفادات کیلئے قربان کیا جانا چاہیئے۔"

ملاقات

۱۹۵۲ء کے ابتداء میں غلام محی الدین قرہ اور میر واعظ غلام نبی ہمدانی نے پولیٹکل کانفرنس کی بنیاد ڈالدی۔ سری نگر میں مسٹر قرہ نے ایک پبلک جلسہ منعقد کیا جس میں ایک بیان پڑھ کر سنایا گیا۔ بیان میں ہندوستان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ریاست سے اپنی فوجیں ہٹالے تاکہ الحاق کا مسئلہ طے کرنے کیلئے رائے شماری کی جائے۔ اس جلسہ میں حکومت کی سخت نکتہ چینی کی گئی۔ لوگوں نے پاکستان زندہ باد کے نعرے بلند کیئے۔ ۲۷ جون ۱۹۵۳ء کو پولیٹیکل کانفرنس کے لیڈروں جن میں غلام محی الدین قرہ۔ میر واعظ ہمدانی، عبدالطیف اور رگھوناتھ وشنوی شامل تھے کو گرفتار کرلیا گیا۔

غلام محی الدین قرہ کے نیشنل کانفرنس سے الگ ہونے کے ساتھ ہی پارٹی کے سرکردہ ارکان میں اختلافات پیدا ہونے لگے۔ شیخ صاحب اور ان کے ساتھی بدلے ہوئے حالات کی وجہ سے کئی قسم کے شبہات میں مبتلا تھے۔ وہ ریاست کے مستقبل کو ہر لحاظ سے محفوظ بنانے کی تدابیر پر غور کر رہے تھے۔ ان کی سوچ صرف اسی بنیادی مسئلے کی طرف مرکوز تھی، وہ انتظامیہ کے معاملات میں کم دلچسپی لے رہے تھے۔ شیخ صاحب کے ذہن پر صرف ریاست کے سیاسی مسائل سوار تھے۔ وہ سیاسی مسائل پر ہی سوچتے رہتے تھے۔ بخشی غلام محمد ہی انتظامیہ کے امور

کو تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر آپ یہ سمجھ لیں کہ عبداللہ بنی نوع انسان کے بھائی چارے کیلئے لڑ رہا ہے تو آپ کو ان کی مدد کرنا چاہیئے۔ اگر اس معاملہ میں آپ ملا بھی جائیں تو یہ بار ایک سچے کاز کیلئے ہوگی۔ کوئی بھی شخص پیش گوئی نہیں کر سکتا کہ کشمیر کا مستقبل کیا ہوگا۔ اس معاملہ میں صرف لوگوں کے اتحاد اور ان کے استقلال کی ضرورت ہے۔ اسی سے وہ پاکستان کے رجعت پسند قوتوں پر فتح حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر جموں کے لوگ صرف اپنی حفاظت کیلئے ہی سوچیں تو اس جدوجہد کو کس طرح آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔"

شیخ صاحب نے اپنی اس تقریر میں بتا دیا تھا کہ جب تک ہندوستان کے فرقہ پرست جموں کی پرجا پریشد جیسی تنظیم کی حمایت کرتے رہیں گے۔ کشمیر کے مسلمانوں میں ہندوستان کے بارے میں شکوک پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور وہ نظریاتی طور ان کو اپنے ساتھ ہم آہنگ نہیں کر سکیں گے۔

شیخ صاحب کی اس صاف گوئی کو ہندوستان میں اس کے بدلتے ہوئے رویہ سے تعبیر کیا گیا۔ ہندوستان میں جان بوجھ کر غلط فہمی کی ایک فضا پیدا کی جانے لگی۔ اخبار شیخ صاحب کے بیانات کی حقیقی سپرٹ کو سمجھنے کے بجائے ان پر اپنی پسند کے حاشیئے چڑھانے لگے۔ جموں کی پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن اور ان کی حمایت میں جن سنگھیوں کی تحریک کا کشمیر کے مسلمانوں پر کوئی خوشگوار اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ کشمیر میں ان واقعات سے ہندوستان کے تئیں بدگمانیاں

بھی سب سے زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔ انتظامی امور سے دلچسپی کے باعث ان کا سیاسی نظریہ بدلنے لگا تھا۔ وہ اور حکومت میں کام کرنے والے دوسرے وزیر اپنے حقیقی مقصد سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ ان وزیروں پر آہستہ آہستہ خارجی اثرات بُری طرح غالب آ رہے تھے۔ ان کی سوچ میں تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں ان پر منفی اثرات غالب آنے شروع ہو گئے تھے۔ یہ وزیر عہدوں کی چمک دمک میں کھونے لگے تھے۔ شیخ صاحب ان تمام باتوں سے بے نیاز کشمیر کے مسئلے کی پیچیدگیوں اور ان کے حل میں مصروف تھے۔ وہ قومی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر کشمیر کی آئینی اور سیاسی گتھیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ کشمیر کی خصوصی پوزیشن کو بنائے رکھنے اور عالمی سطح پر اس مسئلے کے حل میں پیش آمدہ مشکلات کو دور کرنے کے لئے وہ برابر کام کر رہے تھے۔ شیخ صاحب کا انداز فکر ان کے ساتھیوں سے مختلف تھا نیشنل کانفرنس کی ساری لیڈرشپ ذہنی طور پامال دکھائی دینے لگی تھی۔ پارٹی میں وحدتِ فکر اور وحدت عمل مفقود ہو رہا تھا۔ شیخ صاحب کے خیالات کس قسم کے تھے اور وہ کس انداز سے ریاست کے معاملات پر سوچتے تھے اُس کا اظہار انہوں نے ۲۰ جنوری ۱۹۵۳ء کو مدراس کی تقریب میں کیا۔ شیخ صاحب سے پوچھا گیا تھا کہ اگر اقوام متحدہ کی نگرانی میں کشمیر میں رائے شماری کی گئی تو کیا کشمیر کے لوگ ہندوستان کے حق میں اپنا ووٹ دیں گے۔ شیخ صاحب نے جواب دیا — میں اس بات میں یقین رکھتا ہوں کہ کشمیر کے معاملے میں ہمیں سچائی اور انصاف

پیدا ہو رہی تھیں۔ اور اس کا شدید ردِ عمل ہو رہا تھا۔ شیخ صاحب کشمیر کی خصوصی
پوزیشن کو مضبوط اور مستقل بنانے کے لئے کام کر رہے تھے۔ بی۔ این۔ ملک نے
انہی ایام میں اس حقیقت کا اظہار کیا کہ یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا کہ شیخ محمد
عبداللہ ریاست کو پاکستان کا حصہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ صرف
کشمیر کی خصوصی پوزیشن کیلئے کوششیں کر رہے تھے۔

مسلمانوں کی بھرتی کا معاملہ

ایک طرف باہر کے لوگ اور دوسری طرف خود نیشنل کانفرنس کے کچھ
لیڈر یہ تاثر دینے کی کوشش کرنے لگے کہ شیخ صاحب کے عزائم کچھ اور ہیں۔ ۱۴
جولائی ۱۹۵۳ء کو شیخ صاحب نے نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کی ایک میٹنگ میں
کہا۔ مرکز کے تین محکموں جن کو مرکز کے سپرد کیا گیا ہے۔ میں مسلمانوں کی بھرتی میں
امتیاز برتا جا رہا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کے وقت
سٹیٹ فورسز کے ایڈمنسٹریٹو کمانڈ اور آپریشنل کمانڈ میں ریاست کے کتنے
مسلمان کام کرتے تھے۔ چھ سال کے دوران کتنے مسلمان اور ہندو بھرتی کئے گئے۔
شیخ صاحب نے پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف ڈیپارٹمنٹ کے بارے میں بھی پوچھا۔
انہوں نے کہا۔ میں نے یہاں کے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ ان کا مستقبل ہندوستان
میں محفوظ ہے۔ تعلیم یافتہ مسلمان پاکستان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ کیونکہ ریاست

کے ہندوؤں کو ملک کے باقی حصوں میں روزگار اور ملازمت کے دروازے
کھلے ہیں۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں سرکاری عہدوں پر لینے سے انکار کیا
جا رہا ہے۔ شیخ صاحب نے کہا۔ جب میں مسلمانوں کی ان تکالیف اور مشکلات
کو بیان کرتا ہوں تو مجھے فرقہ پرست کہا جاتا ہے۔

۲۶ جولائی ۱۹۵۳ء کو بھی شیخ صاحب نے نیشنل کانفرنس کے ورکروں
سے اسی موضوع پر خطاب کیا۔ انہوں نے کہا:۔

"ہم ہر کسی کے لئے انصاف چاہتے ہیں۔ کشمیر کے مسلمانوں نے
پاکستان سے کیوں مقابلہ کیا؟ اس لئے کہ انہیں یقین تھا کہ
ہندوستان میں ان کے مفادات محفوظ ہیں اور ان کے ساتھ انصاف
کیا جائے گا۔ اگر اس یقین اور اعتماد کو جان بوجھ کر ختم کرنے
کی کوشش کی جائے گی۔ تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں سمجھتا
ہوں کہ کشمیر اور ہندوستان کے تعلقات کی عمارت کمزور بنیاد پر
کھڑی نہیں کی جا سکتی۔ جب میں ایسی کوئی بات کہتا ہوں تو
اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ میرا جھکاؤ پاکستان کی طرف ہے۔
میں پھر کہنا چاہتا ہوں کہ پاکستان طاقت کے بل بوتے پر
کشمیریوں کو غلام بنانا چاہتا تھا۔ کشمیر نے ہندوستان کے ساتھ
تعلقات قائم کرنے کو اس لئے ترجیح دی کیونکہ ہمارے آدرش

اور اصول ایک کے ساتھ منسلک تھے۔ اسی لئے ہم نے ا

ہم نے ہندوستان کے ساتھ مستقل قایم کرنے کے لئے ایک جذ

مجھ پر الزام لگایا جا رہا ہے کہ میں اپنے وعدے سے پھر گیا ہوں

نے اپنی پوزیشن سے انحراف کرنا شروع کیا ہے۔ میں یہ کہوں گا

گذشتہ سال کے فرقہ وارانہ واقعات نے ہمارے تعلقات کی بنیاد

ہلا دیا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہم پر عاید نہیں ہوتی بلکہ ان لوگوں پر

عاید ہو رہی ہے جو ہندوستان کے ساتھ زور زبردستی سے کشمیر کا

انضمام چاہتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہماری طرف سے کبھی

نے بھی دستاویز الحاق کے خلاف ایک بات بھی نہیں کہی ہے —

ہندوستان اور کشمیر کے تعلقات پر اگر کسی جانب سے اعتراضات

ہو رہے ہیں تو وہ ہندوستان کے کچھ طبقے ہیں۔ نیشنل کانفرنس

نے کشمیر کے لوگوں میں دستاویز الحاق اور دہلی اگریمنٹ پر جو اعتماد

پیدا کیا تھا جن سنگھ، پرجا پریشد اور دوسری فرقہ پرست جماعتوں

نے اس اعتماد کو زبردست نقصان پہنچایا ہے —"

سازشوں کا آغاز

شیخ صاحب نے کشمیر اور ہندوستان کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ک

غلام محی الدین ہمدانی اور مبارک شاہ

...اصر کی ریشہ دوانیوں کے بارے میں جو

...ریاست کے وزیر ال... مرزا افضل بیگ

...اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا۔

...بخشی غلام محمد اور اس کے دوسرے ساتھیوں۔

...اس نے کشمیر اور ہندوستان کے تعلقات بگاڑنے کی سا

...شروع کیا تھا۔[1] وہ اس ضمن میں فرضی سازشوں اور فتنوں کو

۱۹ جولائی ۱۹۵۳ء کو پرجا پریشد کے لیڈر شری پریم ناتھ ڈوگرہ

...پریس کانفرنس میں کہا۔ بخشی غلام محمد نے پرجا پریشد کو یقین دلایا ہے

۱۹۵۴ء سے پہلے ان تمام رکاوٹوں کو دور کیا جائے گا۔ جو کشمیر اور ہندو

کے درمیان مکمل ادغام کی راہ میں حایل ہیں۔

بخشی غلام محمد نئی دہلی میں پرجا پریشد کے لیڈروں کے ساتھ ملتے رہے۔ کہا

جاتا ہے ان میٹنگوں میں شیخ صاحب کی حکومت کا تختہ الٹانے کے منصوبوں

پر غور کیا جاتا رہا۔[2] شیخ صاحب کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہنے

کے باوجود بخشی غلام محمد، شیخ محمد عبداللہ کی قیادت پر اپنے یقین و اعتماد کا اظہار

کرتے رہے۔ شیخ صاحب کی لیڈر شپ پر اپنے اعتماد کا ثبوت دینے کے لئے بخشی

۱۔ سٹرگل فار فریڈم آف کشمیر صفحہ ۶۶۸

۲۔ " " " " " از پریم ناتھ بزاز۔

غلام محمد نے کہنا شروع کیا۔ شیخ صاحب ان کے چھٹے جزو ایمان ہیں۔

ریاست میں سیاسی سطح پر انتشار پیدا ہونے سے جو پیچیدہ اور تکلیف دہ صورت حال پیدا ہو گئی تھی اُس کو ختم کرنے کیلئے شیخ صاحب نے نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل کا اجلاس طلب کرنا چاہا۔ انہوں نے ۲۴ اور ۲۵۔اگست ۱۹۵۳ء کو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا۔ اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ آنے والی عید کے روز وہ قوم کے سامنے اپنے آئندہ پروگرام کا خاکہ پیش کریں گے۔

کشمیر میں حالات روز بروز خراب ہو رہے تھے۔ سیاسی فضا شکوک سے بھری تھی۔ کشمکش تیز ہو رہی تھی۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ تذبذب کی حالت میں تھی۔ ایک نامعلوم خطرہ ہر طرف محسوس کیا جا رہا تھا۔ ہر شخص اندازہ کر رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ اگست ۱۹۵۳ء کے اُن ابتدائی ایام میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیل خود شیخ صاحب نے مجاہد منزل میں ۹ راگست ۱۹۷۲ء یعنی اس واقعہ کے انیس ۱۹ سال بعد پیش کی۔ انہوں نے ۹ اگست منانے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا:۔

۱۹۴۷ء میں جب ہم نے ہندوستان کے ساتھ تین معاملات، ۱۔ دفاع ۔۲۔ رسل و رسایل۔ ۳۔ اور امورات خارجہ پر الحاق کیا۔ تو ہم اُمید کرتے تھے کہ ہندوستان اپنے بلند اصولوں اور آدرشوں پر قایم رہے گا۔ ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہی کشمیر

کے بارے میں ہندوستان کی نیت بدل گئی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہندوستان ہمارے ساتھ دغا کرنے والا ہے۔ ہم کچھ اندرونی مصلحتوں کے باعث اندرونی کشمکش کو ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ ۹ اگست ۱۹۵۳ء سے پہلے ہی مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ بخشی غلام محمد اور اس کے کچھ ساتھی مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ میں اس بات سے بے خبر نہیں تھا۔ میں نے یہ حالت دیکھ کر مجاہد منزل میں اپنے ساتھیوں کی ایک میٹنگ طلب کی۔ اس میٹنگ میں بخشی غلام محمد۔ مرزا محمد افضل بیگ، غلام محمد صادق اور مولانا مسعودی شامل تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر میں آپ کے عزایم میں حایل ہو رہا ہوں تو میں حکومت چھوڑنے کیلئے تیار ہوں۔ لیکن آپ کو حکومت سنبھال کر متحد ہو کر کام کرنا چاہیئے۔ میں نے اُن سے کہا میں حکومت ہی نہیں بلکہ کشمیر چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ اس وقت بخشی غلام محمد نے کہا کہ وہ میرے وفادار ساتھی ہیں۔ اس نے قسمیں اُٹھائیں۔ بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق ہندوستان کے ایجنٹ بن گئے۔ انہوں نے دولت اور اقتدار کیلئے قوم سے غداری کی۔"

شیخ صاحب کے بیانات کی اُلٹی تاویلیں

نئی دہلی کشمیر کی صورت حال سے ایک زبردست تشویش میں مبتلا ہوگئی تھی۔ شیخ صاحب کے عزایم اور ارادوں کے بارے میں مختلف ذرایع سے نئی دہلی کو اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔ شیخ صاحب کشمیری عوام کے حقوق اور مفادات کا تحفظ کرنے کے لئے جو بھی بات کرتے تھے اس کی اُلٹی تاویلیں کی جاتی تھی۔ شیخ صاحب کو ہندوستان کا دُشمن ظاہر کر کے پیش کیا جا رہا تھا۔ فضا زہریلی بن گئی تھی ہر طرف مفاد پرست گروہ کام کرتے تھے۔ یہ سب بدگمانیوں اور بداعتمادیوں کو ہوا دے رہے تھے۔ شیخ صاحب کشمیریوں کے حقوق سے متعلق جو بھی بات کرتے تھے اس میں ہندوستان دُشمنی کا پہلو تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ ہندوستان کے اخبار اس کام میں پیش پیش تھے۔ جولائی ۱۹۵۳ء میں ہندوستانی پریس میں شیخ محمد عبداللہ کے خلاف پروپیگنڈا بہت اونچائی پر تھا۔ اخبار شیخ صاحب کی ہندوستان دُشمنی کی خیالی اور فرضی کہانیاں شایع کر رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں کئی حلقے بخشی غلام محمد کو ایک قوم پرست لیڈر کے طور اُبھارنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

پنڈت نہرو شیخ صاحب کے خلاف اس مخالفانہ پروپیگنڈے کے اثر میں آگئے اور وہ بھی اپنی زبردست مزاحمت کے باوجود ان عناصر کے سامنے جھکنے پر

…ئے تو شیخ صاحب کو اپنے ارادوں کی تکمیل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ …تھے۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی جو آئین ساز اسمبلی نے تشکیل دی تھی اس عرصہ کے دوران کام کر رہی تھی۔ اب اسے ہندوستان سے کشمیر کے تعلقات کی نوعیت پر رپورٹ پیش کرنا تھی۔ جون ۱۹۵۳ء میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے تعلقات پر غور کیا۔ شیخ صاحب مکمل اندرونی خودمختاری کی بنیاد پر ہندوستان سے تعلقات قایم کرنے پر مُصر تھے۔ دوسرے لیڈروں کے خیالات مختلف تھے۔ مرکزی سرکار ریاست کی آئین ساز اسمبلی اور بنیادی اصولوں سے متعلق کمیٹیوں کی کارروائیوں کے بارے میں اپنے ذرایع ابلاغ سے اطلاعات وصول کر رہی تھی بی۔ این۔ ملک کے مطابق:-

"ہم وزیر اعظم کو ریاست میں ہونے والے موافق اور ناموافق تمام قسم کے حالات اور واقعات سے باخبر کرتے رہے۔ اس کے علاوہ اسمبلی اور بنیادی اصولوں سے متعلق کمیٹیوں میں ہو رہی کارروائیوں سے بھی ان کو باضابطہ طور مطلع کرتے رہے۔ اسمبلی میں جو بحث و مباحثہ ہو رہا تھا اس سے کچھ رجحانات نمایاں ہوتے دیکھے جا رہے تھے۔ بخشی غلام محمد، خواجہ غلام محمد صادق، ڈی پی در اور گردھاری لال ڈوگرہ جہاں اس بات کی سخت کوششیں

کر رہے تھے کہ ریاست اور مرکز کے درمیان کافی حد تک ادغام عمل میں لایا جاتے وہاں شیخ صاحب اور ان کے ساتھی صرف تین معاملات دفاع، رسل و رسایل اور امورات خارجہ تک اپنے تعلقات محدود رکھنا چاہتے تھے۔"

بنیادی اصولوں کی کمیٹی میں جو اختلافات نمایاں ہو گئے ان کا اثر اسمبلی کی کارروائیوں پر پڑ رہا تھا۔ نیشنل کانفرنس میں بھی ان سے انتشار پیدا ہو گیا۔ لیڈر شپ میں انتشار سے ریاست کی سیاسی صورت حال بگڑنے لگی۔ نئی دہلی اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان اب فاصلے بڑھنے لگے تھے۔ غلط فہمیاں اور شکوک یقین کی صورت اختیار کر رہے تھے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کے ارد گرد جو لوگ تھے وہ شیخ صاحب اور کشمیر کے بارے میں ایک خطرناک تصویر ابھار رہے تھے۔ اس انتشاری کیفیت میں مرکزی حکومت نے یوراج کرن سنگھ کو نئی دہلی طلب کیا جہاں ان کو آئندہ اقدام کے بارے میں ضروری ہدایات دی گئیں۔

شیخ صاحب کی معزولی اور گرفتاری

اگست ۱۹۵۳ء سے پہلے ہی کشمیر کے بارے میں ایک پلان بن چکا تھا۔ اور اب اس پلان پر عمل کرنے کا موقع تلاش کیا جا رہا تھا۔ شیخ صاحب نے آنے والی عید کو قوم کے سامنے اپنے آئندہ پروگرام کا خاکہ پیش کرنے کا جو اعلان کیا

تھا۔ اُسے ایک سگنل سمجھ لیا گیا۔ ۷ر اگست ۱۹۵۳ء کے روز کابینہ کے چار وزیروں بخشی غلام محمد، خواجہ غلام محمد صادق، گردھاری لعل ڈوگرہ اور شیام لال صراف نے شیخ صاحب کو ایک میمورنڈم ارسال کیا۔ میمورنڈم میں شیخ صاحب پر ان پالیسیوں سے انحراف کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔ جن پر حکومت قایم کی گئی تھی۔ اس سے قبل شیخ صاحب نے شری شیام لال صراف سے مستعفی ہونے کیلئے کہا تھا۔ شری صراف نے مستعفی ہونے سے انکار کیا اور شیخ صاحب کو ایک خط ارسال کیا جس میں انہوں نے اپنے وزارتی عہدے سے مستعفی نہ ہونے کی وجوہات بیان کیں۔ اس واقعہ کے بعد حالات کس طرح بدل گئے اور کس قسم کی کارروائیاں شروع کی گئیں۔ اس کی تفصیل بی۔ این۔ ملک نے اپنی کتاب میں اس طرح بیان کی ہے۔

> ۶ر اگست ۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ نے شری شیام لعل صراف سے مستعفی ہونے کیلئے کہا۔ صراف صاحب نے مستعفی ہونے سے انکار کیا۔ شیخ صاحب کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ شیام لعل صراف کو برطرف کریں۔ اس غرض سے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کو صدر ریاست یوراج کرن سنگھ کے پاس جانے کی ضرورت تھی۔ بخشی غلام محمد۔ خواجہ صادق۔ ڈی۔ پی۔ در اور گردھاری لعل ڈوگرہ شیام لعل صراف کی حمایت کیلئے کھڑے تھے۔ مولانا محمد سعید مسعودی جنرل سیکرٹری نیشنل کانفرنس نے بھی شیخ صاحب کے رویہ کی مخالفت

کی۔ کابینہ، اسمبلی اور نیشنل کانفرنس میں اپنی حمایت کھونے کے بعد شیخ صاحب کے پاس اب صرف یہی ایک متبادل تھا۔ کہ وہ صدرِ ریاست کو معزول کریں اور خود اپنے ہاتھ میں تمام اختیارات لیں۔ شام کو صدرِ ریاست نے شیخ صاحب کے معزولی کے آرڈر جاری کئے اور بخشی غلام محمد کو وزیرِ اعظم کی حیثیت سے عہدہ سنبھالنے کی دعوت دی۔ اسی روز رات کے ۱۱ بجے جب پنڈت نہرو اور رفیع احمد قدوائی حیدرآباد ہاؤس کی ایک تقریب میں شامل تھے مجھے اے۔ پی۔ جین سے فون آیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ میں وزیرِ اعظم سے رابطہ قایم کرکے انہیں بتادوں کہ وہ اپنی قیام گاہ پر آئیں کیونکہ ان کو وہ ایک اہم اطلاع دینا چاہتے ہیں۔ مسٹر جین نے اس بات کی تصدیق کی کہ شیخ صاحب ٹنگمرگ روانہ ہوگئے ہیں اور شاید وہ اپنے منصوبے پر عمل کریں گے میں فوراً حیدرآباد ہاؤس روانہ ہوگیا۔ وہاں میں نے پنڈت نہرو تک یہ اطلاع پہنچادی۔ انہوں نے رفیع احمد قدوائی کو میرے ہمراہ روانہ کیا اور خود اس مقصد سے پیچھے رہ گئے تاکہ ہماری اس طرح اچانک واپسی پر غیر ضروری قیاس آرائیاں نہ کی جائیں۔ قدوائی صاحب نے مجھے بتایا کہ میں فوراً ہی سری نگر میں شری مہرہ کے ساتھ رابطہ قایم کروں۔ شری مہرہ سے رابطہ قائم کرکے مجھے معلوم ہوا کہ بخشی غلام محمد اپنے نئے

عہدے کو سنبھالنے میں پس و پیش کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جب تک انہیں اس بات کی تصدیق نہ ہوگی کہ شیخ محمد عبداللہ گرفتار کرلئے گئے ہیں وہ عہدہ نہیں سنبھالیں گے۔ پنڈت جواہر لعل بھی تھوڑی دیر بعد آگئے۔ شری جواہر لعل نہرو، قدوائی، میں اور او۔ ایم متھائی خاموشی سے کوئی نئی اطلاع سننے کے منتظر رہے۔ دو طرف سے اطلاعات وصول ہو رہی تھیں۔ ایک طرف میں مہرہ سے اطلاعات حاصل کر رہا تھا اور دوسری طرف قدوائی صاحب مسٹر اے۔ کے۔ جین سے اطلاعات وصول کر رہے تھے۔ مہرہ اور جین دونو سری نگر میں تھے۔ مسٹر قدوائی نے اے۔ پی۔ جین سے کہا کہ وہ بخشی غلام محمد کے ساتھ رابطہ قائم رکھیں۔ میں نے یہی آرڈر مسٹر مہرہ تک پہنچادیا۔ نصف رات کو صدرِ ریاست نے شیخ صاحب کی گرفتاری کے احکام صادر کئے۔ پنڈت نہرو اور مسٹر قدوائی اس بات سے پریشان تھے کہ شیخ صاحب کی برطرفی کے احکامات صادر ہونے کے بعد بھی بخشی غلام محمد نے اپنا نیا عہدہ سنبھالا نہیں تھا اور اب تک صدرِ ریاست ہی نظم و نسق کے انچارج تھے۔ انہوں نے کہا اسے آخرکار یہی تاثر مل سکتا ہے کہ ہندوستان نے ریاست پر پھر ڈوگرہ راج مسلط کردیا۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ بخشی غلام محمد

کے نئے وزیراعظم بننے کا اعلان فوری طور کیا جانا چاہیے۔ میں نے مسٹر نہرو تک یہ اطلاع پہنچائی اور وہ ساری رات بخشی غلام محمد کے ساتھ نئی صورتحال پر بات چیت کرتے رہے۔ چار بجے صبح جب بخشی غلام محمد کو یقین ہو گیا کہ شیخ صاحب کو گرفتار کرنے کیلئے ایک پارٹی ٹنگمرگ روانہ ہو گئی ہے۔ وہ راج بھون روانہ ہو گئے۔ جہاں انہیں ریاست کے نئے وزیراعظم کی حیثیت سے حلف اٹھانا تھا۔ آئی۔ جی۔ پی نہرو نے ساڑھے چار بجے صبح اپنی رپورٹ دی۔ انہوں نے کہا کہ ڈی۔ آئی۔ جی پولیس مسٹر ایں۔ ڈی نتھا کو رکو پولیس اور ملیشیا کی ایک پارٹی کے ساتھ ٹنگمرگ روانہ کیا گیا جہاں وہ شیخ محمد عبداللہ کو حراست میں لیں۔ شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور بعد میں انہیں پولیس کی حراست میں اودھمپور پہنچایا گیا۔ مرزا افضل بیگ اور صوفی محمد اکبر کو اسی روز گرفتار کر لیا گیا۔ جب کشمیر میں گڑبڑ ہو رہی تھی۔ وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے مجھے کشمیر جانے کی ہدایت کی۔"

"ہوم منسٹری کیلئے شیخ صاحب کی گرفتاری اس کہانی کا اختتام نہیں تھا۔"

یہ اظہار وائی۔ ڈی۔ گنڈیوا نے اپنی کتاب ٹیسٹمنٹ آف شیخ محمد عبداللہ میں

ہے۔ انہوں نے لکھا ہے۔ یہ محض ایک باب کا اختتام اور دوسرے کا آغاز تھا۔ اس بات کا اعتراف کیا جا رہا ہے کہ نہرو اس سارے واقعہ پر خوش نہیں تھے۔ مسٹر نہرو کو مطمئن کرنے کیلئے بہت کچھ کہنے اور بہت کچھ کرنے کی ضرورت تھی۔ جو بات [illegible]م کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ شیخ محمد عبداللہ کو پاکستان سے بڑی بڑی رقمیں حاصل ہو رہی ہیں اور ۹ اگست ۱۹۵۳ء کی رات کو وہ اس غرض سے ٹنگمرگ گئے تھے تاکہ وہ وہاں پاکستان کے کچھ اہم ایجنٹوں سے رابطہ قائم کریں۔" مسٹر گنڈیوا نے پوچھا ہے کیا شیخ محمد عبداللہ جسمانی طور پاکستان جانا چاہتے تھے؟

۹ اگست کا واقعہ

شیخ صاحب کی وزیراعظم کے عہدے سے برطرف کر کے گرفتار کرنے کی خبر سارے کشمیر میں بجلی کی طرح کوند گئی۔ یہ خبر سنتے ہی سارے سری نگر اور وادی میں کاروبار بند ہو گیا۔ ٹرانسپورٹ رک گیا۔ لوگ گھروں سے باہر آکر مظاہرے کرنے لگے۔ تمام حصوں میں گڑبڑ شروع ہو گئی۔ لوگ توڑ پھوڑ کی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے بجلی اور ٹیلیفون کے کھمبے اکھاڑے جانے لگے۔ بڑے بڑے جلوس بازاروں کا گشت کرنے لگے۔ ایک بڑا جلوس امیرا کدل سے آیا اور بخشی غلام محمد کی سرکاری قیام گاہ مولانا آزاد روڈ کی طرف بڑھا۔ یہ جلوس جونہی پولو گراؤنڈ کے شمالی سرے پر پہنچا۔ پولیس نے مزاحمت کی۔ لوگ مشتعل تھے اور وہ طوفان کی طرح آگے

بڑھ رہے تھے۔ یہاں ملیشیا کے سیاسی تعینات تھے۔ بخشی غلام محمد کی رہائش گا
پر گولی چلائی گئی۔ کئی جوان یہاں پر ڈھیر ہو گئے۔ دوسرے علاقوں میں بھی گو
چلیں۔ لاٹھی چارج ہوئے۔ راجپورہ، پلوامہ، پٹن اور دوسرے مقامات پر بھ
گولیاں چلائی گئیں۔ شام تک کافی لوگ گولیوں سے ہلاک ہو گئے۔ شہیدوں
کو زبردستی اُٹھا کر لے لیا گیا۔ پولیس نے ان کی لاشیں ضبط کیں۔ کچھ لاش
کو لوگ اپنے قبضہ میں لینے میں کامیاب ہو گئے۔

۹ر اگست کی شام تک ملیشیا پولیس اور عوام کے درمیان خونین تصادم
ہوئے۔ جگہ جگہ جھڑپیں ہوئیں۔ ملیشیا سے ان جوانوں کو الگ کر دیا گیا جن پر کچھ
شبہ تھا۔ ایک ماہ تک سارے کشمیر میں گڑبڑ رہی۔ ٹرانسپورٹ مکمل طور بند رہا
کوئی بھی گاڑی سڑکوں پر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بخشی غلام محمد کے خلاف
نعرے بلند ہو رہے تھے۔ ڈی۔ پی۔ در گڑبڑ کو ختم کرنے کے لئے آئی۔ جی۔ پی
سے مل کر پلان تیار کر رہے تھے۔ سرکاری احکام کے مطابق پولیس فایرنگ سے
ساٹھ اشخاص ہلاک ہو گئے۔ شیخ صاحب کی تقریر کے مطابق ایک ہزار سے زیادہ لوگ
شہید ہو گئے جن میں عورتیں بھی تھیں۔ شہیدوں کی لاشیں جو پولیس لے
گئی۔ مختلف قبرستانوں میں دفن کی گئیں۔ کشتواڑ میں بھی گولی چلی
ہزاروں لوگ جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔ جب جیل بھر گئے تو پرائیویٹ مکانوں
میں لوگوں کو گرفتار کر کے ٹھونس دیا گیا۔ آئین ساز اسمبلی کے دو درجن ممبروں

علاوہ گزیٹیڈ اور نان گزیٹیڈ آفیسر ٹون ایریا کمیٹیوں اور میونسپلٹی کے ممبران بھی
نظر بند کئے گئے۔ نیشنل کانفرنس کے ورکروں کی کافی تعداد بھی پکڑ لی گئی۔ وکلاء
صحافی اور قومی تحریک کے صفِ اول کے لیڈر بند کر دیئے گئے۔ گرفتار
شدگان میں ڈائریکٹر جنرل دیہات سدھار پنڈت کشپ بندھو، کنٹرولر سول
سپلائیز غلام محمد شاہ، رجسٹرار کشمیر یونیورسٹی غلام احمد عشائی، کسٹوڈین غلام
محمد چچن رجسٹرار کوآپریٹو سوسائیٹیز، غلام قادر بیگ۔ ڈایریکٹر انفارمیشن
جانکی ناتھ زتشی، بلدیو پرشاد شرما چیف انفارمیشن آفیسر سپیشل الیکٹریکل
انجنیر مسٹر غلام مرتضیٰ اور پنڈت شیام لعل کول واٹ شامل ہیں۔ نو اگست
کے چند دن بعد عید تھی۔ اُس روز کشمیر کی تاریخ میں پہلی بار کوئی بھی مسلمان
عید نماز پڑھنے کی غرض سے عیدگاہ نہیں گیا۔

۹ر اگست ۱۹۵۳ء کو صدر ریاست نے شیخ صاحب کی حکومت کا
تختہ اُلٹ کر لے لی۔ جو کاروائی کی اس کا کیا کوئی آئینی اخلاقی یا قانونی
جواز تھا دُنیا اب تک اس معمہ کو سمجھ نہیں سکی ہے۔ شیخ صاحب اگر اسمبلی
کا اعتماد کھو چکے تھے تو آئینی اور جمہوری طریقہ یہ تھا کہ ان کے خلاف عدم
اعتماد کی تحریک پیش کی جاتی۔ اس آئینی طریقے کو ترک کر کے ایک سازش
کے ذریعہ ان کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ بخشی غلام محمد اور ان کے
ساتھیوں کو خون کا دریا عبور کر کے حکومت کی کرسیوں پر براجمان ہونا نصیب

ہوا۔ بخشی غلام محمد اور ان کے ساتھیوں نے شیخ صاحب کو معزول اور گرفتار
کر کے دعویٰ کیا کہ نیشنل کانفرنس کے لیڈر اور کارکن شیخ صاحب کو معزول
اور گرفتار کر کے دعویٰ کیا کہ نیشنل کانفرنس کے لیڈر اور کارکن شیخ صاحب
کی نئی لائن کے خلاف تھے۔ اگر ایسا ہی تھا تو انہیں نیشنل کانفرنس کی
جنرل کونسل کے اجلاس کا انتظار کرنا تھا جو کہ ۲۶؍ اگست کو طلب کیا
گیا تھا۔ اس مسئلہ پر فیصلہ حاصل کرنے کے لئے آئین ساز اسمبلی کا ایک خصوصی
اجلاس بھی طلب کیا جاسکتا تھا۔ اس آئینی اور جائز طریقے کو اختیار
کرنے کے بجائے شیخ صاحب کو اپنے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔

وزیر اعظم کے عہدہ سے شیخ صاحب کو معزول کر کے اور ان کی گرفتاری
کے بعد ان وجوہات کو بیان کیا جانے لگا جن کے باعث انہیں حکومت سے
الگ کرنا ضروری بن گیا تھا۔ شیخ صاحب کے بارے میں کہا گیا کہ وہ کشمیر کو
ایک آزاد مملکت بنا کر خود سلطانِ کشمیر بن جانا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں
امریکہ کے ری پبلکن لیڈر مسٹر ایڈلائی سٹیونسن کی سری نگر میں شیخ صاحب
کے ساتھ ملاقات پر کئی انکشافات کئے جانے لگے۔ ہندوستانی پریس نے اس
قسم کی خبروں کو کافی اچھالا۔ پروپیگنڈا کیا جانے لگا کہ امریکہ نے کشمیر کو ایک
آزاد اور خود مختار مملکت بنانے کے لئے شیخ صاحب کے ساتھ کئی وعدے
کئے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ شیخ صاحب کے کچھ بدیشی ممالک کے ساتھ خفیہ روابط

آزادی کا اعلان کرنے والے ہیں۔ خواجہ غلام محمد صادق نے
بلی کے صدر تھے نے اعلان کیا کہ انہوں نے کچھ اہم دستاویز
ثابت ہو سکتا ہے کہ شیخ صاحب کچھ بدیشی ممالک کے
یار کر رہے تھے۔

بلی پر دباؤ

۱۹۵ء میں ریاستی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کیا گیا۔
۱۹۵ء کے واقعہ کے بعد یہ اسمبلی کا پہلا اجلاس تھا۔ ۵، ممبروں میں
اجلاس میں شامل ہو گئے۔ اسمبلی کے بارہ ممبروں نے ایک میمورنڈم
کیا جس کو اسمبلی میں پیش کیا جانا تھا۔ میمورنڈم میں صدر ریاست
شیخ صاحب کی حکومت کو ختم کرنے کی کارروائی کی جوازیت
گیا تھا۔ جب بخشی غلام محمد کو بارہ اسمبلی ممبروں کے میمورنڈم کا علم
نے اپنے آدمیوں کے ذریعے اس کے خطرناک نتائج سے ان کو
نچہ یہ میمورنڈم اسمبلی میں پیش نہیں ہو سکا۔ البتہ عبدالغنی گونی
چار ممبرانِ اسمبلی نے ۵؍ اکتوبر کو ایک تحریک التواء پیش کی۔
لیہ کیا گیا کہ شیخ محمد عبداللہ کو اسمبلی میں حاضر ہو کر اپنی پوزیشن
موقع دیا جائے۔ اسمبلی کے چیئرمین خواجہ غلام محمد صادق نے تحریک التوا

کو منسوخ کر دیا۔ دوسرے روز یہ چاروں اسمبلی ممبران جیلوں میں تھے
اسمبلی ممبران کو اپنے شیشے میں اتارنے کا تجربہ جب ناکام
دیا تو دوسرے طریقے اختیار کئے گئے۔ بہت سارے ممبران اسمبلی نے
تحت ۹ اگست کی کاروائی کی حمایت کی۔ کئی ممبران دباؤ اور لا
جھکنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ پیر مقبول صاحب وبلگامی کو بخشی
پاس حاضر کیا گیا۔ انہوں نے ۹ اگست کی کاروائی کی حمایت کرنے سے
کیا۔ انہوں نے اس کاروائی کے خلاف اپنے علاقہ میں علم بغاوت بلند
نے احتجاج کے طور آئین ساز اسمبلی سے استعفیٰ دے دیا۔ جب وہ
تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ غلام حسن کو لگام سے اسمبلی کے ممبر تھے۔ وہ بھی
کی کاروائی کی حمایت کرنے سے انکار کر رہے تھے۔ ان کو سپیشل سٹا
گرفتار کر کے سری نگر لایا گیا۔ جب وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے اور بخشی
کی حکومت کو ایک جائز اور جمہوری حکومت تسلیم کرنے سے انکار
تو زبردستی ان سے استعفیٰ حاصل کیا گیا۔

۹ اگست ۱۹۵۳ء کے بعد

۹ اگست ۱۹۵۳ء کے خونین انقلاب کے بعد جب کشمیر میں
محمد کے ہاتھ میں حکومت سونپ دی گئی تو ریاست کے اندر ایک انق

لاٹھیوں سے عوامی آواز کو تو دبا دیا گیا لیکن عالمی سطح پر کشمیر
گیا اور اس کی وجہ سے بڑے ممالک کے مفاد و مقاصد میں ایک
پاکستان نے اس نئی صورت حال کو اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے
لیا تھا چنانچہ پاکستانی لیڈروں نے شیخ صاحب کے تئیں
دیا۔ شیخ صاحب جنہیں ۹ اگست سے پہلے ایک غدار تصور
ہیرو تسلیم کیا جانے لگا۔ شیخ صاحب کو ایک بہت بڑے
مسلم لیڈروں کے طور ابھارا جانے لگا۔ راتوں رات شیخ صاحب
غدار سے محب وطن بن گیا۔ سارے پاکستان میں شیخ محمد عبداللہ کیلئے
کے کلمات سنے جانے لگے۔ ہندوستان میں بھی یہی کچھ ہوا۔
شیخ صاحب کو ایک ملک دشمن جتا کر پیش کیا جانے لگا۔
میں ان کے خلاف کردار کشی کی مہم شروع کی گئی۔ دونوں ملکوں کی
ات بدل گئیں۔ دونوں ملک اپنی مصلحتوں کے مطابق تعریف
کرنے لگے۔ پاکستان نے ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے فوراً بعد کشمیر کے
اٹھانا شروع کیا۔ اگست ۱۹۵۳ء کے بعد ہی پنڈت جواہر لال نہرو اور
وزیر اعظم محمد علی بوگرا کے درمیان نئی دہلی میں ایک میٹنگ ہوئی۔
مسئلے کو اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق حل کرنے کی تجاویز پر
دونوں لیڈروں نے کشمیر میں علاقائی طور رائے شماری کرنے پر اتفاق کیا۔

اس وقت اقوام متحدہ نے ایڈمرل نمٹز کو رائے شماری کا نگران مقرر
میٹنگ میں طے کیا گیا کہ رائے شماری ایڈمنسٹریٹر کسی چھوٹے ملک کا ہو
امریکہ، برطانیہ یا کسی اور بڑے ملک کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں
اس لئے کہ بڑے ممالک کے اپنے سیاسی مفاد اور مصلحتیں ہوتی ہیں
جب واپس چلے گئے تو وہ اپنی کابینہ کو ایک نئے رائے شماری ایڈمن
تقرر پر آمادہ نہیں کر سکے۔ امریکہ کی طرف سے بھی پاکستان پر دباؤ
ایڈمرل نمٹز کو رائے شماری کا نگران بنائے رکھا جائے۔ رائے شماری
تقرر پر جو معاہدہ ہوا تھا وہ پاکستان کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ خود مسٹر بھٹو نے
کشمیر کے معاملے پر بیان دیتے ہوئے کہا۔ رائے شماری ایڈمنسٹریٹر کا تقرر
سے گریز کرنا مسلم لیگی حکومت کی زبردست غلطی تھی۔ مسٹر بھٹو نے کہا
کے سابق حکمرانوں نے اپنی غلطیوں سے کشمیر کے مسئلے کو خود بگاڑ دیا۔
کہا۔ پاکستان کے لیڈروں نے اُس وقت امریکہ کے ساتھ ایک فوجی معا
روس کشمیر کے معاملہ میں ہندوستان کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ روس نے بھی
رائے شماری کرانے کی تائید کی تھی۔ مسٹر بھٹو نے کہا۔ امریکہ کے ساتھ پاک
جو فوجی معاہدہ کیا اُسے روس کے دروازوں تک امریکی خطرہ پہنچا تھا۔
میں روس کس طرح کشمیر کے معاملے میں پاکستان کا ساتھ دے سکتا تھا۔
پاکستان کے ساتھ پاکستان کے فوجی معاہدہ کے بعد ہی روس نے کشمیر پر

ے ممالک کے ریزولیوشن ویٹو کر دیئے اور کسی بھی قرارداد کو پاس ہونے نہیں دیا۔
نے کہا۔ روس کی طرف سے ویٹو کے خطرے کے باوجود کشمیر کا معاملہ
کونسل میں اُٹھانا پاکستان کے حکمرانوں کی ایک حماقت تھی۔ اور اس
کو بار بار دہرایا گیا۔ مسٹر بھٹو نے کہا۔ اگر پاکستان نے رائے شماری ایڈمنسٹریٹر
تقرر سے انکار نہ کیا ہوتا تو آج صورت حال کچھ اور ہوتی۔ کشمیر کے معاملے میں
پاکستان کی یہ بہت بڑی غلطی تھی۔
ال ۱۹۵۴ء میں پاکستان نے امریکہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ پاکستان وسط
مشرق کے معاہدہ میں بھی شامل ہو گیا جس کا محرک امریکہ اور برطانیہ تھا۔ پاکستان
ان معاہدوں میں شامل ہو کر کشمیر کے مسئلہ پر اپنی پوزیشن مضبوط بنانا چاہتا تھا۔
پنڈت نہرو کی طرف سے پاکستان کے ان معاہدوں میں شمولیت پر سخت ردعمل
ہوا۔ انہوں نے کہا۔ فوجی معاہدوں میں شامل ہونے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ
پاکستان طاقت کے زور سے کشمیر کا مسئلہ طے کرنا چاہتا ہے۔ سیٹو اور سینٹو میں
پاکستان کی شمولیت سے ہندوستان کا رویہ کشمیر کے تنازعہ کی نسبت بدل گیا۔
اس کے ساتھ ہی روس اور چین بھی ان فوجی معاہدوں میں پاکستان کی شمولیت
کو تشویش کی نظروں سے دیکھنے لگے۔
۱۹۵۵ء میں روس کے وزیر اعظم مسٹر بلگانن اور روسی کمیونسٹ
پارٹی کے سربراہ مسٹر خرشچیف ہندوستان کے دورے پر آئے۔ اپنے اس

دورے میں روسی لیڈر کشمیر بھی آئے۔ سری نگر کے ہوائی اڈے پر قدم رکھتے ہی مسٹر خروشچیف نے اخباری نمائندوں کے سامنے کہا ـــ "میرا ہندوستان کا دورہ نامکمل رہتا اگر میں ہندوستان کے اس حصے کشمیر میں نہیں آتا ـــ مسٹر خروشچیف نے روس کے ایک بڑے لیڈر کے طور پہلی بار کشمیر میں قدم رکھتے ہی" کشمیر کو ہندوستان کا حصہ تسلیم کیا۔" اس کے بعد سری نگر کی ایک تقریب میں مسٹر خروشچیف نے کہا۔ کشمیر ہندوستان کا ایک حصہ ہے اور کشمیری عوام نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کر کے اپنا آخری فیصلہ صادر کیا ہے۔ اس بیان کے بعد سلامتی کونسل میں کشمیر کے معاملہ پر مغربی بلاک اور روسی بلاک بٹ گیا اور روس ہر اُس تجویز کو ویٹو کر کے مسترد کرنے لگا جو مغربی بلاک یا امریکہ کی طرف سے پیش کی جاتی تھی۔

۱۹۵۷ء میں کشمیر کا مسئلہ پھر زور پکڑ گیا۔ پاکستان نے اس مسئلے کو ایک بار پھر کافی زور سے سلامتی کونسل میں اُٹھایا۔ کافی بحث کے بعد کشمیر کے نئے حالات پر رپورٹ دینے کی غرض سے مسٹر جارنگ کو نمائندہ بنایا گیا۔ مسٹر جارنگ جب برصغیر آئے تو انہوں نے جنگ بندی لائن کی دونوں جانب حالات کا جائزہ لیا۔ انہوں نے جو رپورٹ پیش کی اس میں انہوں نے لکھا کشمیر میں ۱۹۴۸ء کے مقابلہ میں حالات بہت بدل گئے ہیں۔ دونوں ملکوں نے اپنے اپنے زیرِ تسلط علاقوں میں اپنی پوزیشن کافی مضبوط کی ہے۔

۹ر اگست ۱۹۵۳ء کے بعد ریاست میں جو حالات پیدا ہو گئے تھے وہ کافی حد تک تشویشناک تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ریاست کا اقتصادی اور سماجی ڈھانچہ ہی بدل گیا تھا۔ تجارت کی راہیں بدل گئی تھیں جس کے باعث کاروباری سرگرمیاں بھی پڑ گئی تھیں۔ کشمیر کی تجارت کی روایتی شاہراہیں پاکستان کی طرف کھلتی تھیں۔ وہ بند ہو گئی تھیں۔ راولپنڈی روڈ واحد شاہراہ تھی جس کے ذریعہ ساری تجارت ہوتی تھی۔ یہی شاہراہ کشمیر کو باقی دنیا سے ملاتی ہے۔ اس کے علاوہ پہاڑی درّے بھی تھے جو گذرگاہوں کا کام دیتے تھے اور شمالی علاقوں کے لوگ ان گذرگاہوں اور درّوں کو ہی استعمال کرتے تھے۔ پاکستان کے حملے کے بعد یہ سب راہیں اور گذرگاہیں مسدود ہو گئی تھیں۔ اس کا کاروباری اور اقتصادی زندگی پر بہت ہی ناکارہ اثر پڑا تھا۔ انتظامیہ کا ڈھانچہ بھی بگڑ گیا تھا۔ ایک نئی شاہراہ بانہال روڈ مکمل کی گئی تھی جو بہت ہی دشوار گذار اور لمبی تھی۔ یہ شاہراہ سرما کے اکثر حصہ میں برفباری سے بند ہو جاتی تھی۔ کشمیر کی روایتی صنعتیں جن کا مارکیٹ پاکستان میں تھا متاثر ہونے لگی تھیں۔ تجارتی صنعتی اور اقتصادی زندگی میں جو تبدیلی آگئی تھی اس نے ساری سماجی زندگی متاثر کی تھی۔ لوگ ایک نئی زندگی سے دوچار تھے۔ نئے حالات نے ہر شخص کو اپنی زندگی کا آغاز کچھ نئے انداز سے کرنے پر مجبور کیا تھا۔ لوگ نئے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لئے تو تیار تھے۔ لیکن کشمیر کے مسئلے نے ذہنوں میں پھر ایک کشمکش پیدا کی تھی۔ ہر شخص

سوچ رہا تھا کہ شاید کل کشمیر کا فیصلہ ہو جائے۔ کشمیر کے فیصلے کا انتظار کرتے کرتے کرتے چھ سال گذر گئے تھے اور چھ سال میں ہی شیخ محمد عبداللہ کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔

بخشی غلام محمد نے حکومت کی بھاگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے کئی طریقے اختیار کئے۔ انہوں نے سب سے پہلے مجوزہ سسٹم ختم کیا۔ یہ سسٹم یہاں مدتوں سے موجود تھا۔ مجوزہ سسٹم کے ذریعہ کسانوں سے ان کی پیداوار کا ایک مخصوص حصہ وصول کیا جاتا تھا۔ یہ سسٹم کئی لحاظ سے اچھا تھا۔ شہری آبادی کے لئے اس سسٹم کے ذریعہ خوراک حاصل کرنا ممکن بن جاتا تھا۔ چھوٹے کسان اس سسٹم کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ انہیں مجوزہ سسٹم کے تحت خوراک کے ایک حصے سے محروم ہونا پڑ رہا تھا۔ اپنی کچھ خامیوں کے باوجود مجوزہ سسٹم اچھا تھا۔ کسانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے یہ سسٹم ختم کیا گیا اور خوشخرید کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اس خوش خرید نے بھی بعد میں ایک دباؤ کی شکل اختیار کی اور یہ دوسری شکل میں پھر مجوزہ سسٹم بن گیا۔

شہری عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور ۹ اگست کے زخم مندمل کرنے کے لئے بخشی غلام محمد نے سبسڈی پر راشن کی تقسیم شروع کی۔ اس وقت سبسڈی پر ایک کروڑ روپیہ کا خسارہ برداشت کیا جانے لگا۔ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے ایک کروڑ روپیہ کوئی بڑی قیمت نہیں تھی۔ سبسڈی سے

عوام کو ضرور ایک راحت مل گئی۔ حکومت نے خوراک میں رعایتیں دے کر لوگوں کے غصے کو فرد کرنے کی کوشش کی۔ سبسڈی ایک رعایت تھی۔ جس کا فایدہ بے شک عام لوگوں کو مل گیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسری رعایات کے ذریعے بھی عوام کے دل موہ لینے کی کوششیں کی جانے لگیں۔ مُلازمت کے دروازے کھول دیتے گئے۔ پرمٹ سسٹم ایجاد کیا گیا۔ سیاسی مخالفین کو وفادار بنانے کیلئے پرمٹ اور بدلیتی لائیسنس دیتے گئے۔ اس کے ساتھ ہی جنگلات کے ٹھیکے اور پبلک ورکس کے ٹھیکے بھی ان لوگوں کو دیئے جانے لگے جو سیاست میں کوئی مقام اور درجہ رکھتے تھے۔ ان تمام رعایات سے اپنے سیاسی حریفوں کی وفاداریاں خریدنے کی کوشش کی گئی۔ بڑے عہدوں کی تقسیم بھی سیاسی مصلحتوں کے مطابق ہونے لگی۔ جب رعایات کا جال بچھ گیا تو سارے کشمیر میں ایک نفسیاتی فضا پیدا ہو گئی۔ لوگوں کے دلوں میں ایک کشمکش جاگ اُٹھی۔ وہ سوچنے لگے کیا وہ اپنی زندگی بنانے کے لئے رعایات کی طرف دوڑ پڑیں یا ایک کاز کے لئے جیلوں میں زندگی گذار دیں۔ بہت سارے لوگ رعایات اور رشوت کے جال میں پھنس نہ سکے۔ انہوں نے قید خانوں کو ترجیح دی۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد رعایات کے سامنے جُھکنے پر مجبور ہو گئی۔ ایک ایسی قوم جو صدیوں سے استحصال کی شکار رہی ہو یہ توقع کرنا کہ وہ مفادات کے سنہری جال میں پھنس نہیں جائے گی عبث تھا۔ بخشی صاحب ترغیب و تحریص کے ذریعے بھی اور دباو اور دھمکیوں کے ذریعے بھی اپنے سیاسی حریفوں کو پچھاڑنے کی کوششیں کرتے رہے۔

محاذ رائے شماری کا قیام

مرزا محمد افضل بیگ کو نومبر ۱۹۵۴ء کو صحت کی خرابی کے باعث رہا کر دیا گیا۔ رہا ہوتے ہی وہ دہلی چلے گئے اور وہاں کچھ لیڈروں کے ساتھ بات چیت کی۔ انہوں نے کشمیر اور نئی دہلی میں بدلے ہوتے حالات کا نئے پس منظر میں جائزہ لیا۔ ۹ راگست ۱۹۵۵ء کو بیگ صاحب نے کشمیر میں محاذ رائے شماری کی بنیاد ڈالدی اور وہ خود اس تنظیم کے بانی صدر بن گئے۔ نیشنل کانفرنس جس کے صدر شیخ محمد عبداللہ تھے اب بخشی غلام محمد کے تسلط میں آگئی تھی۔ نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکرٹری مولانا مسعودی، بخشی غلام محمد کے ساتھ اُلجھنے لگے تھے۔ مولانا سعید کا رویہ ۹ر اگست ۱۹۵۳ء سے پہلے اور اس کے بعد کافی حد تک مبہم رہا۔ وہ شیخ صاحب سے چھیڑنے کے خلاف تو تھے لیکن اس کے باوجود ان کا رویہ ناقابل فہم رہا۔ مسعودی صاحب ۹ر اگست کے وقت پارلیمنٹ کے ممبر بھی تھے۔ انہوں نے نئی دہلی میں بخشی غلام محمد کے خلاف لابی تیار کرنے کی کوشش کی۔ اس

کام میں ان کو مس مردولا سارا بائی کی امداد حاصل ہوتی رہی۔ بخشی غلام محمد نے مولانا مسعودی کی ان سرگرمیوں کو دیکھ کر نیشنل کانفرنس کی نئے سرے سے تشکیل دی۔ انہوں نے مسعودی صاحب کو نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکرٹری کے عہدے سے ہٹادیا اور بخشی عبدالرشید کو نیشنل کانفرنس کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا۔

محاذ رائے شماری کے قیام کے ساتھ ہی ہمارے کشمیر میں اس تنظیم نے مضبوط بنیاد پکڑلی۔ لوگ محاذ رائے شماری کے ممبر بننے لگے۔ تنظیمی اکائیاں ہر حلقہ میں کام کرنے لگیں۔ ایک سال کے عرصہ میں ہی محاذ رائے شماری ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ محاذ رائے شماری نے اپنی سرگرمیاں پُرامن طور شروع کیں۔ اس تنظیم کا مقصد اس حق کیلئے جدوجہد کرنا تھا جو خود ہندوستان نے دستاویز الحاق پر دستخط کرتے وقت ریاستی عوام کو دیا تھا اور جس کو بعد میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں میں "رائے شماری" کی شکل میں پیش کیا گیا تھا۔

بیگ صاحب دوبارہ گرفتار

۱۹۵۷ء میں مرزا محمد افضل بیگ کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ پنڈت جواہر لعل نہرو شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو طویل مدت تک جیلوں میں رکھنے کے روادار نہ تھے۔ وہ ہر چھ ماہ کے بعد جموں وکشمیر کی حکومت پر زور دیتے تھے کہ وہ شیخ صاحب کو یا رہا کریں یا ان پر مقدمہ چلائیں۔ پنڈت نہرو برطانوی

حکومت میں خود بلا وجہ جیلوں میں بے گناہوں کو ڈالنے کے واقعات دیکھ چکے تھے وہ اب اپنی حکومت میں کسی کو اس کا جرم بتائے بغیر جیل میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ پنڈت نہرو کشمیر کے واقعات سے کافی پریشان تھے۔ وہ کشمیر میں حالات کو بدل دینے کے لئے پھر شیخ صاحب کی خدمات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس غرض سے انہوں نے کئی ذرائع سے شیخ صاحب کے ساتھ رابطہ قائم کیا تھا۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۸ء تک ریاست میں سیاسی کشمکش بہت تیز ہوگئی۔ بخشی غلام محمد یہ دلیل دیتے رہے کہ شیخ محمد عبداللہ کشمیر میں اب ایک سیاسی مسئلہ نہیں بلکہ لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ ہیں۔ ان کی اس دلیل سے پنڈت نہرو متفق نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ شیخ صاحب سے سارے کشمیر کی سیاست وابستہ ہے اس لئے سیاسی طور ہی ان کے ساتھ نمٹ لیا جا سکتا ہے۔ پنڈت نہرو کے زبردست اصرار پر شیخ صاحب ۸، جنوری ۱۹۵۸ء کو رہا کر دیئے گئے۔

جیل سے رہائی کے بعد شیخ صاحب بانہال کے راستے کشمیر میں داخل ہو گئے۔ اس سارے راستہ میں جگہ جگہ لوگ شیخ صاحب کا استقبال کرنے کیلئے کافی تعداد میں جمع ہو گئے۔ سری نگر میں حکومت نے لوگوں کو شیخ صاحب کا استقبال کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔ لوگوں پر کئی طرح کے دباؤ ڈال دیئے گئے۔ جب شیخ صاحب اسلام آباد سے روانہ ہو کر سری نگر کی طرف بڑھے تو سری نگر کے لوگ بڑی تعداد میں استقبال کے لئے باہر آگئے۔ شیخ صاحب کی آمد سے

پہلے ہی وہ ساری راہیں ڈیوڑھیوں، پارچہ جات اور قیمتی اشیاء سے سج گئیں جن سے شیخ صاحب کو گذرنا تھا۔ یہ ایک بہت ہی بے مثال سواگت تھا۔ شیخ صاحب ایک ہیرو کی طرح ساڑھے چار سال بعد سری نگر میں داخل ہو گئے۔ بانہال سے سری نگر تک جگہ جگہ شیخ صاحب کا پُرجوش اور پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ دیہات کے لوگ اور دور سے آ کر سڑکوں پر جمع ہو گئے۔

ساڑھے چار سال بعد رہائی

ساڑھے چار سال کی طویل نظر بندی کا شیخ صاحب کے ذہن و دل پر شدید اثر تھا۔ ان کے دل میں تلخیاں تھیں، غصہ اور بیزاری تھی۔ اس لئے ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ جیل سے باہر آتے ہی اپنے سیاسی حریفوں سے گلے مل جاتیں یا نئے سیاسی حالات اور ان کے تقاضوں کے مطابق حکومت ہند کے ساتھ مکالمہ شروع کریں۔ شیخ صاحب کی رہائی کے ساتھ ہی کشمیر کی سیاسی فضا میں زبردست ہلچل پیدا ہوگئی۔ شیخ صاحب کو جگہ جگہ جلسے کرنے کی دعوتیں ملنے لگیں۔ شیخ صاحب روزانہ درجنوں جلسوں سے خطاب کرتے تھے۔ ان کا لہجہ تلخ تھا وہ حکومت ہند اور حکومت کشمیر کو اپنی تقریروں میں آڑے ہاتھوں لے رہے تھے۔ بخشی غلام محمد سمجھتے تھے کہ اگر شیخ صاحب باہر رہے تو آہستہ آہستہ پنڈت نہرو اور ان کے درمیان روابط پیدا ہو جائیں گے۔

شیخ صاحب کی رہائی کے وقت پاکستان کشمیر کے مسئلے کو پورے زور
سے اُبھار رہا تھا۔ بڑے ممالک بھی کشمیر کے مسئلے کی آڑ میں ہندوستان اور
پاکستان میں عمل دخل حاصل کر رہے تھے۔ امریکہ نے پاکستان کو کئی فوجی معاہدوں
میں اُلجھا دیا تھا۔ ان معاہدوں سے برصغیر میں سرد جنگ شروع ہوگئی تھی۔ امریکی
اسلحہ بھاری مقدار میں پاکستان پہنچنا شروع ہوگیا تھا۔ پاکستان کی فوجی قوت
میں اضافہ ہو رہا تھا جس سے ہندوستان کے لئے خطرے پیدا ہو گئے تھے۔ پاکستان
کشمیر کو حاصل کرنے کے لئے طاقت اور جنگ کے معنوں میں سوچنے لگا تھا۔
سرحدوں پر پاکستان کی طرف سے شرارت آمیز کارروائیوں کے بڑھ جانے کا امکان
پیدا ہوگیا تھا۔ پاکستان کو امریکہ سے فوجی سامان ملنے کے بعد اس کے جارحانہ
عزائم میں اضافہ ہوسکتا تھا۔ پاکستان کی امکانی شرارتوں اور اس کی جاسوسی
سرگرمیوں کے ساتھ ہی کشمیر میں صورت حال مخدوش ہوتی جا رہی تھی۔ ان
حالات میں کشمیر میں فرضی خطروں کا ہوا کھڑا کر کے شیخ صاحب کو دوبارہ پابند
سلاسل بنانا مشکل نہ تھا۔ حکومت نے پہلے ہی محاذ رائے شماری کے پاکستان
کے ساتھ خفیہ تعلقات کی کہانیاں ترتیب دینا شروع کی تھیں۔ شیخ صاحب
بیگ صاحب اور دوسرے لیڈروں کو پاکستان کے ساتھ ملوث کرنے کا
منصوبہ پہلے تیار کیا جا چکا تھا۔

شیخ صاحب اپنی حکومت کو واپس حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں

رکھتے تھے۔ اب یہ حکومت حاصل کرنے کا سوال نہیں تھا بلکہ اس حق کا سوال
تھا جس کو چھین لیا گیا تھا۔ ۱۹۵۸ء کے دوران شیخ صاحب کو حکومت کی دوبارہ
پیش کش بھی کی گئی تھی۔ بخشی غلام محمد، شیخ صاحب کی رہائی سے اپنے اقتدار کے لئے
ایک خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ یہ خطرہ زبردستی حکومت چھیننے کا نہیں تھا۔ بخشی صاحب
کو احساس تھا کہ مرکزی حکومت اور شیخ صاحب کے درمیان اگر روابط قائم ہوگئے
تو یہ روابط ان کے اقتدار کے لئے خطرہ ثابت ہوں گے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے
مشہور کر دیا کہ شیخ محمد عبداللہ حکومت پر زبردستی قبضہ کرنے والے ہیں۔

۱۷ جنوری ۱۹۵۸ء کو شیخ صاحب نے پتھر مسجد میں ایک جلسہ طلب کیا۔ پتھر مسجد
میں جلسہ منعقد کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کیونکہ مجاہد منزل پر حکومت کا قبضہ
تھا اور یہاں پولیس کا زبردست پہرہ تھا۔ حکومت نے جان بوجھ کر یہ تاثر دیا کہ شیخ صاحب
مجاہد منزل پر زبردستی قبضہ کر کے حکومت پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ مرکزی حکومت
کو اس بات سے باخبر کیا گیا۔ مرکزی وزیر اس خبر سے بہت پریشان ہو گئے۔ حکومت
نے مجاہد منزل میں پولیس کی بھاری تعداد جمع کی۔ مرکزی حکومت سے کہا گیا۔ شیخ صاحب
جب عوام کی بھاری جمعیت سے مجاہد منزل پر قبضہ کریں گے۔ تو لوگوں کا سیلاب
حکومت کی طرف بڑھے گا۔ اور اس طرح حکومت پر زبردستی قبضہ کیا جائے گا۔ شیخ صاحب
نے جب مجاہد منزل میں پولیس اور فوج کی بھاری جمعیت دیکھی۔ تو انہوں نے پتھر مسجد
میں جلسہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس بات کا امکان تھا کہ کوئی شرارت کی جاتی اور
عوام اور پولیس کو آپس میں ٹکرایا جائے۔ پتھر مسجد اور مجاہد منزل میں لوگوں کی بھاری
تعداد اور پولیس کی بڑی جمعیت سے کوئی زبردست تصادم خارج از امکان نہیں تھا۔

اس قسم کے تصادم سے خون خرابہ ہو جاتا۔ ہزاروں جانیں تلف ہو جاتیں۔ چنانچہ شیخ صاحب نے پروگرام تبدیل کیا اور حضرت بل میں جلسہ منعقد کیا۔ اس طرح انہوں نے ایک امکانی تصادم کے خطرے کو دور کر دیا۔

شیخ صاحب ۲۹ مئی کو پھر گرفتار

۲۹ مئی ۱۹۵۸ء کو شیخ صاحب دوسری بار گرفتار کر لئے گئے۔ ۹ اگست ۵۳ء کو جب شیخ صاحب گرفتار کر لئے گئے تو الزام لگایا گیا کہ وہ امریکہ اور دوسرے سامراجی ممالک کے ساتھ کشمیر کو ایک آزاد مملکت بنانے کی سازش تیار کر چکے ہیں۔ ۲۹ مئی ۱۹۵۸ء کو جب شیخ صاحب گرفتار کئے گئے تو الزام یہ لگایا گیا کہ وہ پاکستان کیساتھ سازش کر رہے تھے۔ وائی۔ ڈی۔ گنڈے ویا نے اپنی کتاب ٹیسٹمنٹ آف شیخ محمد عبداللہ میں لکھا ہے :-

"پنڈت نہرو شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری میں فریق نہیں تھے اور انہوں نے فی الواقع اس کی اجازت نہیں دی تھی۔ ان کے ذہن کو مسموم بنایا گیا اور خاموش کر دیا گیا۔ میں مشکل سے ہی یہ یقین کر سکتا ہوں کہ پنڈت نہرو اس بات کو ماننے کے لئے کبھی تیار ہو گئے کہ شیخ محمد عبداللہ پاکستانی ایجنسیوں کے ساتھ ملی بھگت کر کے ہندوستان کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ پنڈت نہرو کے زندگی کے آخری چار سال کے دوران جب میں پنڈت نہرو کے بہت ہی قریب تھا اور ان کے کامن ویلتھ سیکرٹری اور بعد میں فارن سیکرٹری

کے طور پر کام کرتا تھا میں نے پنڈت نہرو کو شیخ صاحب کے متعلق کوئی بری بات کہتے ہوئے نہیں سنا۔"

کشمیر سازش کیس

شیخ صاحب کی گرفتاری کے بعد ہی ان کے خلاف سازش کیس تیار اسی ماہ یہ کیس سپیشل عدالت میں لایا گیا۔ مردولا سارا بائی نے شیخ صاحب تاری اور ان کے خلاف سازش کیس پر زبردست احتجاج کیا۔ انہوں نے احب کی گرفتاری کا ذمہ دار بخشی غلام محمد اور آئی۔ بی۔ کو ٹھہرایا اور ان پر کرنے کا الزام عائد کیا۔ انہوں نے شیخ صاحب کے خلاف مقدمہ واپس لینے کی میں مردولا سارا بائی نے بہت سارے ممبران پارلیمنٹ اور کئی بڑی ںوں کو شیخ صاحب کی گرفتاری اور ان کے خلاف مقدمہ کی عدم جوازیت سے نظر کا قایل بنا دیا۔ مس مردولا ۸ جنوری ۱۹۵۸ء کو شیخ صاحب کی فوراً بعد سری نگر میں ان کے ساتھ ملاقات کر چکی تھی اور وہ مرکزی لیڈروں صاحب کے درمیان فاصلے کم کرنے کی کوششیں کرنے لگی تھیں۔ جب ان کی ں جاری ہی تھیں شیخ صاحب کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ اس گرفتاری کو لا نے ناجائز قرار دیا اور آئی۔ بی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ مس مردولا کے ں پروپیگنڈہ کیا گیا۔ حکومت نے کہا کہ پیر مقبول گیلانی کے پاکستان بھاگ

جانے کے پیچھے ان کا ہی ہاتھ ہے۔

رنبیر پینل کوڈ کی دفعہ ۱۲۱۔ اے اور ۱۲۰۔ بی کے تحت سازش کیس مرتب کیا گیا اور اس میں شیخ صاحب، بیگ صاحب اور دوسرے کئی افراد کو ملوث کیا گیا۔ استغاثہ کی طرف سے جو الزام عاید کئے گئے ان میں لکھا گیا تھا :-

"۹ر اگست ۱۹۵۳ء کے روز جب شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا تو جیل سے باہر ان کے دوستوں، رشتہ داروں اور حامیوں نے تشدد آمیز کاروائیاں شروع کیں جن پر قابو حاصل کرنے کے لئے ریاستی سرکار کو تین یا چار ہفتے لگ گئے جب تشدد کے ذریعے حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش ناکام ہو گئی تو حکومت کے خلاف نفرت کی مہم شروع کی گئی۔ فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح حالات کو بگاڑنے کا جتن کیا گیا۔ اس قسم کے پروپیگنڈے کا مقصد ریاستی عوام میں ہندوستان کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنا تھا۔ اس مہم کو شروع کرنے میں جن لوگوں نے خاص کردار ادا کیا۔ ان میں شیخ محمد عبداللہ کی اہلیہ بیگم شیخ محمد عبداللہ۔ خواجہ علی شاہ۔ خواجہ علی شاہ کی بہن سعیدہ بیگم۔ غلام حسن کنٹھ اور دوسرے بہت سارے نیشنل کانفرنس کے ورکر شامل تھے۔ ان لوگوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کیلئے وار کونسل قایم کیا۔ وار کونسل کے ذریعے پوسٹر تقسیم کئے جاتے تھے۔ دیواروں پر حکومت کے خلاف نعرے لکھے جاتے تھے۔ پمفلٹ شایع کر کے تقسیم کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر ماہ

کی ۹ر تاریخ کو عبداللہ ڈے منایا جاتا تھا۔ اُس روز بنگلے سر کئے جاتے تھے۔ بخشی غلام محمد کو قتل کرنے کے لئے پوسٹر چسپاں کئے جاتے تھے۔ کچھ وقت تک بیگم عبداللہ وار کونسل کو مالی امداد فراہم کرتی رہی۔ تیز سائیکلوسٹائل مشین بھی انہوں نے پوسٹر چھاپنے کے لئے فراہم کی۔ بیگم عبداللہ نے بعد میں پاکستان کے ساتھ رابطہ قایم کرنا شروع کیا اور اپنا ایک قابل اعتماد ایلچی آزاد کشمیر روانہ کیا۔ اس ایلچی نے میجر اصغر علی سے رابطہ قایم کیا جو پاکستان انٹلی جنس کا سربراہ تھا۔ اور اس وقت آزاد کشمیر میں کام کر رہا تھا۔ انہوں نے بیگم عبداللہ کے ایلچی کے ساتھ بات چیت کی اور ان سے کہا کہ وہ کسی اعلیٰ سطح کے ایلچی کو روانہ کرے۔ اس کے بعد بیگم عبداللہ اور اصغر علی کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہی۔ ایک روز ان کا وہ ایلچی پکڑ لیا گیا۔ جس کے ذریعہ رابطہ بنایا گیا تھا۔ جب یہ بات چیت جاری ہی تھی، بیگم عبداللہ نے ادہمپور جیل میں شیخ کے ساتھ ملاقات کی۔ وہ کئی روز تک ان کے ساتھ جیل میں ٹھہریں۔ یہ قیاس کرنا غلط نہیں کہ جیل میں بیگم عبداللہ نے پاکستان کے ساتھ اپنے خفیہ روابط کا ذکر کیا ہوگا۔ اسی اثناء کے دوران وار کونسل اشتعال انگیز پوسٹر شایع کرتا رہا۔ خواجہ علی شاہ، غلام محمد بٹ، غلام حسن کنٹھ اور اننت ناگ میں بیگ صاحب کے گھر میں مرکز قائم کئے گئے جہاں سے پمفلٹ پوسٹر اور نیوز بلیٹن جاری کئے جاتے تھے۔ پمفلٹوں

ہندوستان کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا تھا۔ کچھ پوسٹروں میں جو مضامین درج ہوتے تھے وہ پاکستان سے آتے تھے اور یہاں ان کو سائیکلوسٹایل کے ذریعے شایع کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد پاکستان کے ساتھ خفیہ تعلقات بڑھتے رہے۔ پیر مقبول گیلانی جو شیخ صاحب کے ساتھ گرفتار کر لئے گئے تھے اور جو بعد میں رہا کر دیئے گئے، نے جیل کے ایک ملازم کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ تعلقات قائم کئے۔

۱۹۵۷ء میں مرزا محمد افضل بیگ کو صحت کی خرابی کے باعث رہا کر دیا گیا۔ شیخ صاحب نے ان سے کہا کہ وہ دہلی جا کر باہر کی دنیا کے ساتھ روابط قائم کریں۔ بیگ صاحب نے چالاکی سے کام لے کر وار کونسل کا نام بدل دیا اسے محاذ رائے شماری کا نام دیا۔ رائے شماری محاذ وار کونسل پر پردہ ڈالنے کے لئے قائم کیا گیا۔ بیگ صاحب کے ساتھ پاکستان کے ایک انٹلی جنس آفیسر سجاول خان نے ان کے گھر پر اس وقت ملاقات کی جب وہ سرکردہ پارٹی ارکان کی ایک میٹنگ میں شریک ہونے کیلئے جا رہے تھے۔ اس کے بعد پاکستان محاذ رائے شماری کو مالی امداد فراہم کرنے لگا۔ ۱۹۵۸ء میں جب مرزا محمد افضل بیگ کو گرفتار کر لیا گیا تو بیگم عبداللہ اور دوسرے افراد کے ذریعہ پاکستان کے ساتھ روابط قائم رکھے گئے۔ سازش کرنے والا ایک آدمی کرکٹ میچ دیکھنے لاہور چلا گیا جہاں اس نے پاکستان کے انٹلی جنس آفیسر سے ملاقات کی اور وہاں سے ایک لاکھ روپیہ حاصل کیا۔ کچھ عرصہ بعد

سازشی عناصر نے پوس میدان میں پاکستان سے اسلحہ حاصل کیا۔ ۱۹۵۶ء میں پاکستان کو یہاں اپنے آدمیوں کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا کہ ریاست میں انقلاب بپا کرنے کے لئے ماحول سازگار ہے۔ چنانچہ اس نے دراندازوں کے کچھ گروہ کشمیر روانہ کئے جنہوں نے کئی مقامات پر دھماکے کئے جن سے بہت ساری قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں۔"

استغاثہ نے اپنا کیس اپریل ۱۹۵۹ء میں شروع کیا۔ جون ۱۹۶۰ء میعوی تک ۲۲۹ گواہ پیش کئے گئے۔ ۳۰۰ دستاویز عدالت میں پیش کئے گئے۔ ناگیشوری پرشاد سرکار کی طرف سے کیس کی پیروی کرتے رہے۔

ابتدا میں شیخ محمد عبداللہ کو ملزموں میں شامل نہیں کیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو جے۔ پی۔ بیتل جو کہ سرکار کی طرف سے ایڈووکیٹ تھے نے ایک نوٹ لکھا جس میں درج کیا گیا کہ شیخ محمد عبداللہ کے بغیر کیس کو آگے لے جانا مشکل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا شیخ محمد عبداللہ اگر مفرور ملزم ہوتے تو بات بن سکتی تھی۔ شیخ صاحب چونکہ نظر بند ہیں۔ اس لئے ان کو ایک ملزم کے طور اگر پیش نہ کیا جائے تو اُسے صفائی کے وکیلوں کو ہماری دلائل غلط ثابت کرنے کا قانونی جواز مل جائے گا۔ حکومت نے جے۔ پی۔ بیتل کی یہ تجویز مان لی اور شیخ صاحب کے خلاف بھی عدالت میں ایک استغاثہ دائر کیا گیا۔

استغاثہ کی کارروائی ابتدا میں کٹھ جیل میں سپیشل مجسٹریٹ شری این۔ کے۔ ناک کے سامنے شروع کی گئی۔ بعد میں سپیشل کورٹ جموں منتقل کیا گیا جہاں دو سال تک مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی۔ استغاثہ کی شہادتوں کے بعد ملزموں سے استفسارات شروع ہوئے۔ ۱۲۔ اگست ۱۹۶۰ء سے مرزا محمد افضل بیگ کا استفساری بیان عدالت نے قلمبند کرنا شروع کیا۔ یہ کارروائی ۵۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء تک جاری رہا۔ مجسٹریٹ سوال پوچھتے جاتے تھے اور بیگ صاحب جواب دیتے جا رہے تھے۔ سوال و جواب کی یہ کارروائی کل ۲۰۴ گھنٹے جاری رہی۔ پہلا استفسار جو بیگ صاحب سے کیا گیا یہ تھا:—

"شہادت میں آیا ہے کہ ۹۔ اگست ۱۹۵۳ء سے ۲۹۔ اپریل ۱۹۵۶ء تک شیخ محمد عبداللہ ملزم، اس کے رشتہ داروں اور حامیوں نیز دیگر ملزمان اور کچھ معلوم اور نامعلوم اشخاص نے سازش میں شامل ہو کر سری نگر اکٹھ اور ریاست کے اندر اور باہر سازش کی تاکہ مجرمانہ طاقت سے خوف زدہ کیا جائے۔

شہادت میں آیا ہے کہ سازش کا اہم مقصد حکومت کا تختہ الٹ دینا تھا تاکہ شیخ محمد عبداللہ کو دوبارہ برسر اقتدار لایا جائے اور ریاست کو ناجائز طور پاکستان میں شامل کیا جائے۔"

بیگ صاحب نے ان دو استفسارات کا جواب دیتے ہوئے کہا:—

"بادی النظر میں اس سوال میں چار الزامات لگائے گئے ہیں۔

(الف)۔ شیخ محمد عبداللہ ملزم کو ریاست میں برسر اقتدار لایا جائے۔

(ب)۔ ریاست کو ناجائز طور پاکستان میں شامل کیا جائے۔

(ج)۔ حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ (د) ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ایک مجرمانہ سازش کی گئی — مجھے ان چاروں الزامات سے انکار ہے اور ان کو کسی شر پسند دماغ کی اختراع سمجھتا ہوں۔ پہلے سوال کے جواب میں، میں نے عرض کیا کہ شیخ محمد عبداللہ کے رشتہ داروں، معلوم یا نامعلوم اشخاص نے ریاست میں اور ریاست سے باہر کوئی سازش نہیں کی۔ جب سازش ہی نہیں تو اس کے مقاصد کہاں سے پیدا ہوئے۔ جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ حکومتِ کشمیر کا تختہ الٹ کر کشمیر کو پاکستان کے حوالے کیا جا سکتا ہے وہ احمقوں کی دنیا میں رہتے ہیں۔ اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محض ایک وزارتی تغیر سے مسئلہ کشمیر کی گتھی سلجھ جائے گی وہ تو احمقوں کی دنیا سے پرے کسی اور دنیا میں رہتے ہیں۔ فاضل مجسٹریٹ کو میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ نہ تو میں احمقوں کی دنیا میں رہتا ہوں اور نہ کسی دوسری دنیا میں رہتا ہوں۔ میں حقیقتوں کی اس ٹھوس دنیا میں رہتا ہوں۔ محاذ رائے شماری میں احمقوں اور خوش فہمیوں میں رہنے والوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ محاذ رائے شماری کا ہر فرد یقین رکھتا ہے کہ کشمیر کے مسئلے کا فیصلہ پرامن طریقہ سے جمہوری قاعدوں کے ذریعہ ہی نکل سکتا ہے۔ دوسری کوئی اور صورت نہیں۔ شیخ صاحب نے مجھ سے پہلے اپنے بیان میں فرمایا ہے کہ وزارت اعظمی کی پیش کش انہیں اعلانیہ کی گئی۔ ایسی ہی تجویز اور پیش کش میرے سامنے بھی کی گئی۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کشمیر کا مسئلہ

پُرامن طریقے سے اور ریاست کے تمام باشندوں کی عملی اور با اثر شمولیت کے ذریعہ طے کر لیا جائے تاکہ ہم سب کو ایک دائمی امن مل سکے اور پاکستان اور ہندوستان کے درمیان مستقل دوستی اور مصالحت یقینی بن جائے۔

عام لوگوں میں حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے، فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرنے، قوم کی زندگی میں افراتفری پھیلانے، پاکستانی ایجنسی کے ذریعے حکومت کا تختہ اُلٹنے کے جو الزامات ہم پر عائد کئے گئے ہیں وہ سراسر بے بنیاد اور غلط ہیں۔ حکومت کے خلاف نفرت اور اشتعال پیدا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ محاذ رائے شماری اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی کہ کشمیر میں کس کی حکومت ہے۔ فرقہ وارانہ نفرت ہمارے بنیادی عقیدوں کے خلاف ہے۔ ہماری صفوں میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ ۱۹۳۱ء سے جب ہم نے تحریک حریت شروع کی ہم تشدد کے خلاف رہے ہیں۔

بیگ صاحب نے عدالت میں استفسارات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ہندوستان کا آئین اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ جاگیرداری بلا معاوضہ ختم کی جائے۔ ہم نے جاگیرداری ختم کی۔ ریاست کا مفادِ خصوصی کا طبقہ جس میں شاہی خاندان کے علاوہ اور بھی با اثر اشخاص تھے کو ہمارا یہ فیصلہ گوارہ نہ ہوا۔ انہوں نے ہندوستان بھر کے ہم خیال لوگوں سے گٹھ جوڑ کیا۔ ہندوستان میں ایسے مفادِ خصوصی کے طبقوں کی آج بھی کمی نہیں۔ پنڈت

جواہر لال نہرو کی نیت پر ہمیں کوئی شبہ نہیں لیکن ہندوستان میں مفاد خصوصی کا جال بچھا ہوا ہے۔ ریاست میں جاگیرداری نظام کے خاتمہ کے ساتھ ہی ہندوستان کے جاگیردار طبقہ میں سنسنی پھیل گئی۔ وہ یہاں کے سابق جاگیردار طبقہ سے مل گئے۔ انہوں نے شیر کشمیر کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی تیاریاں شروع کیں۔ اس طبقہ نے یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کیا کہ ہم ہند آئین کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں۔ یہ آگ ۱۹۵۳ء سے کئی سال پہلے سُلگھائی گئی۔ ریاست میں رائج قانونِ مزارعان میں ہم نے ترمیم کی اور زمین پر کام کرنے والے کسانوں کو پوزیشن دی۔ جاگیرداری اور چکداری کے خاتمہ کے بعد جو مالک بچ گئے تھے ان پر قانونِ مزارعان نے نئی چوٹ ماری چنانچہ یہ طبقہ ہمارے خلاف برسرپیکار ہو گیا۔ ریاست میں سود خواری کا مسئلہ بھی تھا۔ لاکھوں کسان سود در سود کی چکی میں پسے جا رہے تھے۔ ان قرضوں کی وجہ سے کسان اور مفلوک الحال طبقہ اپنی بہو بیٹیوں کی عصمت فروخت کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ لاکھوں انسانوں کو ہم نے ان مظالم سے آزاد کیا۔ رہن شدہ زمین واپس دلادی۔ ہندوستان میں اس مفاد خصوصی کے طبقہ کی پشت پناہی کی گئی۔

۱۹۴۷ء کے بعد جب ہماری حکومت بنی تو منجملہ دیگر سوالوں کے شخصی حکمرانی کا سوال بھی سامنے آیا۔ ہمارے نظریات کے رو سے ریاست میں اب شخصی حکمرانی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

۱۸۸۶ء کے بیعنامہ امرتسر اور تحریک کشمیر کے ہوتے ہوئے شخصی حکمرانی کو جاری رکھنے کا سوال ہی نہیں رہتا تھا۔ ہم نے موروثی حکمرانی ختم کرنے کے لئے بطور اصول قدم اُٹھایا۔ ہندوستان کی حکومت میں پنڈت نہرو کے بغیر اس کی کسی نے حمایت نہ کی۔ بہرحال ہم اس مقصد میں کامیاب ہوگئے اور بیعنامہ امرتسر کے منطقی تقاضا کو پورا کرتے ہوئے ہم نے ریاست کو شخصی حکومت سے نجات دلائی۔ ہمارا یہ اقدام بھی ہمارے مخالفین کو ایک ہتھیار کے طور مل گیا۔

حکومت ہند کے ساتھ ہمارا ایک بہت بڑا وعدہ یہ تھا کہ ۱۹۴۷ء کے عارضی الحاق کے دوران بھی ہماری اندرونی اٹانومی میں کوئی دست اندازی نہیں ہوگی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے آخری وائسرائے اور سردار ولبھ بھائی پٹیل نے واضح الفاظ میں راجگان ریاست ہائے ہند کے ذریعے ریاستی عوام کو اطمینان دلایا تھا کہ ڈیفنس امور خارجہ اور رسل ورسائل کے بغیر ریاستوں کو مکمل اندرونی خود مختاری حاصل ہوگی اور صرف مذکورہ شعبہ جات مرکز کو سونپے جائیں گے۔ ان شعبہ جات کو چلانے کیلئے بھی ریاستوں پر کوئی مالی بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ کشمیر میں اس قسم کی اٹانومی اور بھی لازمی تھی کیونکہ ہندوستان میں کشمیر ہی ایک ایسا صوبہ تھا۔ جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی ـــــ عارضی الحاق کے دوران خصوصیت سے اور اس کے بعد الحاق کا آخری فیصلہ ہونے تک ایسی

اٹانومی کو برقرار رکھنا ضروری تھا۔ لیکن صورت حال اس کے دگرگوں ہوئی۔ ریاست میں جو قوانین پاس کئے گئے اور اس ضمن میں کچھ اقدام کئے گئے ہندوستان کے مفاد خصوصی کے طبقہ کو یہ برداشت نہ ہوسکا۔ چنانچہ ریاست میں ایسے اقدام کو روکنے کی خاطر ریاست پر ہندوستان کا مکمل آئین نافذ کرنے کا مطالبہ کیا گیا اور ایک ودھان ایک پردھان اور ایک نشان کا نعرہ بلند کیا گیا۔ یہ نعرہ سارے ہندوستان میں دلکش بن سکتا تھا اور اس کے ذریعے عوام کے جذبات بھڑکائے جاسکتے تھے۔ اس نعرے کی آڑ میں کشمیر کی اٹانومی پر وار کئے گئے۔ ہندوستان کا بے خبر پریس اور عام لوگ بھی اس فریب میں آگئے۔ یہ ایک اور ٹکر کی بنیاد تھی۔

محاذ رائے شماری کے ساتھ بیگم شیخ محمد عبداللہ کا بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ الزام غلط ہے کہ میں نے وار کونسل کو محاذ رائے شماری کا نام دیا۔ وار کونسل کے وجود سے میں سراسر انکار کرتا ہوں۔ محاذ رائے شماری کو قائم کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ کا کوئی مشورہ حاصل نہیں کیا گیا۔

شیخ صاحب اور مرزا محمد افضل بیگ اور دوسرے کئی افراد کے خلاف سازش کیس کی کاروائی سپیشل مجسٹریٹ کی عدالت میں جنوری ۱۹۶۲ء میں مکمل ہوگئی اور کیس سیشن سپرد کیا گیا۔ قانونی اعتبار سے یہ ایک بہت بڑا مرحلہ تھا۔ جس کو حکومت کشمیر نے آئی۔جی کی مدد سے طے کرلیا تھا۔ بخشی سرکار اور آئی جی

کا محکمہ جس نے کیس تیار کیا تھا اب سیشن عدالت میں کیس کو تیزی کے ساتھ
آگے لے جانا چاہتے تھے۔ ریاستی سرکار شیخ عبداللہ کے ساتھ قانونی طور نمٹ کر
کھیل ختم کرنا چاہتی تھی۔ لیکن پنڈت نہرو اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ سیاسی
مسائل کو قانونی کارروائیوں سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اچھی طرح جان چکے تھے۔
کہ ایک اہم سیاسی مسئلہ کسی لیڈر کو قانون کی زد میں لانے سے حل نہیں ہو سکتا۔ شیخ
صاحب پر سازش کا مقدمہ کر کے ریاست میں ایک اضطراب کو پیدا کر دیا گیا تھا۔
اس مقدمہ میں اگر ملزموں کو سزا بھی ہو جاتی تو اس کی وجہ سے ریاست میں
کشمکش زیادہ تیز ہو جاتی۔ شیخ محمد عبداللہ کی نظر بندی کو پنڈت جی سیاسی
نقطۂ نگاہ سے دیکھ رہے تھے اور وہ اس کے سیاسی اثرات کا اندازہ لگا رہے تھے۔
بخشی غلام محمد ساری توجہ کیس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی طرف مبذول
کر چکے تھے۔ سیشن عدالت میں مقدمہ پیش ہونے کے بعد جب ریاست میں
سیاسی صورتحال بگڑنے لگی اور اسے کشیدگی اور تناؤ تیز ہونے لگا تو پنڈت
نہرو نے اپریل ۱۹۶۲ء میں جب وہ بیمار تھے۔ پہلی بار شیخ صاحب کے خلاف
سازش کیس واپس لینے کا قدم اٹھایا۔ ان کی ہدایت پر ایک سینئر کونسل نے
درخواست کا مسودہ تیار کیا گیا جس سے بخشی غلام محمد کے پاس سوچ بچار کیلئے
ارسال کیا گیا۔
بخشی غلام محمد کو جب پنڈت نہرو کی طرف سے اس قسم کی ہدایت موصول
ہو گئی تو انہوں نے صدرِ ریاست اور ڈی۔ پی۔ در سے اس تجویز پر تبادلہ
خیال کیا۔ تینوں نے پنڈت نہرو کی تجویز کو غیر موزوں قرار دیا۔ بخشی غلام محمد

ی دہلی روانہ ہو گئے جہاں انہوں نے پنڈت نہرو کے ساتھ اس مسئلے پر بات
کی۔ انہوں نے فرضی خطروں کا ہوا کھڑا کیا۔ پنڈت نہرو بخشی غلام محمد،
پی۔ در اور صدرِ ریاست کے نقطۂ نظر کو سن کر اپنی تجویز واپس لینے
ر ہو گئے اور شیخ صاحب کے خلاف سازش کا مقدمہ چلتا رہا۔ سیشن عدالت میں
لمبا ہونے لگا۔ پنڈت جواہر لعل اب تک کیس کو واپس لینے کا خیال ترک
کر چکے تھے۔ ستمبر ۱۹۶۳ء میں پنڈت جواہر لعل نہرو نے بخشی غلام محمد کو دوبارہ
کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کے خلاف سازش کیس واپس لیں۔ مقدمہ کو
نچ سال ہو گئے تھے اور ابھی اس کا اختتام نظر نہیں آتا تھا۔ اس
سے ریاست کی سیاسی صورتحال اثر انداز ہو رہی تھی کشمیری عوام تو در کنار
ستان کا صائب الرائے طبقہ بھی اب شیخ صاحب کی طویل نظر بندی
مے کی طوالت سے اضطراب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ کیس چلانے والوں
پر شبہ کرنے لگا تھا۔ پارلیمنٹ کے لگ بھگ ایک سو ممبروں کے علاوہ
ے۔ پرکاش نارائن اور مردولا سارا بائی نے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال
زور دینا شروع کیا کہ وہ شیخ صاحب کے خلاف سازش کیس واپس
ہندوستان اور کشمیر میں سازش کیس کے خلاف رائے عامہ سخت ہو رہی
پنڈت نہرو اب رائے عامہ کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ وہ ذہنی
صاحب کے خلاف کیس چلانے کے لئے کبھی تیار نہیں تھے۔ اب جبکہ
رائے عامہ کے ساتھ ہندوستان کا ایک طبقہ بھی شامل ہو گیا تو اُن
کیس کو آگے بڑھانا مشکل بن گیا۔ صدرِ ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ، بخشی

غلام محمد، خواجہ غلام محمد صادق، سید میر قاسم اور بخشی عبدالرشید نے شیخ صاحب کے خلاف کیس واپس لینے کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔ انہوں نے وزیر اعظم کو اپنے ذرائع سے کہا کہ اگر کیس واپس لیا گیا تو ریاست میں حالات خراب ہو جائیں گے۔ پنڈت نہرو ایک بار پھر شیخ صاحب کے خلاف کیس واپس لینے کی تجویز واپس لینے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح سازش کیس چلتا رہا۔

بخشی غلام محمد کا آمرانہ طرزِ عمل

ریاست میں سنہ ۱۹۵۳ء کے بعد بخشی غلام محمد کی قیادت میں جو حکومت قائم کی گئی اُس میں لوگوں کو سیاسی بنیاد پر اپنا ہمنوا بنانے کی جرأت اور طاقت نہیں تھی۔ ۹ر اگست کا واقعہ کشمیر کے سینے پر ایک گہرا زخم بن گیا تھا۔ اس زخم کو مفادات کا مرہم لگا کر مندمل کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ یہ زخم مندمل ہونے کے بجائے ہرا ہو رہا تھا۔ حکمران صرف ناجائز مفادات کے ذریعے لوگوں کو ہمنوا بنانے کی کوششیں کرتے تھے۔ اب ہندوستان اور کشمیر کے درمیان فاصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ عوام میں مفاد خصوصی کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا جس نے سیاسی استحصال کے ذریعے اپنے مفادات کو بڑھاوا دینا شروع کیا۔ حکمران جماعت خود مفادات میں اُلجھ گئی اس نے اپنے اپنے گروہ پیدا کرنے شروع کئے۔ بخشی غلام محمد ایک سال تک اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی حد تک اشتراک کے جذبے سے کام کرتے

وقت گذرنے کے ساتھ انہوں نے آمرانہ طرز اختیار کرنا شروع کیا۔ وہ ہر فیصلہ اپنی مرضی کے مطابق کرنے لگے۔ کابینہ کے ارکان کو انہوں نے مٹی کا مادھو بنانا شروع کیا۔ حکومت اور تنظیم دونوں پر بخشی غلام محمد نے مکمل کنٹرول حاصل کیا۔ بخشی عبدالرشید جو پارٹی کے جنرل سیکرٹری تھے عملی طور ریاست کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ وہ تنظیم کے جنرل سیکرٹری سے زیادہ حکومت کے سربراہ کے طور کام کرتے رہے۔ بخشی غلام محمد اور بخشی عبدالرشید نے ہر معاملہ میں آمرانہ طرز اختیار کیا۔ اس طرز عمل سے حکومت اور پارٹی میں انتشار پیدا ہونے لگا۔ آپسی تعاون مفقود ہونے لگا۔ آمرانہ رجحانات حکومت اور تنظیم کی ہر سطح پر اُبھرنے لگے۔ جی حضوریوں کا ایک بڑا طبقہ پیدا ہو گیا۔ جس نے حکومت اور تنظیم میں اپنے پنجے گاڑنے شروع کئے۔ خواجہ غلام محمد صادق، ڈی۔ پی۔ در، سید میر قاسم اور کچھ دوسرے وزیر اور تنظیمی کارکن بے بسی کے ساتھ اس ساری صورتحال کو دیکھتے رہے۔ بخشی غلام محمد کی سیاست گری سے سماج اور معاشرے میں نئے اور بہت ہی خطرناک رجحانات پیدا ہونے لگے۔ راتوں رات فرش سے عرش تک پہنچنے کا رجحان ہر دل میں اُبھرنا شروع ہو گیا۔ اگست سنہ ۱۹۵۳ء کے فوراً بعد بہت سارے مفلوک الحال لاکھوں کی جائیداد کے مالک بن گئے۔ اب تک کشمیری عوام میں اصولوں اور آدرشوں کا شدید احساس تھا اور وہ اعلیٰ اخلاقی قدروں میں ایمان رکھتے تھے۔ بخشی غلام محمد کے برسراقتدار آنے کے ساتھ ہی اخلاقی قدروں کا زوال شروع ہو گیا۔ شرافت جو کشمیری عوام کا سب سے بڑا سرمایہ تھا چھن جانے لگی۔ حلال و حرام کے درمیان تمیز مٹنے لگی۔ تخریبی ذہن پیدا ہونے لگا۔ وہ لوگ جو ہر قیمت پر سچائی اور صداقت کا دامن تھامے رکھنے کے روادار تھے۔ جھوٹ اور فریب کے ذریعے زندگی بنانے

کی کوششیں کرنے لگے۔ ذہنی تخریب شروع ہوگئی۔ بخشی غلام محمد نے اپنے مکروہ عزائم کو پورا کرنے کیلئے منفی طریقہ کار اختیار کیا۔ اس منفی عمل میں مرکزی سرکار ان کی پُشت پناہی کرنے لگی۔ ۱۹۵۳ء کے واقعہ سے ریاستی عوام کے دلوں پر جو گھاؤ لگے تھے وہ ان تمام منفی کارروائیوں کے باوجود رستے رہے۔ مفادِ خصوصی کا ایک خاص طبقہ پیدا ہوگیا جس نے حالات سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ بخشی غلام محمد نے مولویوں، مُلاؤں، پیروں، مفتیوں اور سیاست میں پٹے ہوئے مہروں کو اپنے کیمپ میں داخل کرنا شروع کیا۔ سابقہ جاگیرداروں، سود خواروں اور استحصالی طبقوں نے ان کا وفادار بن کر مفادات حاصل کرنے شروع کئے۔ بخشی غلام محمد کی ان کارروائیوں سے لوگوں میں اپنے حقوق کے لئے مزاحمت کی قوت اگرچہ کمزور پڑنے لگی لیکن وہ پھر بھی جدوجہد میں مصروف رہے۔

خواجہ غلام محمد صادق، ڈی۔ پی۔ در، میر قاسم وغیرہ کافی عرصہ تک بے بس بن کر کام کرتے رہے۔ ۱۹۵۷ء کے انتخابات میں جب حکمران جماعت نے اسمبلی میں داخلہ حاصل کیا اور وہ سارے لوگ اسمبلی میں داخل ہوگئے جو ۱۹۵۳ء کے واقعہ کے ذمہ دار تھے تو اندرونی کشمکش تیز ہونے لگی۔

بخشی غلام محمد کو برسر اقتدار لانے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ کشمیر اور ہندوستان کے درمیان ادغام کے عمل کو شروع کیا جائے۔ ہندوستان کے رجعت پسندوں نے اسی مقصد سے ان کی حمایت کی تھی۔ بخشی غلام محمد نے برسر اقتدار آنے کے کچھ عرصہ بعد پولیس سروس اور مالی سروس میں ادغام کی اجازت دی۔ اس کے بعد انہوں نے ریاست پر الیکشن کمیشن کا دائرہ اختیار بھی حاوی کرنے کی اجازت دیدی۔ بخشی صاحب نے ۱۹۵۳ء کے فوراً بعد بنیادی اصول طے کرنے سے متعلق ان کمیٹیوں کی جگہ دوسری کمیٹیاں بنائیں

جو شیخ صاحب کے وقت تشکیل دی گئی تھیں۔ ان دو کمیٹیوں نے نئی حکومت کے منشا کے مطابق ہی اپنی رپورٹ پیش کی۔ شیخ محمد عبداللہ کی حکومت میں ان کمیٹیوں کی رپورٹ مختلف نوعیت کی ہوتی۔ شیخ صاحب کو ۱۹۵۳ء میں بنیادی اصولوں سے متعلق کمیٹیوں کی رپورٹ پیش کرنے سے پہلے گرفتار کرنا اس لئے ضروری سمجھا گیا تھا تاکہ ان کمیٹیوں کے ذریعہ اپنے منشا کے مطابق رپورٹیں حاصل کی جائیں۔ بخشی غلام محمد نے اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لئے بہت سارے اختیارات سے دستبردار ہونا تسلیم کیا۔ انہوں نے سروسوں میں ادغام عمل شروع کیا اور مرکزی قوانین کو ریاست پر لاگو کرنے میں بھی مرکز کے منشا کے مطابق کرنا شروع کیا۔ حکومت پر گرفت حاصل کرنے کیلئے وہ ایک اختیار کے بعد دوسرا اختیار مرکز سپرد کرتے رہے۔ ان کا مقصد حکومت تھی اور حکومت پر براجمان رہنے کے لئے وہ کشمیر کی اٹانومی کو نظرانداز کرنے لگے۔ الیکشن کمیشن اور سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار ریاست پر حاوی کرنا ریاستی اٹانومی پر سب سے بڑا ضرب تھا۔

۱۹۵۳ء کے واقعہ کے چار سال بعد ریاست میں سیاسی حالات بہت ہی خطرناک صورت اختیار کرنے لگے۔ ایڈمنسٹریشن میں کورپشن نمو پکڑنے لگا۔ انتظامیہ کی ہر سطح پر کورپشن خطرناک صورت میں ظاہر ہونے لگا۔ وزارتی سطح سے ہی کورپشن ایڈمنسٹریشن کی نچلی سطحوں تک جانے لگا۔ اب تک انتظامیہ میں کام کرنے والے اور ملازم اپنی سرکاری ذمہ داریاں، دیانتداری کے ساتھ پورا کرتے تھے اب سیاسی مصلحتوں کے مطابق کام کرنے پر مجبور کیا جانے لگا۔ افسروں اور بہت دوسرے عہدیداروں نے کچھ وقت تک اپنے فرائض منصبی غیر جانبداری اور دیانتداری کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کی لیکن وزارتی سطح پر بڑھتے ہوئے

دباؤ کے سامنے ان کو بالآخر جھک جانا پڑا اور انہیں اپنی کارکردگی نئے نظام کی سیاسی ضرورتوں کے مطابق انجام دینا پڑیں۔ انتظامیہ میں سیاسی طالع آزماؤں کی مداخلت بڑھنے لگی۔ حکومت نے سرکاری عہدوں پر ایسے لوگوں کو مسلط کرنا شروع کیا۔ جن کی وفاداریاں نئے نظام کے ساتھ غیر مشکوک تھیں۔ ایسے آفیسروں کے اعلیٰ انتظامی عہدوں پر حاوی ہونے کے بعد ایڈمنسٹریشن میں بھرشٹاچار تیز ہونے لگا۔ اس قسم کے نظام میں کوئی بھی آفیسر اپنے فرائض دیانتداری کے ساتھ انجام دینے کے ناقابل بن گیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ انتظامیہ میں بدعنوانیاں عام ہو گئیں۔ اب ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینا ہر ملازم کیلئے مشکل بن گیا چنانچہ کورپشن عام ہو گیا اور انتظامیہ کی تمام سطحوں پر رشوت کا لین دین تیز ہو گیا۔

۱۹۵۷ء کے بعد اسمبلی میں جو لوگ عوام کے نمائندے بنا کر پیش کئے گئے وہ سب اپنے اپنے حلقوں میں مطلق العنان بننے لگے۔ انہوں نے اپنے حلقوں میں مقامی ایڈمنسٹریشن کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا شروع کیا۔ ہر ممبر اسمبلی اپنے علاقہ کا ڈکٹیٹر بن گیا۔ اسکی مرضی کے بغیر کوئی بھی بڑے سے بڑا آفیسر کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ ممبران اسمبلی بہت بے لگام بنا دیئے گئے۔ انہوں نے خوب ہاتھ پاؤں مارنا شروع کئے۔ جو آفیسران کی مرضی کے مطابق کام کرنے پر تیار نہیں ہو جاتا تھا اس کا فوراً ہی کسی دور مقام کی طرف تبادلہ کیا جاتا تھا یا مختلف طریقوں سے اسے تنگ کیا جاتا تھا۔ پبلک ورکس اور دوسرے محکموں میں اپنے لگے بندوں کو ٹھیکیدار بنا کر ڈال دیا گیا۔ اپنے بیٹے بیٹیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرایا گیا اس طرح انتظامیہ پر اپنے پنجے مضبوطی کے ساتھ گاڑ دیئے گئے۔

مرکزی حکومت نے ریاست میں ترقی اور تعمیر کے کام شروع کئے جانے کیلئے ۱۹۵۳ء کے فوراً بعد فراخ دلی کے ساتھ اقتصادی اور مالی امداد فراہم کرنا شروع کی۔ اقتصادی فائدے فراہم کرنے سے کشمیر میں سماجی اونچ نیچ کم ہونے کے بجائے بڑھنے لگی۔ اب تک ریاست میں (اعلیٰ متوسط اور نچلا) تین طبقے تھے۔ مرکز کی طرف سے مالی امداد کے بعد ریاست میں (بالائی اور نچلا) دو ہی طبقے رہ گئے۔ متوسط طبقہ مٹ گیا۔ سماجی عدم مساوات سے سیاسی مسئلہ زیادہ قوت اور طاقت حاصل کرنے لگا۔ اقتصادی فائدوں کے ذریعے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی جو کوشش کی گئی تھی۔ وہ کامیاب ہوتی نظر نہ آئی۔ ریاستی عوام کا بہت بڑا طبقہ افلاس میں زندگی گذارنے لگا۔ ریاست میں ترقی و تعمیر کی خاطر جو پلان تیار کئے گئے ان کو اس طرح ترتیب دیا گیا کہ ایک مخصوص طبقے کو ہی ان کا فائدہ مل گیا۔ مرکز سے حاصل ہونے والی بھاری مالی اور اقتصادی امداد سماج میں کوئی توازن پیدا نہ کر سکی۔ یہ ٹھیک ہے کہ مرکز کی مالی امداد سے کاروباری، تجارتی اور تعمیری سرگرمیاں تیز ہو گئیں اور اس کی بدولت عام لوگ مختلف کاموں میں حصہ لے کر روزگار حاصل کرنے لگے۔ اس مالی امداد سے کوئی ٹھوس فائدہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ مرکز کی بھاری امداد سے ریاست میں اپنے مالی وسائل پیدا نہیں کئے گئے۔ اس ساری امداد کو غیر پیداواری سکیموں پر صرف کیا جانے لگا۔ ریاست میں مالی بے ضابطگیوں کے باعث مالی ڈسپلن ختم ہو گیا۔ آفیسر اور عہدیدار من مانیاں کرنے لگے۔ وہ اپنی مرضی اور اپنی ضرورتوں کے مطابق سرکاری فنڈ استعمال کرنے لگے۔

١٩٥٢ء سے ١٩٥٨ء تک بے شک بہت سارے تعمیری کام کئے گئے۔ لیکن ان کی وجہ سے نہ عوام کی اقتصادی حالت سدھاری جاسکی اور نہ ہی آمدن کے اپنے وسیلے پیدا کئے گئے۔ اس بھاری امداد کے غلط استعمال سے خود انحصاری کا جذبہ ختم ہوگیا اور مرکز کی طرف ہر بات کے لئے ہاتھ پھیلانے کا رجحان تیز ہوگیا۔

ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کا قیام

بخشی غلام محمد کی کابینہ میں خواجہ غلام محمد صادق سینئر وزیر تھے۔ بخشی صاحب نے اُن کو مٹی کا مادھو بنا دیا تھا۔ ہر کام بخشی غلام محمد اور بخشی عبدالرشید کی مرضی سے ہوتا تھا۔ ان آمرانہ کاروائیوں سے صادق صاحب، قاسم صاحب، ڈی پی۔ دھر اور کچھ دوسرے وزیر بے دست و پا بن گئے تھے۔ وہ حکومت میں اپنی بالادستی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ بخشی غلام محمد کے سامنے ان کی کچھ بھی نہیں چلتی تھی۔ ١٩٥٧ء کے انتخابات کے بعد جب نئی وزارت تشکیل دی گئی تو اختلافات تیز ہونے لگے۔ خواجہ صادق اور ان کے ساتھیوں نے بخشی غلام محمد پر دباؤ ڈالنے اور خود مرکزی حکومت کو مرعوب کرنے کے لئے ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالدی۔ ڈیموکریٹک پارٹی نے کئی طریقوں سے مرکز اور بخشی غلام محمد پر دباؤ ڈالا۔ مرکزی سرکار سمجھتی تھی کہ ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کس لئے اور اس کی طاقت کیا ہے۔ اس پارٹی میں صرف وہ لوگ شامل ہونے لگے تھے جن کے مفادات بخشی غلام محمد کی سربراہی میں

پورا نہیں ہوسکے تھے۔ کئی سال تک ڈیموکریٹک پارٹی چلانے کے بعد جب اس کے لیڈروں کو معلوم ہوا کہ آنے والے انتخابات میں اُن کو اسمبلی سے بھی دھکیل دیا جائے گا۔ تو انہوں نے مصالحانہ رویہ اختیار کیا۔ مرکزی سرکار بھی چاہتی تھی کہ ڈیموکریٹک پارٹی اپنے علیحدہ وجود کو ختم کرکے بخشی غلام محمد کے ساتھ اشتراک کرے چنانچہ ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس ختم ہوگئی اور اس کے لیڈر واپس بخشی غلام محمد کی پناہ میں آگئے اور وہ حکومت کے اندر رہ کر ہی بخشی غلام محمد کے ساتھ مقابلہ کرنے کے منصوبے تیار کرنے لگے۔

١٩٥٣ء کے بعد ریاست کے اندر عوام میں اضطراب بڑھ گیا۔ اور ایڈمنسٹریشن مالی بے ضابطگیوں کے باعث مرکز کے لئے پریشانی کا باعث بن گیا۔ مرکزی سرکار کشمیر کے معاملے پر ایک طرف عالمی رائے کا بُری طرح سامنا کرنے لگی۔ دوسری طرف ریاست میں رائے عامہ بہت سخت ہو رہی تھی نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ تنظیم اور حکومت کی تمام سطحوں پر صرف انتشار دیکھا جارہا تھا۔ اس انتشاری کیفیت میں ریاست کے سیاسی اور اقتصادی مسائل میں زیادہ شدت پیدا ہونے لگی۔ اس قسم کے حالات کو کچھ نئی سیاسی تبدیلیوں کے ذریعہ دور کرنے پر غور کیا جارہا تھا۔ ١٩٥٣ء کے بعد مرکزی حکومت بخشی غلام محمد کے ذریعہ ریاست پر اپنا کنٹرول قائم کرنے کا عمل شروع کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اس کے باوجود اصلاح احوال کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی مسائل پیچیدہ بن رہے تھے۔ مرکزی حکومت ان میں بُری طرح اُلجھ گئی تھی۔ کشمیر کے بارے میں مرکز کو کئی قسم کے دباؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ بخشی غلام محمد کو برسراقتدار لاکر

ادغام کا عمل شروع ہوگیا تھا۔ لیکن اس کے نتیجے میں نئے نئے مسئلے پیدا ہوگئے تھے۔ ریاست میں جو حکومتی گروہ پیدا ہوگیا تھا وہ ایک اثاثہ ثابت ہونے کے بجائے ایک خطرہ بننے لگا تھا۔ اس گروہ کی بے ضابطگیوں اور بداعمالیوں سے ریاست پر مجموعی طور پر جو اثر پڑ رہا تھا۔ اُسے مرکز اور ریاست کے درمیان فاصلے بڑھ گئے تھے۔ مرکزی حکومت اس گروہ سے وابستہ لوگوں کو نہ حکومت سے ہٹانے کی پوزیشن میں تھی اور نہ ہی اس گروہ کو ریاست پر حاوی رکھنا مفید تھا۔ انہی حالات میں کامراج پلان ترتیب دیا گیا۔

ناجائز مفادات

۱۹۵۳ء میں جو کچھ کیا گیا وہ ایک منفی عمل تھا۔ اس منفی عمل نے منفی اثرات پیدا کئے۔ بخشی غلام محمدؐ نے ۱۹۵۳ء کے بعد جو منفی کارروائیاں کیں ان کے لئے انہیں مرکزی لیڈروں کی تائید و حمایت حاصل تھی اس وقت جو منفی رو چلی تھی اس کو منفی طریقے سے ہی روکا جاسکتا تھا۔ بخشی غلام محمدؐ نے ناجائز رعایات کے ذریعہ اپنا سیاسی محل تعمیر کرنا شروع کیا۔ انھوں نے رعایات اور رشوتوں کا جال بچھایا۔ اس جال میں آہستہ آہستہ زیادہ سے زیادہ لوگ پھنسنے لگے۔ ان رعایات سے پورے سماج میں ایک کشمکش کی فضا پیدا ہوگئی لوگ اس بات پر غور کرنے لگے کہ وہ مفادات حاصل کرکے عیش کی زندگی بسر کریں یا حقوق اور ... کے تحفظ کرنے کی خاطر زندگیاں برباد کریں۔ یہ خیال لوگوں کے ذہنوں میں بری طرح پھیلنے لگا۔ بہت سارے لوگ اپنی زندگی کو دل نواز بنانے کے لئے ناجائز مفادات کی طرف دوڑنے لگے۔

استحصال کے حربے

ابتدا میں بخشی غلام محمد اور خود مرکزی لیڈر خوش ہوگئے کہ لوگوں میں اپنے حقوق کے لئے لڑنے کا جذبہ مٹتا جا رہا ہے اور وہ مفادات کی خاطر ہی سہی ان کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں۔ جب مفادات کو ترجیح دینے والے لوگوں کی تعداد

پڑھنے لگی اور بڑے بڑے جگا دھری بھی مفادات کی خواہش میں بخشی غلام محمد کی پابوسی
کرنے لگے تو نتیجہ یہ نکلا کہ ناجائز مفادات کا یہ لین دین ایک مصیبت بننے لگا۔

حکومت چلانے والے لیڈر زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ناجائز مفادات
پورا کرنے کے لئے مرکز سے مزید امداد طلب کرنے لگے۔ مرکزی لیڈروں نے ابتدا میں
فراخدلی سے کام لیا۔ جب انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کی امداد سے ایک مفاد پرست
طبقہ پیدا ہو رہا ہے اور یہ طبقہ وسعت حاصل کر کے مرکز کو بھی ایکسپلائٹ کرنے
لگا ہے تو مرکزی لیڈر سوچ و پیچ میں پڑ گئے۔ حکمراں طبقہ مرکز کی فراخدلی سے اس قدر
ڈھیٹ بن گیا کہ اس نے نئی دہلی کو بھی آنکھیں دکھانا شروع کر دیں۔ بخشی غلام محمد
مرکز کے وفادار بن کر کشمیر میں من مانیاں کرنے لگے، نئی دہلی ریاست پر زیادہ سے
زیادہ کنٹرول حاصل کرنے کے لئے بخشی غلام محمد سے جو کچھ حاصل کرنا چاہتی
تھی، اس میں وہ کامیاب ہو گئی۔ سیاسی اور آئینی اختیارات سے دست بردار
ہونے کے عوض بخشی غلام محمد نے بھی پوری قیمت چکانی شروع کی۔ مرکزی سرکار
جس مقدار سے کشمیر کے لئے فیاضانہ امداد فراہم کرتی رہی تھی اس امداد سے
یہاں سیاسی وفاداروں کا ایک بہت بڑا طبقہ پیدا ہو گیا۔ جس نے اپنے سیاسی
استحصال کے ذریعہ صرف اپنے مفادات کے لئے کام کرنا شروع کیا۔

کامراج پلان

نئی دہلی میں بیٹھے ہوئے لیڈر کشمیر کی صورت حال کو دیکھتے رہے۔ اس نئی صورتحال

خوش نہیں تھے۔ اس صورت حال کو بدلنا اب کافی مشکل تھا۔ ۱۹۵۳ء میں شیخ
ب کو اقتدار سے ہٹا کر جو حماقت کی گئی تھی اگر اب اس قسم کی دوسری حماقت
اتی تو اس کا ساری دنیا میں ہندوستان کے لئے خطرناک ردّعمل ہو سکتا تھا۔
ی غلام محمد کو کامراج پلان کے تحت حکومت سے دستبردار ہونے پر آمادہ کیا گیا
کامراج پلان کے تحت کانگریس کے ان وزیروں کو جو مرکز اور ریاستوں میں کافی مدت
وزارتی ذمہ داریاں پوری کر رہے تھے اپنے عہدوں سے سبکدوش ہونے
لئے تیار کیا گیا۔ بخشی غلام محمد نے بھی دوسرے کانگریسی وزیروں کا اتباع کرتے
ئے وزارت عظمیٰ سے اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ بخشی غلام محمد کو پورا یقین تھا
دوسرے تمام کانگریسی وزیروں کا استعفیٰ منظور کیا جائے گا۔ لیکن ان کا استعفیٰ
رت میں بھی منظور نہیں ہوگا۔ انہیں خیال تھا کہ پنڈت جواہر لال نہرو ان کی
ف، قیادت اور وفاداری پر غیر متزلزل اعتقاد رکھتے ہیں جب ان کا استعفیٰ
ر لیا گیا تو انہیں اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا۔

کشمیر میں ان کے وفاداروں نے زبردست احتجاج کیا، انھوں نے "بخشی صاحب
کو، استعفیٰ واپس لو" کے نعرے بلند کرنے شروع کئے۔

ین کا مسئلہ

بخشی غلام محمد کو اپنے عہدے سے الگ کرنے سے پہلے ان کے جانشین کے
کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا تھا۔ مرکزی لیڈروں کی نظر میں خواجہ غلام محمد صادق

پر تھے ہیں۔ بخشی غلام محمد کے بعد وہی سینئر لیڈر تھے۔ جانشین کا مسئلہ بخشی غلام محمد کے استعفے کے فوراً بعد الجھ گیا۔ بخشی عبدالرشید جو نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکریٹری تھے نے بخشی غلام محمد کا جانشین بننے کی کوشش کی۔ بخشی غلام محمد اگرچہ بخشی عبدالرشید کے جانشین بننے کے بارے میں مطمئن نہ تھے لیکن وہ صادق صاحب کو بھی اپنا جانشین بنانے کے حق میں نہ تھے۔ انہیں صادق صاحب کے بارے میں بہت سارے خدشات تھے۔ صدر ریاست کرن سنگھ چاہتے تھے کہ خواجہ غلام محمد صادق فوراً حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ ان کا رجحان صادق صاحب کی طرف ہی تھا اور وہ جانشین کا مسئلہ فوراً حل کرنا چاہتے تھے۔ صدر ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ کے اس رویہ کے باعث بخشی غلام محمد نے انہیں ریاست سے باہر کرنے کی دھمکی دی تھی بخشی غلام محمد چاہتے تھے کہ اگر خواجہ غلام محمد صادق ان کے جانشین بن جائیں تو انہیں اپنی کابینہ میں ایسے وزیروں کو لینا ہوگا جن کے نام وہ پیش کریں۔ خواجہ غلام محمد صادق وزیروں کا انتخاب اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں وہ بخشی غلام محمد کے مشورے کو قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ اسمبلی میں اکثر ممبروں کا اعتماد بخشی غلام محمد پر ہی تھا۔ صدر ریاست نے بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق کے حامیوں کے ساتھ تبادلہ خیال کرکے منسٹروں کی ایک فہرست تیار کی جس میں بخشی اور صادق کے حامیوں کو مناسب نمائندگی دی گئی۔ اس قسم کا سمجھوتہ کرنے کے بعد ایک بار پھر الجھن پیدا ہوگئی۔

بخشی غلام محمد کو کشمیر کی قیادت سے الگ کرنے کا مقصد ریاست کے

حالات میں سدھار پیدا کرنا تھا۔ بخشی صاحب نے حکومت سے الگ ہوکر حکومت پر اپنا کنٹرول رکھنے کا انتظام کیا۔ انھوں نے مرکزی لیڈروں کے منشا کے خلاف خواجہ شمس الدین کو ریاست کا وزیر اعظم بنا دیا۔

وزیر اعظم شمس الدین

کشمیر کی وزارت عظمیٰ پر خواجہ شمس الدین کے براجمان ہونے کے بعد شری جواہر لال نہرو اور دوسرے کانگریسی لیڈر کشمیر میں خوش گوار تبدیلیاں پیدا کرنے کے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے مواقع کھو بیٹھے۔ اس نئی صورت حال کو مرکزی لیڈر خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔ بخشی غلام محمد نے شمس الدین کو کشمیر کا وزیر اعظم بنا کر مرکز کو ایک بہت بڑا چیلنج دیا تھا۔ اس چیلنج کا مرکز کی طرف سے کیا جواب ملتا ہے۔ اس پر ہر طرف سے چہ می گوئیاں ہو رہی تھیں۔

موئے مقدس کی گمشدگی

۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کو آثار شریف حضرت بل سے موئے مقدس گم ہو گئے اس سانحہ نے سارے کشمیر کو ہلا کر رکھ دیا۔ اور ایک زبردست تحریک اٹھی۔ کشمیر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بغاوت کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمان اپنی پوری قوت سے اس سانحہ پر غم و غصے کا اظہار کرنے لگے۔ سارا کشمیر ماتم کدہ بن گیا۔ مسلمان تمام علاقوں میں احتجاج کرنے لگے۔ یہ ایک پرامن مگر خطرناک تحریک تھی۔ جگہ جگہ

جلوس نکلنے لگے۔ کشمیر کی تاریخ میں کبھی بھی مسلمانوں نے کسی مسئلے پر اس قسم کے اتحادؔ اور یک جہتی کا ثبوت نہیں دیا۔ مسلمان طوفان کی طرح اٹھے، حکومت کے ایوان اس ایجی ٹیشن سے ہلنے لگے۔ ایک بہت ہی خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی۔ مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی اس سانحہ پر افسوس کا اظہار کرنے لگے۔ کشمیر میں مولانا محمد سعید مسعودی نے قیادت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ انھوں نے ایکشن کمیٹی قائم کی جس کا مطالبہ موئے مقدس کی بازیابی اور موئے مقدس کو اٹھا لینے کی سازش بے نقاب کرنا تھا۔

موئے مقدس کو اپنی جائے پاک سے اٹھانے کے پیچھے ایک سیاسی مقصد کارفرما تھا یہ کس کی سازش تھی اور اس سازش میں کون ملوث تھا۔ یہ سب کچھ اب تک ایک راز ہے تیرہ سال گزرنے کے باوجود بھی اس راز پر سے پردہ نہیں ہٹایا گیا ہے۔ ہندوستان کے انٹلی جنس چیف بی۔ این ملک نے جنہوں نے موئے مبارک کی بازیابی میں اہم رول ادا کیا نے اپنی کتاب (مائی ایرس ود نہرو) میں اس راز کو افشا نہیں کیا ہے۔ موئے مقدس، کی گمشدگی اور اس کو اپنی جگہ سے اٹھانے کا الزام تین اشخاص عبدالرحیم باندے، عبدالرشید اور غلام قادر پر عائد کیا گیا لیکن اس راز کو بے نقاب کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس واقعہ میں ملوث اشخاص کے خلاف عدالت میں کیس دائر کرنے تک ہی قانونی کارروائی محدود رکھی گئی۔

موئے مقدس کا واقعہ ایک سنگین جرم تھا۔ اس جرم کے محرکات سیاسی ہی تھے اس واقعہ کے ذمہ دار کون لوگ تھے؟ اور کن سیاسی مقاصد کو پورا کرنے کے

لئے اس قسم کے جرم کا ارتکاب کیا گیا۔ اس بارے میں مختلف رائیں پیش کی جا رہی ہیں

حکومت مفلوج ہو گئی

موئے مقدس کی بازیابی کے بعد ریاست میں سیاسی حالات خراب ہو گئے ہڑتالوں، جلسوں اور جلوسوں کی وجہ سے شمس الدین کی حکومت مفلوج بن گئی۔ مرکزی حکومت کشمیر کے واقعات سے کافی گھبرا گئی تھی مرکزی لیڈر اور افسر کشمیر آئے کشمیری عوام کی طرف سے شیخ صاحب کی رہائی کا مطالبہ تیز ہونے لگا۔ ہر طرف سے یہی خیال ظاہر کیا جانے لگا کہ اس بگڑی ہوئی صورت حال کو اگر کوئی ٹھیک کر سکتا ہے تو وہ صرف شیخ محمد عبداللہ ہیں۔ خود پنڈت جواہر لال نہرو نے اس حقیقت کو تسلیم کیا۔ انھوں نے موئے مقدس کے واقعہ کے بعد کہا:

"پندرہ سال کی وابستگی کے بعد مجھے اگر ریاست میں عدم استحکام ہے اور موئے مقدس جیسے واقعہ سے عوام حکومت کے خلاف اٹھ سکتے ہیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ کشمیر کے بارے میں ہمیں اپنی سوچ بدلنی ہے اور کچھ ٹھوس تبدیلیاں کرنی ہیں، مجھے یہ دیکھ کر مایوسی ہوتی ہے کہ کشمیر کے لوگ اب تک غیر مطمئن ہیں اور اس عدم اطمینان کی وجہ حکومت کی بدنظمی ہے۔ شیخ محمد عبداللہ اب تک عوام پر زبردست گرفت رکھتے ہیں بدلے ہوئے حالات میں ریاست میں ان کے

بغیر کوئی بھی سیاسی تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی[1]"

خواجہ غلام محمد صادق وزیر اعظم بنائے گئے

موئے مقدس کے واقعہ کے بعد نظم و نسق کی ذمہ داریاں خواجہ غلام محمد صادق کو سونپ دی گئیں۔ اس بار بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق کے درمیان لال بہادر شاستری نے مصالحانہ رول ادا کیا۔ ان کی کوششوں سے بخشی غلام محمد اور ان کے ساتھی صادق صاحب کو ریاست کا وزیر اعظم تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گئے نیشنل کانفرنس میں بخشی اور صادق گروہ کے درمیان اس سمجھوتہ کے باوجود کشیدگی باقی رہی اور بخشی صاحب خواجہ غلام محمد کے تئیں کئی قسم کے خدشات میں مبتلا رہے

خواجہ غلام محمد صادق نے ریاست میں کشمکش ختم کرنے کی غرض سے شیخ صاحب کے خلاف سازش کیس واپس لے لیا۔ اور ان کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے پہلے ہی کشمیر سازش کیس کو جاری رکھنے کے خلاف اپنی رائے ظاہر کی تھی اور وہ شیخ صاحب کی مسلسل نظربندی سے بہت ہی تشویش میں تھے۔ موئے مقدس کے واقعہ نے اب ریاست میں غیر معمولی سیاسی تبدیلیاں پیدا کرنے کی ضرورت کو شدت سے اُجاگر کر دیا تھا۔ اور اس ضرورت کو نہ صرف مرکز نے بلکہ ریاستی حکومت نے بھی محسوس کر لیا تھا۔

---

[1] بی۔ این ملک۔ "پنڈت نہرو کے ساتھ میرے ایام"

نیا طرزِ فکر

حالات کے نئے تقاضوں کے مطابق اب کشمیر کے سیاسی مسائل کو حل کرنے کی ضرورت تھی اس ضمن میں جو پہلا کام کیا گیا وہ خواجہ غلام محمد صادق کے ہاتھ میں ریاستی حکومت کی باگ ڈور تھما دینا تھا۔ حکومت کے سربراہ کی تبدیلی کے فوراً بعد شیخ صاحب کے ساتھ مذاکرات شروع کئے گئے اور کشمیر کے مسئلے پر اس کے وسیع پس منظر میں غور کیا جانے لگا۔ شیخ صاحب کو رہا کر کے پنڈت جواہر لال نہرو، ان کی شخصیت کو کئی مسائل کے حل کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے فوراً شیخ صاحب کو نئی دہلی طلب کیا جہاں کشمیر کے مسئلے کے کئی پہلوؤں پر طویل مذاکرات کے بعد شیخ صاحب کو پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پنڈت جی اب اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ اگر کشمیر کے مسئلے کو حقیقت پسندی سے حل کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو یہ آئندہ برصغیر کے لئے ایک ناسور بن جائے گا۔ اور اس کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان ایک دوسرے کے ساتھ الجھتے رہیں گے۔ برصغیر کی صورت حال میں ایک خوش گوار تبدیلی پیدا کرنے کے لئے شیخ صاحب کو ایک اہم مشن پر پاکستان بھیج دیا گیا۔

شیخ صاحب جب پاکستان کے دورے پر روانہ ہوئے تو وہاں جگہ جگہ ان کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ صدر ایوب اور دوسرے پاکستانی لیڈروں کے ساتھ ان کی بات چیت ہوئی۔ ابھی شیخ صاحب کو پاکستان آئے ہوئے دو ہی روز گزرے تھے کہ پنڈت جواہر لال نہرو سورگباش ہو گئے۔

۲۷ مئی ۱۹۶۴ء کو پنڈت جی وفات پا گئے۔ شیخ صاحب پنڈت جی کی وفات کی خبر سنتے ہی دہلی واپس آ گئے۔ اس طرح ان کا مشن ادھورا رہا۔

شری جواہر لال نہرو کی وفات کے بعد شری لال بہادر شاستری ان کے جانشین بن گئے۔ شری شاستری ایک قابل سیاست دان تو ضرور تھے لیکن ان میں فیصلہ دینے کی وہ قوت نہ تھی جو شری جواہر لال نہرو میں تھی۔ مرکزی حکومت اب اس پوزیشن میں نہ تھی کہ وہ کشمیر میں حالات کو سدھارنے کے لئے اس کام کو مکمل کرتی جو شری جواہر لال نہرو نے شروع کیا تھا۔

۱۹۵۳ء میں بخشی غلام محمد کو برسر اقتدار لا کر کشمیر میں جو منفی عمل شروع کیا گیا تھا اس کے اثرات کو دور کر کے صحت مند تبدیلیاں پیدا کرنا خواجہ غلام محمد صادق کے بس کی بات نہ تھی۔ بخشی غلام محمد حکومت سے الگ ہو کر شرارتیں کرنے کے منصوبے تیار کر رہے تھے، حکومت کو پریشان کرنے اور اس کے سامنے مشکلات پیدا کرنے کی ان میں اب تک قوت تھی۔ اسمبلی کے اکثر ممبران ابھی تک ان ہی کے اثر میں تھے نیشنل کانفرنس پر بھی ابھی تک ان کا ہی غلبہ تھا۔ چنانچہ وہ کسی وقت بھی حکومت کے لئے خطرہ بن سکتے تھے۔

ریاست میں کانگرس

خواجہ غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد کی امکانی شرارتوں سے بے خبر و اقف نہ تھے انھوں نے بخشی غلام محمد کے خطرے کو ٹالنے کے لئے اور اپنی پوزیشن کو مضبوط بنانے کے

لئے خطرناک قسم کے اقدامات کئے اپنے اقتدار کو محفوظ بنانے کی خاطر انھوں نے مرکز کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ مرکز کو خوش کرنے کے لئے انھوں نے ریاست میں نیشنل کانفرنس کو ایک سیاسی جماعت کے طور پر ختم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اور کانگرس کی شاخ یہاں قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مرکزی لیڈر اس تجویز کو قبول کرنے سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے تھے، وہ ریاست پر زیادہ سے زیادہ سیاسی کنٹرول قائم کرنا چاہتے تھے کانگرسی لیڈروں نے ریاست میں کانگرس کی شاخ قائم کی اس طرح ریاست پر براہ راست سیاسی اور تنظیمی کنٹرول قائم کیا۔

اب تک نیشنل کانفرنس ایک علیحدہ جماعت کے طور پر کام کرتی تھی اس جماعت کے کانگرس کے ساتھ گہرے تعلقات تھے اور یہ کانگرس کے ایک یونٹ کی حیثیت ہی رکھتی تھی

بخشی صاحب کا عدم اعتماد

بخشی غلام محمد نے ۱۹۶۴ء میں خواجہ غلام محمد صادق کی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی ایک تحریک پیش کی، جس سے صادق حکومت کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا، خواجہ صادق نے اس خطرے کو ٹالنے کے لئے اسمبلی کا اجلاس ہی ملتوی کرا دیا۔

عدم اعتماد کی اس تحریک کے بعد ہی کشمیر کی آئینی اور سیاسی پوزیشن میں تبدیلی کرنے کی طرف قدم بڑھانے شروع کئے گئے۔ عدم اعتماد کی اس تحریک کے بعد مرکزی حکومت کشمیر کے بارے میں زیادہ متفکر بن گئی۔ اس بار اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر کے خواجہ غلام محمد

صادق کو بچایا گیا تھا لیکن اس کارروائی نے مستقبل کے بارے میں خدشات پیدا ہوگئے اس وقت تک مرکزی حکومت کشمیر کے اندر براہِ راست طور کوئی آئینی اور انتظامی کاروائی کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ اس واقعہ کے بعد ہی نئی دہلی نے کشمیر کی خصوصی پوزیشن پر اثر انداز ہونا شروع کیا۔ اس سلسلے میں دو اہم اقدام کئے گئے۔ ریاست پر آئینِ ہند کا آرٹیکل ۳۵۶ حاوی کر دیا گیا۔ اس آرٹیکل کو ریاست پر حاوی کرنے کے بعد ہی صدر جمہوریہ ہند کو ریاست پر صدر راج نافذ کرنے کا اختیار مل گیا۔

اس آرٹیکل کو ریاست پر حاوی کرنے کے ساتھ ہی کشمیر میں کانگریس کی شاخ قائم کی گئی اور نیشنل کانفرنس کو ختم کیا گیا۔ ان دو اقدامات سے ریاست کی آئینی اور سیاسی انفرادیت بری طرح اثر انداز ہوگئی۔ اب ریاست پر مرکز کا آئینی اور سیاسی کنٹرول قائم کیا جا چکا تھا۔

شیخ صاحب نے ان دونوں اقدامات کے خلاف اپنے زبردست ردِ عمل کا اظہار کیا۔ انہوں نے ترکِ موالات کا نعرہ دیا۔ انہوں نے کشمیری عوام سے کہا کہ وہ کانگریس کا بائیکاٹ کریں۔

اٹانومی میں رخنہ اندازی

بخشی غلام محمد نے اپنے دورِ حکومت میں ریاست پر الیکشن کمیشن کا دائرہ اختیار تسلیم کیا۔ خواجہ غلام محمد صادق بہت سارے آئینی اختیارات مرکز کو سونپنے میں ان سے بہت آگے بڑھ گئے۔ صادق صاحب نے ریاست پر آئینِ ہند کا دفعہ ۳۵۶ ہی نافذ نہیں کرایا

...انہوں نے صدرِ ریاست اور وزیرِ اعظم کے عہدوں کے نام تبدیل کرکے ان کو گورنر اور وزیر ...اعلیٰ کا نام دینا مان لیا۔ صادق صاحب زیادہ سے زیادہ آئینی اور انتظامی اختیارات مرکز کے ...حوالے کرنے میں بہت فراخ دل بن گئے۔ جس وقت ہندوستان کی دوسری ریاستیں زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل کرنے کا مطالبہ کر رہی تھیں خواجہ غلام محمد صادق زیادہ سے ...اختیارات سے دستبردار ہونے کے لئے راضی ہو رہے تھے۔

بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق کی اقتدار کی رسہ کشی کا فائدہ مرکزی سرکار ...نے اٹھایا۔ اس رسہ کشی میں ہی مرکز نے ریاست پر سیاسی آئینی اور تنظیمی کنٹرول قائم کیا۔ انہی ...لیڈروں کے دور میں مرکز اور ریاست کے درمیان کئی سطحوں پر ادغام کا عمل شروع ہو گیا ...ریاست اور مرکز کے درمیان انتظامی اور مالی ادغام ہوا۔ مختلف سروسوں جن میں پولیس ...سروس، فارسٹ سروس اور ایڈمنسٹریٹو سروس شامل ہیں میں ادغام کا عمل تیز ہو گیا ...کلیدی عہدوں پر مرکز کے آفیسر تعینات کئے گئے۔

...ترکِ موالات

کشمیر کی خصوصی پوزیشن کو ختم کرنے میں خواجہ صادق نے جو کارروائیاں کیں ان سے ...کشمیری عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حکومت نے عوام کے شدید ردِ عمل کو دیکھ کر تحریکیں ...دبانے کے علاوہ دباؤ اور دھمکی کا حربہ استعمال کرنا شروع کیا۔ کانگریس جو معتوب بن گئی تھی ...اس کو زندہ رکھنے کے لئے مفادات کا جال بچھایا گیا۔ اس طرح دوبارہ منفی لہر شروع ہوگئی۔ صادق ...صاحب منفی عناصر کے سہارے تنظیم چلانے پر مجبور ہوگئے۔

ریاست میں پہلے ہی مفاد خصوصی کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو چاہتا تھا کہ یہاں پھر وہی حالات پیدا ہو جائیں جن میں ان کو اپنے مفادات کو بڑھاوا دینے کا موقع ملے یہ سب مفاد خصوصی کانگرس میں داخل ہونے لگے۔

مئی ۱۹۶۵ء میں شیخ صاحب اور مرزا محمد افضل بیگ نئی دہلی میں گرفتار کئے گئے ان کی گرفتاری اس وقت عمل میں لائی گئی جب وہ فریضہ حج ادا کر کے ایک طیارے سے پالم ہوائی اڈے پر اترے تھے۔

دہلی میں شیخ صاحب کی گرفتاری

شیخ صاحب نے الجیریا میں چین کے وزیر اعظم مسٹر چو این لائی سے ملاقات کی تھی۔ اس ملاقات سے سارے ہندوستان میں شیخ صاحب کے خلاف شدید غم و غصہ پیدا ہو گیا۔ اس ملاقات کے بارے میں مختلف تاویلیں کی گئیں۔

حکومت ہند نے شیخ صاحب کو اپنے سفیروں کے ذریعہ مطلع کیا۔ کہ وہ فوراً وطن واپس آ جائیں ورنہ ان کا پاسپورٹ منسوخ کیا جائے گا اور ہندوستان کی سرزمین پر ان کو قدم رکھنے نہیں دیا جائے گا۔ شیخ صاحب فوراً واپس آئے۔ یہاں ان کو گرفتار کر کے مدراس بھیج دیا گیا۔

شیخ صاحب کی نئی دہلی میں گرفتاری کے بعد کشمیر میں صورت حال بگڑ گئی۔ اگست ۱۹۶۵ء میں پاکستان نے کشمیر میں درانداز داخل کر دیئے جس کے نتیجے میں کشمیر میں بڑے پیمانہ پر تخریبی کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہندوستان

اور پاکستان کے درمیان ایک خونریز جنگ چھڑ گئی۔

انتخابی دھاندلیاں

مئی ۱۹۶۵ء سے جنوری ۱۹۶۸ء تک شیخ صاحب جلاوطن رہے ۱۹۶۷ء میں بخشی غلام محمد نے انتخابات لڑنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ریاست میں کانگرس کی شاخ قائم کئے جانے کے بعد نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے اپنی جماعت کو دوبارہ منظم کیا تھا اور وہ اب نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے اپنی جماعت کو دوبارہ منظم کر رہے تھے، وہ نیشنل کانفرنس کے تحت ریاست کی تمام اسمبلی نشستوں کے لئے انتخابات لڑنا چاہتے تھے انتخابات کے اس مرحلہ پر محاذ رائے شماری کے لیڈر اور سینکڑوں کارکن جیلوں میں بند تھے۔ صادق صاحب کی سرکار کے خلاف عوام میں بیزاری تھی۔ بخشی غلام محمد نے عوام کی اس بیزاری کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

حکمران کانگرس نے بخشی غلام محمد کو شکست دینے کے لئے بھی وہی حربے استعمال کئے جو بخشی غلام محمد اپنے حریفوں کو شکست دینے کے لئے استعمال کرتے تھے سرکاری مشینری کا غلط استعمال کیا گیا۔ ریٹرننگ آفسروں کو بے جا نکتے ابھار کر مخالف امیدواروں کے فارم مسترد کرنے پر مجبور کیا گیا۔

جب کاغذات نامزدگی کی جانچ پڑتال ہوئی تو صرف ضلع اننت ناگ میں بخشی غلام کے درجن بھر امیدواروں کے فارم فضول تکنیکی غلطیوں کے بہانے مسترد کر دیئے گئے فارم مسترد کرنے میں اس وقت کے ضلع اننت ناگ کے ریٹرننگ آفیسر عبد الخالق

ملک نے نمایاں رول ادا کیا۔ اس انتخابات میں جو امیدوار بلا مقابلہ کامیاب ہوتے ان کو خالق میڈ کہا جاتا تھا۔ صادق صاحب جو ریاست میں مثبت تبدیلیاں پیدا کرنے کی غرض سے برسرِ اقتدار لائے گئے تھے، زبردست اور سنگین قسم کی انتخابی دھاندلیاں کرنے کے مرتکب بنے۔ بخشی غلام محمد کی جماعت نیشنل کانفرنس صرف آٹھ نشستوں پر کامیاب ہوئی۔ بخشی غلام محمد صفاکدل کی اسمبلی نشست اور سری نگر کی پارلیمانی نشست پر کامیاب ہو گئے۔

خواجہ غلام محمد صادق نے بخشی غلام محمد کو انتخابات میں بے ضابطگیوں کے ذریعہ ہرایا تو تھا لیکن وہ اب بھی انہیں ایک خطرہ سمجھ رہے تھے۔ بخشی صاحب عوام میں کوئی مقبول لیڈر نہیں تھے جس کی وجہ سے ان کے اقتدار کو خطرہ لاحق ہوتا۔ ان میں شرارت کرنے کی قوت تھی۔ اور وہ شرارتوں اور شرانگیزیوں کے ذریعہ صادق صاحب کو پریشان کر سکتے تھے۔ بخشی غلام محمد کی امکانی شرارتوں سے بچنے کے لئے ہی خواجہ غلام محمد صادق نے ان پر بدعنوانیوں کے سنگین الزامات عائد کئے۔ ان بدعنوانیوں اور سرکاری پوزیشن کے غلط استعمال کی تحقیقات کے لئے مسٹر آہنگر کی سربراہی میں ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا گیا۔

کمیشن مذکور نے دو سال سے زیادہ عرصہ تک بخشی غلام محمد پر عائد کئے گئے بدعنوانیوں اور بھرشٹاچار کے الزامات کی تحقیقات کی۔ آہنگر کمیشن نے جب ساری تحقیقات مکمل کر لی تو اس نے اپنی رپورٹ میں بخشی غلام محمد کو لگ بھگ چار کروڑ روپیوں کی بدعنوانیوں کا مرتکب ٹھہرایا۔ یہ پہلا سیاسی محاسبہ تھا۔ اس سے قبل اس قسم کا کوئی محاسبہ کسی لیڈر کے خلاف نہیں کرایا گیا تھا۔

نرم روی

صادق صاحب نے جب حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو ان کو دو قوتوں کا مقابلہ تھا۔ ایک طرف بخشی غلام محمد تھے اور دوسری طرف شیخ محمد عبداللہ۔ صادق صاحب نے وزارتِ عظمیٰ پر براجمان ہوتے ہی نرم روی کی پالیسی اختیار کی۔ یہ ایک نئی حکمتِ عملی تھی جس کے ذریعہ وہ ریاست کے سیاسی اور اقتصادی حالات میں تبدیلیاں پیدا کرنا چاہتے تھے۔

صادق صاحب نے اعلان کیا کہ وہ اپنے حریفوں کے ساتھ سیاسی مقابلہ کریں گے۔ انھوں نے اظہارِ رائے پر عائد کی گئی پابندیاں ختم کر دیں۔ اخبارات کو کسی دشواری کے بغیر آزادی کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ دیا۔ سیاسی جماعتوں کو بھی اپنی سرگرمیاں جمہوری طریقوں پر جاری کرنے کی اجازت دی۔ تحریر و تقریر کی آزادی کو کافی حد تک بحال کیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود خواجہ غلام محمد صادق نے بھی صحت مند سیاسی مقابلے کو کسی قسم کے مکروہ طریقوں سے ناممکن بنا دیا۔

نرم روی کی پالیسی جو خواجہ صادق نے اختیار کی، مخالف سیاسی جماعتوں کے خیالات اور طرزِ عمل میں تبدیلیاں پیدا کرنے کا موجب بن گئی۔ محاذ رائے شماری جو اب تک انتخابات سے بائیکاٹ کی پالیسی پر عمل کر رہی تھی نے اپنا موقف بدل دیا۔ اور انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔

خواجہ صادق کو متضاد قوتوں سے مقابلہ تھا۔ ایک طرف شیخ صاحب تھے

جو ریاستی عوام کے حق خود ارادیت کے حق کے لئے جدّوجہد کر رہے تھے، دوسری طرف بخشی غلام محمد تھے جو کشمیر کو ہندوستان کا اٹوٹ حصّہ تسلیم کرتے تھے، خواجہ غلام محمد کو سب سے بڑا خطرہ بخشی غلام محمد سے تھا، الحاق کو تسلیم کرنے والی جماعت کبھی بھی وقت حکومت پر قابض ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ صادق صاحب نے شیخ صاحب کے تئیں نرم پالیسی اختیار کی۔ اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ شیخ صاحب نے اب براہِ راست طور پر مرکز کے ساتھ معاملات اٹھانے شروع کئے تھے۔ صادق صاحب کی نرم روی مرکز کے ساتھ ان کی بات چیت میں کافی حد تک مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔ شیخ صاحب نے اب اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے کچھ دوسرے انداز سے سوچنا شروع کیا تھا۔ وہ اب تمام جمہوری اداروں کے انتخابات میں حصّہ لے کر اپنی جدّوجہد کو ایک نئی لائن پر ڈال دینا چاہتے تھے۔

بائیکاٹ کی پالیسی ترک

بیگ صاحب نے محاذ رائے شماری کے صدر کی حیثیت سے جب انتخابات سے بائیکاٹ کی پالیسی ترک کرنے کا اعلان کیا تو اس اعلان کا تمام حلقوں نے خیر مقدم کیا۔ پردیش کانگرس کے لیڈروں نے بھی اس اعلان کا خیر مقدم کیا، اور اس کو ایک مثبت قدم سے تعبیر کیا۔

محاذ رائے شماری کے اس فیصلے نے حکمران جماعت کو کافی حد تک متفکر بنا دیا محاذ رائے شماری کے انتخابی میدان میں آنے سے کانگرس اور دوسری جماعتوں نے اس فیصلے

کو اپنے لئے سب سے بڑا چیلنج سمجھا۔ محاذ رائے شماری کی بائیکاٹ کی پالیسی کو کانگرسی اور دوسرے لوگ ایک غلط پالیسی قرار دے رہے تھے۔ اور وہ محاذ کو انتخابات میں حصّہ لینے کا مشورہ دے رہے تھے۔ محاذ کو اس قسم کا مشورہ دینا محض ایک بہلاوا تھا۔ پردیش کانگرس کے لیڈروں کو شدّت سے اس بات کا احساس تھا کہ اگر محاذ رائے شماری انتخابات لڑنے کے لئے میدان میں آجائے تو کانگرس یا دوسری جماعت کے لئے ابھرنا ناممکن بن جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ پردیش کانگرس کے لیڈروں کو محاذ رائے شماری کا فیصلہ ایک چیلنج معلوم ہوا۔ انہوں نے بظاہر اس فیصلے کا خیر مقدم کیا لیکن، وہ اسے اپنے اقتدار کے لئے ایک زبردست خطرہ سمجھنے لگے۔

پنچایتی انتخابات میں محاذ کی شمولیت

اگست ۱۹۶۹ء میں پنچایتی انتخابات عمل میں لائے گئے، محاذ رائے شماری نے بائیکاٹ کی پالیسی ترک کرنے کے بعد پہلی بار ان انتخابات میں حصّہ لیا۔ اس انتخابات میں محاذ رائے شماری کو ۹۹ فی صدی کامیابی حاصل ہو گئی۔ خواجہ غلام محمد صادق نے پنچایتی انتخابات میں اپنی جماعت کی ہار تسلیم کرنے کے بجائے انتخابی نتائج ہی الٹ دیئے اور محاذ کے کامیاب امیدواروں کو ناکام اور کانگرس کے ناکام امیدواروں کو کامیاب قرار دیا۔ انتخابی نتائج کو الٹنے کا یہ فیصلہ صادق صاحب کے کردار پر ایک بہت ہی بڑا دھبہ بن گیا۔ اس وجہ سے ان کی نرم روی کی پالیسی جو بہت پسند کی جانے لگی تھی بے اثر بن گئی، شیخ صاحب اور محاذ رائے شماری کے دوسرے لیڈر خواجہ صادق کے

حقیقی ارادوں کے بارے میں خدشات محسوس کرنے لگے، ان خدشات کے باو
محاذ رائے شماری کے صدر مرزا محمد افضل بیگ نے اعلان کیا کہ وہ آئندہ تمام جمہوری ا
اداروں کے انتخابات میں حصہ لیں گے۔

پنچایتی انتخابات میں محاذ کی غیر معمولی کامیابی دیکھ کر پردیش کانگریس کو اپنے سیا
مستقبل کے بارے میں زبردست اندیشے پیدا ہو گئے۔ بخشی غلام محمد بھی محاذ رائے
شماری کی نئی حکمت عملی سے خوف زدہ ہو گئے۔ وہ اب تک مقابلے پر ڈٹے ہوئے تھے اور
آئندہ بھی خواجہ غلام محمد صادق کے ساتھ ٹکر لینا چاہتے تھے وہ مرکزی لیڈروں کے
ساتھ بھی تعلقات قائم کر کے کسی طرح حکومت پر ایک بار پھر گرفت حاصل کر لینا چاہتے
تھے، محاذ کے الیکشن لڑنے کے فیصلے کے بعد ان کا سیاسی سطح پر دوبارہ ابھرنا مشکل تھا

نئے اندیشے

نیشنل کانفرنس جس کی سرپرستی بخشی غلام محمد کر رہے تھے اب سیاسی میدان
کوئی نمایاں کردار ادا کرنے کے ناقابل بن گئی۔ ان نئی تبدیلیوں نے بخشی غلام محمد کو نئی حکمت عمل
اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ بخشی صاحب پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ وہ مرکزی لیڈروں اور پا
کے ممبروں کے زیادہ نزدیک رہتے تھے۔ انھوں نے شیخ صاحب اور بیگ صاحب کی
سیاسی حکمت عملی کے بارے میں غلط توضیحات کر کے مرکزی لیڈروں میں تشویش پ
کرنا شروع کی۔ خواجہ غلام محمد صادق کو پنچایتی انتخابات میں محاذ کی طاقت کا بہت
طرح اندازہ ہو گیا تھا۔ بخشی غلام محمد بھی پنچایتی انتخابات کے نتائج سے بہت خوف

دونوں لیڈر آپسی اختلافات کے باوجود محاذ رائے شماری کے حکومت پر قابض
کا خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ دونوں کو احساس تھا کہ اگر محاذ رائے شماری کو انتخابات
کا موقعہ دیا گیا تو کانگریس اور نیشنل کانفرنس دونوں پٹ جائیں گی۔

پردیش کانگریس اور بخشی غلام محمد نے مرکزی لیڈروں کو محاذ رائے شماری کے
خطرے سے جب آگاہ کیا، تو مرکزی لیڈر بھی بہت ہی سخت اندیشوں میں مبتلا
مرکزی لیڈر اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے کئی تدابیر پر غور کرنے لگے۔ محاذ
شماری کو انتخابات میں حصہ لینے سے روکنا آئینی طور پر ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ محاذ نے
آئینی طور جد و جہد شروع کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس آئینی جد و جہد میں مرکز اور ریاست
مرکزی لیڈر زیادہ خطرے دیکھنے لگے۔

اب تک محاذ کے لیڈروں کو غدر گی پسندی کے الزامات میں ملوث کر کے جیل
بھیجا جاتا رہا تھا۔ اب ان کو جیل بھیجنا اور انتخابات میں حصہ لینے سے روکنا ان کے لئے
مشکل تھا۔

کشمیر میں شیخ صاحب و بیگ صاحب کا داخلہ ممنوع

فروری ۱۹۷۱ء میں پارلیمنٹ کے انتخابات عمل میں لانے کا جب اعلان کیا گیا، تو
شیخ صاحب اور بیگ صاحب نے بھی ان انتخابات میں حصہ لینے کی خاطر اپنے نمائندے
کھڑے کرنے کا اعلان کیا۔ محاذ رائے شماری کے امیدواروں کے ناموں کا اعلان کرنے سے
شیخ صاحب نئی دہلی روانہ ہو گئے۔ وہ نئی دہلی سے واپسی کے لئے ہی محاذ کی آئندہ حکمت عملی

اور انتخابات میں کھڑے کئے جانے والے امیدواروں کے ناموں کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ نئی دہلی میں بات چیت کے بعد جب شیخ صاحب انڈین ایئرلائنز کے ایک طیارے کے ذریعہ سری نگر روانہ ہونے والے تھے تو عین وقت پر ائیر لائنز کے حکام نے جہاز میں ایک بم کی موجودگی کا انکشاف کیا۔

ائیر لائنز کے قاعدوں کے مطابق جہاز کی تلاشی کے بعد اسے منزل مقصود کی طرف پرواز کرنے کی اجازت دے دینا چاہیئے تھی۔ اس روز کی سری نگر کی پرواز ہی ملتوی کر دی گئی، اور مسافروں سے کہا گیا کہ وہ دوسرے روز سری نگر کے لئے روانہ ہو سکتے ہیں۔

شیخ صاحب جب دوسرے روز ائیر لائنز کے طیارے کے ذریعے سری نگر روانہ ہونے والے تھے تو مرکزی طرف سے انہیں اطلاع دی گئی کہ ان کو سری نگر جانے سے روک دیا گیا ہے، اور اس طرح کشمیر میں شیخ صاحب کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ بیگ صاحب جو جموں سے سری نگر آ رہے تھے، راستے میں روک دیئے گئے۔ اور ان کا بھی کشمیر میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔

محاذ رائے شماری خلافِ قانون جماعت

شیخ صاحب اور بیگ صاحب پر ریاست میں داخل ہونے کی پابندی لگانے کے ساتھ ہی کشمیر میں ایک سازش کا انکشاف کیا گیا۔ اس سازش کے انکشاف کے ساتھ ہی محاذ رائے شماری کے کارکنوں اور لیڈروں کی بڑے پیمانہ پر گرفتاریاں شروع کر دی گئیں۔ محاذ رائے شماری کو خلاف قانون جماعت قرار دیا گیا اور اس جماعت کے

کسی بھی ممبر کو انتخابات لڑنے کے نااہل قرار دیا گیا۔ شیخ صاحب اور بیگ صاحب کو ڈیڑھ سال تک ریاست میں داخل ہونے نہیں دیا گیا۔ اس عرصہ کے دوران پارلیمینٹ اور اسمبلی کے انتخابات عمل میں لائے گئے جب سارے انتخابات ختم ہو گئے تو ان لیڈروں پر ریاست میں داخل ہونے کی پابندیاں ختم کر دی گئیں۔

۱۹۷۱ء کے بعد برصغیر کے حالات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔ ریاست جموں کشمیر میں صورت حال جوں کی توں تھی۔ شیخ صاحب اور ان کے ساتھیوں کو انتخابات میں حصہ لینے سے جس طریقہ پر باز رکھا گیا تھا اس سے ایک بار پھر کانگریس کو ریاست کی حکومت اپنے ہاتھ میں ہی رکھنے کا موقعہ ملا تھا۔ اب نئے خدشے پیدا ہونے لگے تھے۔ آئینی طریقوں سے جدوجہد کرنے کی راہ میں جو رکاوٹیں ڈال دی گئی تھیں ان سے ریاست میں بے چینی اور اضطراب کی ایک نئی لہر دوڑ سکتی تھی۔ علیحدگی پسندی کے رجحانات اب تیز ہو سکتے تھے۔ حکومت ہند اچھی طرح سمجھتی تھی کہ ریاستی عوام کے جمہوری حقوق پامال کرنے کے نتیجے میں بہت سارے خطرے ابھر سکتے ہیں۔ ایک طرف علیحدگی کے رجحانات کا خطرہ تھا۔ دوسری طرف خود حکمران جماعت بھی مرکز کے لئے زبردست پریشانی کا باعث بن گئی تھی۔

خواجہ غلام محمد صادق انتقال کر چکے تھے اور ریاست کے وزیر اعلیٰ سید میر قاسم بن چکے تھے۔ قاسم صاحب کے حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد کانگریس میں انتشار پیدا ہونے لگا تھا۔ اب جو سیاسی گروہ پیدا ہو چکے تھے وہ مرکز کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وفاداری جتا کر زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ گروہ سیاسی

استحصال کرنے لگے تھے۔ ان سیاسی گروہوں کو صرف اپنے مفادات سے غرض تھی یہ سیاسی گروہ ریاست میں غیر یقینیت اور انتشار کو قائم رکھ کر اپنے مفادات کو بڑھاوا دینے کی کوششیں کرتے تھے۔ غیر یقینیت اور انتشار کی فضا میں ان کو ہر قسم کے استحصال کا موقعہ ملتا تھا۔ مفاد پرستوں کے یہ گروہ مرکز پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈال رہے تھے۔ ان عناصر نے فرقہ پرستوں، موقعہ پرستوں اور دوسرے ایسے لوگوں کے ساتھ اپنے روابط قائم کئے تھے جو حالات کو بگاڑنے میں خفیہ کردار ادا کرتے تھے مرکزی سرکار ان سیاسی گروہوں کے سامنے بے بس تھی۔ اس نے سیاسی کشمکش کی صورتحال کو ختم کرنے کے لئے ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ برسر اقتدار لانے کی کوشش کی لیکن ہر نیا گروہ پہلے گروہ کے مقابلہ میں زیادہ موقعہ پرست اور زیادہ خطرناک ثابت ہوتا تھا

مرکزی سرکار بیس سال کے تجربے کے بعد سمجھنے لگی تھی کہ ریاست جموں و کشمیر میں اسے یا ہمیشہ ہی استحصال پسند سیاسی جماعتوں کی مدد سے نظم و نسق چلانا ہوگا۔ اور ایسے گروہوں کے تمام ناجائز مطالبات کو پورا کرنا ہوگا یا کوئی ایسی سیاسی تبدیلی پیدا کرنا ہوگی، جس کی بدولت کشمیر میں صحت مند تبدیلیوں کا عمل شروع ہو جائے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے شیخ صاحب جیسی سیاسی شخصیت سے فائدہ اٹھانا وقت اور حالات کی اہم ضرورت سمجھی جانے لگی۔

بنگلہ دیش کے وجود میں آنے سے اب برصغیر کی سیاست کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ بین الاقوامی سیاسی تقاضے بھی قدرتی طور پر تبدیل ہو گئے تھے، ایک طرف شریمتی اندرا گاندھی کشمیر کی اندرونی صورت حال سے غیر مطمئن تھیں اور وہ ریاست میں کچھ غیر

معمولی تبدیلیاں پیدا کرنا چاہتی تھیں، دوسری طرف شیخ صاحب بھی اپنی جد و جہد کو نئی لائنوں پر شروع کرنے پر غور کر رہے تھے۔ بدلے ہوئے حالات نے دونوں کے خیالات میں تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ اس تبدیلی کا یہ اثر ہوا کہ دونوں کے رویہ میں لچک پیدا ہو گئی۔

نیا باب کھولنے کا آغاز

جون ۱۹۷۲ء میں شیخ صاحب اور وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی نئی دہلی میں ایک ملاقات ہوئی۔ وزیر اعظم نے شیخ صاحب سے کہا کہ وہ کشمیر میں اب نیا باب کھولنا چاہتی ہیں۔ اس ملاقات کے بعد مفاہمت کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ شیخ صاحب کی طرف سے مرزا محمد افضل بیگ اور وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی طرف سے شری پارتھا سارتھی نے ایلچیوں کی حیثیت سے آئینی امور پر بات چیت شروع کی جو ڈھائی سال تک جاری رہی۔

سمجھوتہ

۲۵ فروری ۱۹۷۵ء کو آئینی امور پر سمجھوتہ ہو گیا۔ سمجھوتہ کے مطابق مرکز نے آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ کو مستقل دفعہ بنانا اور اس دفعہ کے اندر ہی آئندہ کشمیر اور ہندوستان کے تعلقات قائم کرنا مان لیا۔ کشمیر کی آئندہ منتخبہ اسمبلی کو اختیار دیا گیا کہ وہ ان تمام قوانین پر نظر ثانی کر سکے گی جو ۱۹۵۳ء کے بعد مرکز کی طرف سے ریاست پر حاوی کر دیئے گئے۔ وزیر اعظم کا عہدہ بحال کرنا بھی مان لیا گیا۔ صدر ریاست کے بارے میں بھی فیصلہ ہوا

شیخ صاحب دوسری بار حکومت میں

شیخ صاحب کے ہاتھ میں جس طریقہ پر حکومت سونپ دی گئی اُسے ایک نئی […]
جاگ اٹھی، شیخ صاحب کو اس اسمبلی میں کانگرس پارٹی کا لیڈر بنایا گیا جس سے قد[…]
صاحب ایک غیر نمائندہ اسمبلی قرار دے چکے تھے۔ اسمبلی میں کانگرس کے ممبروں کی اک[…]
تھی۔ سید میر قاسم نے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے استعفیٰ پیش کر دیا۔ ان کے دوسرے کانگرس[…]
وزیر بھی مستعفی ہو گئے۔

کانگرسی ممبران اسمبلی نے شیخ صاحب کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا اور ان کو اپنا بھر[…]
دینے کا وعدہ کیا۔ شیخ صاحب نے کانگرسی ممبران کے اعتماد اور حمایت سے بھرپور[…]
نئی حکومت بنائی۔ ابتدا میں انھوں نے اپنی کابینہ میں صرف چار وزیر لیے۔ ان وزیروں[…]
شیخ صاحب خود، بیگ صاحب، دیوی داس ٹھاکور، اور صنم نربو شامل تھے۔[…]
داس اور صنم نربو کا تعلق کسی جماعت سے نہ تھا۔ وزارت سازی کے کچھ ہی وقت ب[…]
کانگرسی ممبران نے وزارت میں اپنا حصہ طلب کرنا شروع کیا۔

شیخ صاحب نے جس اسمبلی اور جن ممبران کی حمایت پر حکومت چلانا مان لیا[…]
وہ ایک انوکھا انتظام تھا۔ اور یہ ایک عارضی انتظام تھا۔ شیخ صاحب کو حکومت[…]
ذمہ داریاں سپرد کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ ریاست کی اسمبلی کے انتخابات بہت جلد[…]
جائیں گے۔ اپنی پہلی پریس کانفرنس میں شیخ صاحب نے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے کہا[…]
ماہ تک اسمبلی کے انتخابات ہوں گے، انتخابات سے پہلے ہی کانگرس نے وزارت[…]

شامل ہونے کی کوششیں شروع کیں۔ شیخ صاحب نے حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے کے چند ماہ بعد اپنی وزارت میں توسیع کی۔ انھوں نے توسیع شدہ وزارت میں کانگرس کے چھ ممبران کو وزرائے مملکت کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع دیا۔ اپنی جماعت کے پانچ جونیئر وزیروں کو بھی انھوں نے وزارت میں شامل کیا۔ اس طرح پندرہ ارکان پر مشتمل وزارتی کونسل بن گئی۔

ضمنی انتخابات

ایک سال تک حکومت کے فرائض انجام دینے کے بعد بھی شیخ صاحب ریاست میں اسمبلی کے انتخابات نہیں کرا سکے۔ وجہ یہ ہوئی کہ ۲۶ جون ۱۹۷۵ء کو سارے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کیا گیا۔ اس عرصہ میں گاندربل اور دیوسر میں ضمنی انتخابات کرائے گئے۔ شیخ صاحب اور بیگ صاحب ان ہی دو حلقوں سے منتخب ہو کر اسمبلی میں داخل ہو گئے۔ شیخ صاحب اس دوران اسمبلی کے انتخابات عمل میں لانے پر زور دیتے رہے لیکن ایک بہانے یا دوسرے بہانے اسمبلی کے انتخابات کرانے سے گریز کیا جاتا رہا۔

انتخابات عمل میں لانے سے متعلق مرکز کے حیلے بہانے دیکھ کر وزیر اعظم اندرا گاندھی کی نیت پر شبہ کیا جانے لگا، اور پوچھا جانے لگا کہ کیا شیخ صاحب کے ساتھ کیا گیا معاہدہ نیک نیتی پر مبنی ہے۔ اس دوران کچھ ایسے فیصلے بھی کیے گئے جن سے مرکزی لیڈروں خاص طور پر وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے ارادوں کے بارے میں شکوک پیدا ہونے لگے۔ اور مختلف قسم کے سوالات پوچھے جانے لگے۔

نیشنل کانفرنس کا احیائے نو

شیخ صاحب نے معاہدہ کے مطابق محاذ رائے شماری کو ختم کردیا۔ جولائی ۱۹۷۵ء میں محاذ رائے شماری کی جنرل کونسل کا اجلاس مجاہد منزل میں منعقد ہوا جس میں محاذ رائے شماری کو توڑنے اور اسکی جگہ نیشنل کانفرنس کے احیائے نو کا فیصلہ کیا گیا۔ اس اجلاس میں کئی سو کے قریب ڈیلی گیٹ حاضر ہوتے تھے

۵ جولائی ۱۹۷۵ء کو مجاہد منزل میں ۲۲ سال کے بعد محاذ رائے شماری کا جھنڈا اتار دیا گیا اور اسکی جگہ نیشنل کانفرنس کا ہل والا جھنڈا لہرایا گیا۔ یہ بہت ہی رقت انگیز منظر تھا۔ محاذ رائے شماری کے عبدالرحمٰن سوداگر نے جب محاذ رائے شماری کا جھنڈا اتار دیا۔ اس نے رونا شروع کردیا۔ محاذ رائے شماری کے دوسرے کارکن اور مندوبین بھی جھنڈا لہرانے اور اتارنے کی کارروائی بھاری دل اور پرنم آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

نیشنل کانفرنس کے احیائے نو سے پہلے شیخ صاحب نے پردیش کانگریس کے لیڈر سید میر قاسم اور محاذ رائے شماری کے صدر مرزا محمد افضل بیگ کو لکھا تھا کہ وہ دونوں کانگریس اور محاذ کو ختم کردیں اور ان دونوں جماعتوں کو نیشنل کانفرنس میں ضم کر دیں۔ بیگ صاحب نے شیخ صاحب کی چٹھی کے مطابق نیشنل کانفرنس میں محاذ کو مدغم کردیا لیکن کانگریس نے نیشنل کانفرنس میں شامل ہونے سے انکار کیا۔ سید میر قاسم کا فیصلہ کانگریس ہائی کمانڈ کا ہی فیصلہ تھا۔

سید میر قاسم کانگریس ہائی کمانڈ کی اجازت کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے تھے

ہم خیال جماعتوں کے اتحاد کی کوشش

کانگریس کے انکار کے باوجود شیخ صاحب ہم خیال جماعتوں کو ایک ہی جماعت نیشنل کانفرنس میں مدغم کرنے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں کانگریس لیڈروں کے ساتھ اپنا مکالمہ جاری رکھا۔

اکتوبر ۱۹۷۵ء میں شیخ صاحب نے وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو کشمیر کے دورے پر آنے کی دعوت دی۔ سمجھوتہ کے بعد شریمتی اندرا گاندھی کا کشمیر کا یہ پہلا دورہ تھا۔ اس دورے میں پہلی بار شریمتی گاندھی کو ایک دریائی جلوس کی صورت میں جھیلم بل سے منشی باغ تک لایا گیا۔ بیس سال کے بعد یہ پہلا عوامی سواگت تھا جو ہندوستان کے کسی وزیر اعظم کا سرینگر میں اس طرح کیا گیا۔ بیس سال کے دوران جب بھی ہندوستان کا کوئی وزیر اعظم کشمیر کے دورے پر آتا تھا تو اس کو کڑے اور سخت پہرے میں ہوائی اڈہ سے قیام گاہ تک پہنچایا جاتا تھا۔

شریمتی اندرا گاندھی نے سری نگر میں شیخ صاحب کے ساتھ کئی معاملات پر بات چیت کی۔ ہم خیال جماعتوں کے ایک ہی جماعت میں شامل ہونے کے فوائد پر بات چیت ہوئی۔ شریمتی اندرا گاندھی اس تجویز کے ساتھ اتفاق نہ کر سکیں۔ انھوں نے شیر کشمیر پارک میں کانگریس کے ایک جلسے سے خطاب کیا جس میں انھوں نے کانگریسیوں سے کہا کہ وہ ریاست میں اپنی تنظیم کو مضبوط بنائیں۔ وزیر اعظم کا یہ بیان ایک دھماکہ ثابت ہوا۔ اس اعلان کا شیخ صاحب پر سخت ردعمل ہوا۔

۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو نیشنل کانفرنس کا ایک زبردست ریلے ہوا، یہ ریلے کانگرس کے ریلے کا جواب تھا۔ شیخ صاحب نے لال چوک میں اس ریلے سے خطاب کیا آپ نے کہا:

"وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ریاستی عوام کو کانگرس کی جو قیادت قبول کرنے کی دعوت دی ہے وہ ہر کشمیری کے لئے ہتک آمیز ہے۔ کشمیری عوام کو چاہیے کہ وہ اس قیادت کو ٹھکرا دیں"

اسی روز شیخ صاحب نیشنل کانفرنس کے بنیادی ممبر بن گئے۔

نئی کشمکش کا آغاز

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کا دورۂ کشمیر ایک نئی کشمکش کا باعث بن گیا۔ ایک پردیش کانگرس کے لیڈر اور کارکن شیخ محمد عبداللہ کی حکومت کی دبی زبان میں نکتہ چینی کرتے تھے، وزیر اعظم کے کشمیر آنے کے بعد کھلے بندوں اور سخت الفاظ میں نکتہ چینی کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کانگرسیوں نے جگہ جگہ جلسے منعقد کرنے شروع کئے۔ جن میں حکومت کی کڑے الفاظ میں تنقید کی جانے لگی۔ سید میر قاسم نے بھی کچھ جلسوں میں حصہ لیا۔

کانگرس اور نیشنل کانفرنس کے ریاست میں کام کرنے کے باعث دونوں جماعتوں میں کسی بھی وقت ٹکراؤ اور تصادم کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔ ان کو ختم کرنے کے لئے رابطہ کمیٹی قائم کی گئی۔ کمیٹی وزیر اعظم کے کشمیر کے دورے کے وقت ہی قائم کی گئی تھی اور اس میں کانگرس کے دو اور نیشنل کانفرنس کے دو ممبر لئے گئے تھے۔ کانگرس کی نمائندگی

سید میر قاسم اور اوم مہتہ کر رہے تھے اور نیشنل کانفرنس کی نمائندگی مرزا محمد افضل بیگ اور ڈی ڈی ٹھاکر۔

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے دورۂ کشمیر کے بعد کانگرس اور نیشنل کانفرنس کا اختلاف ظاہر ہو گیا۔ دونوں جماعتوں کے لیڈر ایک دوسرے کی سخت الفاظ میں نکتہ چینی کرنے لگے۔ کشمکش روز بروز تیز ہونے لگی۔ نچلی سطحوں پر کشیدگی اور کشمکش زیادہ تیز ہو گئی۔ کانگرسی لیڈروں نے جن مسائل کو ابھارنا شروع کیا ان میں سب سے بڑی اور خوش خرید ...تھے۔ کانگرس یہ کامی دعویٰ کرتے رہے کہ کانگرس ملک گیر جماعت ہونے کے ناطے ریاست کے مسائل حل کرنے کی اہل ہے۔ دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے پر الزام تراشیوں کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ دونوں کے تعلقات خراب ہونے لگے۔

دسمبر ۱۹۷۵ء میں رابطہ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا گیا۔ جس میں ٹکراؤ کے معاملے پر غور کیا ...لب۔ کو چنڈی گڑھ میں کانگرس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ جہاں کشمیر کانگرس ...لے پر سوچ بچار ہوا۔

...ہوئی مفاہمت

...معاہدہ طے ہونے کے چھ ماہ بعد ہی مفاہمت ٹوٹتی نظر آنے لگی۔ کانگرس ہائی کمانڈ کی ...کے باوجود پردیش کانگرس کے لیڈر شیخ صاحب سے الجھنے لگے کابینہ میں ان کو ...نے جو نمائندگی دی تھی اس سے وہ مطمئن نظر نہیں آتے۔ انہوں نے کابینہ میں ...کا مطالبہ شروع کیا۔ وزارت میں کانگرس کے جو وزیر لئے گئے تھے ان میں

سے کسی کو کابینہ کے وزیر کا درجہ نہیں دیا گیا تھا۔ کابینہ میں پوری نمائندگی کا مطالبہ اگر پردیش
کانگرس کا ہی مطالبہ ہوتا تو اس مطالبے کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی تھی ہائی کمانڈ نے
پردیش کانگرس کے اس مطالبے کی نسبت معنی خیز رویہ اختیار کیا تھا۔ ہائی کمانڈ کے
سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ پردیش کانگرس کے لیڈروں کے اس مطالبے کی پوری حمایت کر

شیخ صاحب نے ۵ جنوری ۱۹۷۶ء کو براڈوے ہوٹل میں اخباری نمائندوں کے
سامنے وزارت میں کانگرسی وزیروں کو پوری نمائندگی دینے کے مطالبے پر تبصرہ کرتے ہوئے

کانگرس کے رہنما وزارت میں اپنی جماعت کے لئے پوری نمائندگی
کا مطالبہ کر سکتے ہیں لیکن وزارت میں کسی شخص کو شامل کرنا یا
نہ کرنا میرے اپنے اختیار میں ہے اور یہ میری مرضی پر منحصر ہے کہ
میں کس کو اپنی وزارت میں شامل کروں۔" آٹھ فروری ۱۹۷۶ء

کو جموں یونیورسٹی نیشنل کانفرنس کے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے شیخ صاحب نے

"جس وقت سمجھوتہ ہوا۔ مجھے پورا یقین دلایا گیا تھا کہ کانگرس میرے
ساتھ مکمل تعاون کرے گی۔ مجھے وزیر اعلیٰ کے [illegible] کا عہدہ
اختیار دیا گیا تھا۔ اس کانگرس پالیسی سازی اور کابینہ میں
پورا حصہ چاہتی ہے۔ اگر کانگرس کو مجھ پر اعتماد نہیں، تو میں
حکومت چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔"

کانگرس نے حکومت چھوڑنے کے کچھ عرصہ بعد واپس حکومت میں آنے کی کوشش
شروع کیں۔ اس سلسلے میں کانگرس کا ایک مطالبہ منوانے کے بعد دوسرا مطالبہ پیش کرنے

طرف انھوں نے دوبارہ حکومت پر اپنے پنجے گاڑنے کی کوششیں شروع کیں
دوسری طرف وہ عوام میں آنے کے مواقع تلاش کرنے لگے۔ انھوں نے خوش خرید
سب سے بڑی پر ڈور رخی پالیسی اختیار کی۔ خوش خرید کی مہم جو حکومت نے شروع کی تھی کو
ناکام بنانے کے لئے انھوں نے بہت ہی پُر فریب طریقہ پر مہم شروع کی۔ اپنے دیہاتی جلسوں
میں کانگرسی حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے، خوش خرید میں زور زبردستی نہ کی جائے
اس قسم کی تقریروں سے کسانوں کو دانستہ طور پر یہ تاثر دیا جانے لگا کہ حکومت
دھان وصول کرنے میں زور زبردستی سے کام لے رہی ہے۔

خوش خرید کی مہم کو اس طریقہ سے ناکام بنانے کا مقصد ریاست میں خوراک کی
بحران پیدا کرنا تھا۔ جولائی اور اگست ۱۹۷۵ء میں زبردست خوراکی بحران پیدا ہو گیا
تھا۔ ریاست کے غلہ داروں جن کے سابقہ حکمرانوں کے ساتھ خفیہ مراسم تھے نے خوراک
کی مصنوعی قلت پیدا کی۔ انھوں نے سارا غلہ دبا دیا۔ چاول کے بھاؤ تین سو روپیہ
فی خروار سے تجاوز کر گئے۔ حکومت نے شہری عوام کی ضروریات پوری کرنے کے لئے
کچھ اقدام کئے، لیکن دیہات اور کنڈی علاقوں میں خوراک بڑا مشکل ہو گیا۔ اگر یہ صورت
حال زیادہ دیر قائم رہتی تو شیخ صاحب کا برسر اقتدار رہنا مشکل تھا۔ جب نئی فصل
تیار ہو گئی اور معلوم ہوا کہ فصل توقع سے اچھی طرح ہے تو خوش خرید کی مہم میں روڑے
اٹکائے جانے لگے۔

کشمیر کی ساری سیاست خوراک کے گرد ہی گھومتی ہے ۱۹۵۳ء میں جب بخشی غلام محمد نے ایک خونیں انقلاب کے بعد اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا تو انھوں نے خوراک میں رعایات دیکر عوام کی ہمدردیاں حاصل کر چاہیں اسکے بعد جب خواجہ غلام محمد صادق وزیر اعظم بن گئے تو انھوں نے بھی خوراک میں رعایات کے ذریعہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

سب سڈی کم کرنے کی کارروائی

شیخ صاحب نے حکومت کی باگ دوڑ سنبھالنے کے چند ماہ بعد ہی خوراک پر دی گئی رعایات کو واپس لینا شروع کیا۔ جون ۱۹۷۵ء میں انھوں نے اس سلسلے میں پہلا قدم اٹھایا۔ انھوں نے اس بار خوراک کی قیمت میں معمولی اضافہ کیا۔ ۱۹۷۶ء اپریل میں انھوں نے سب سڈی کا پچاس فی صد حصہ کم کر دیا۔ صارفین کی زمرہ بندی کی گئی۔ چھ سو اور پندرہ سو روپے کی آمدن والے صارفین کو ہائی ریٹ پر راشن دیا جانے لگا۔ کم آمدن والے لوگوں کی راشن کی قیمت میں اضافہ کیا گیا۔

سب سڈی کم کرنے کا یہ فیصلہ ایک نہایت ہی خطرناک فیصلہ تھا۔ اس فیصلے کا اثر کافی لوگوں پر پڑا۔ اس قسم کا فیصلہ کرنا کافی جرأت کا کام تھا یہ فیصلہ ایسا نہ تھا جس سے کوئی شخص خوش ہو جاتا۔ وہ لوگ جو شیخ صاحب کے عقیدت مند

اور جاں نثار تھے وہ بھی اس تلخ گھونٹ کو حلق سے اتارنے پر تیار نہ تھے لوگوں نے نا دل ناخواستہ ہی سہی اس تلخ گھونٹ کو حلق سے اتار دیا اور چوں تک نہ کی۔

نئی سوچ

سب سڈی ختم کرنے کا یہ عمل ناگوار تو تھا لیکن اس سے لوگوں میں ایک نئی سوچ پیدا ہونے لگی۔ شیخ صاحب نے سب سڈی ختم کرنے سے پہلے کہا تھا سب سڈی ایک رشوت ہے جس کے ذریعے کشمیر کو سلانے کی کوشش کی گئی انھوں نے کہا کہ ریاست سب سڈی کے تین ارب روپے کی مقروض ہے جس پر سالانہ بھاری سود ادا کرنا پڑتا ہے، شیخ صاحب نے کہا کہ سب سڈی پر صرف ہونے والی رقم پیداواری سکیموں پر صرف کی جا سکتی ہے اور اس طرح ریاست سے بے روزگاری کو دور کیا جا سکتا ہے۔

شیخ صاحب کی ان توضیحات سے لوگ سب سڈی کے ضرر رساں اثرات کا احساس کرنے لگے۔ لیکن ایک عادت اور ایک رعایت کو چھوڑنا ہر کسی کے لئے قابل قبول نہ تھا چنانچہ لوگوں میں ان کے خلاف بیزاریاں پیدا ہونے لگیں کانگریس نے عوام کی ان بیزاریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ کانگریسیوں نے بظاہر سب سڈی ختم کرنے کے فیصلے کا خیر مقدم کیا لیکن وہ اس فیصلے کا سیاسی فائدہ اٹھانے کے لئے عوام میں الٹی تاویلیں

کرنے لگے۔ انہوں نے عوامی جلسوں میں سب سڈی پر اپنی رائے ظاہر کرنے کا ایسا انداز اختیار کیا کہ اس سے الٹا تاثر پیدا ہو جاتا تھا۔ اس طرح پہلو بچا کر حکومت پر وار کیا جاتا تھا۔

ریاست میں کانگرس کو اب تک عوامی بنیاد حاصل نہیں تھی کانگرس کے لیڈر حکومت کے بل بوتے پر تنظیم چلاتے تھے۔ اب ان کے پاس اقتدار نہیں تھا۔ وہ اب عوام میں اپنی بنیاد قائم کرنے کے لئے خوش خرید جیسے مسائل پر عوام کے دکھ کا اظہار کرنے لگے۔ اس طرح عوام میں اپنے ... ردنا کے جذبے کو ابھارنے کی کوشش کی جانے لگی۔ کانگرس ان طریقوں سے اپنے سیاسی مقاصد میں کامیابی کے امکانات دیکھنے لگے۔ وہ اب بڑے بڑے عوامی جلسوں سے خطاب کیا کرتے تھے۔ ان کے جلسوں میں شامل ہونے والے لوگوں کی حاضری بعض اوقات نیشنل کانفرنس کے جلسوں سے زیادہ ہوتی تھی۔ کشمیر سے متعلق معاہدہ طے ہونے کے بعد کانگرس اور نیشنل کانفرنس کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوتی رہی۔ شیخ صاحب نے انتظامیہ میں اصلاحات کا جو عمل شروع کیا اس سے سارا انتظامیہ ان کے خلاف ہو گیا۔ جو لوگ کانگریسی سرکار میں بڑے بڑے فائدے حاصل کر رہے تھے وہ ان فائدوں سے محروم ہونے لگے۔ کچھ سیاسی شخصیں بھی جن کو اپنی وفاداری کی قیمت ملتی تھی۔ حالات کی اس روش سے خوش نہیں تھیں۔ یہ سب لوگ اب کانگرس کی پناہ میں آنے لگے تھے اور کانگرس کی طاقت بڑھا کر شیخ صاحب کے لئے مشکلات

پیدا کر رہے تھے۔ سب سڈی سے جو لوگ اثر انداز ہوتے تھے ان میں بھی بے زاریاں تھیں۔ غرض شیخ صاحب کے خلاف ایک ناراضگی اور غصہ روز بروز تیز ہو رہا تھا کانگرس اس صورت حال کو اپنی کامیابی کے لئے سازگار سمجھ رہی تھی، دوسری سیاسی جماعتیں جن میں مجلس عمل اور جماعت اسلامی شامل ہیں، کانگرس کو پورا ساتھ دے رہی تھیں۔ روز بروز شیخ صاحب کے خلاف فضا بن رہی تھی اور ان کی مقبولیت کم ہو رہی تھی، تمام مخالف عناصر سمجھ رہے تھے کہ جوں جوں شیخ صاحب کے تئیں عوام میں نفرت تیز ہوتی جائے گی ان کے لئے کامیابی کے امکانات روشن ہو جائیں گے،

شیخ صاحب کو اب ایڈمنسٹریشن سے متعلق معاملات کے علاوہ سیاسی معاملات پر بھی خاص توجہ مبذول کرنا پڑتی تھی۔ مخالف عناصر کے بڑھتے ہوئے زور کے باعث ان کی سیاسی قوت کم ہوتی جا رہی تھی۔ اکارڈ کے ڈیڑھ سال بعد شیخ صاحب کی شخصیت اور شہرت کافی حد تک اثر انداز ہوئی۔ اس کے باوجود بھی انتخاب میں ان کو شکست دینا مشکل تھا۔ مخالف سیاسی جماعتیں اچھی طرح جانتی تھیں کہ شیخ صاحب اپنی مقبولیت کافی حد تک کھونے کے بعد بھی ایک بڑی سیاسی قوت ہیں ان کے ہاتھ میں اب بھی حکومت تھی۔ اس لئے ان کو ہرانا کافی مشکل نظر آتا تھا۔

شیخ صاحب حقیقی طاقت سے محروم

شیخ صاحب کانگرس کی تائید اور حمایت سے حکومت تو چلا رہے تھے لیکن ان کی حمایت اب پاؤں کی زنجیر بن گئی تھی۔ وہ دو سال تک حکومت کی ذمہ داریاں [illegible] کے بعد بھی حقیقی طاقت سے محروم تھے۔ وہ بہت ہی صبر آزما حالات میں کام کر رہے تھے کانگرسی ہر روز نئی نئی اڑچنیں پیدا کر رہے تھے وہ ان کی مشکلات میں اضافہ کر رہے [illegible] کانگرسی جو شیخ صاحب کے ساتھ مفاہمت کو ایک تاریخی کارنامہ قرار دے چکے تھے اب اکارڈ کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے تھے وہ عوام کو یہ تاثر دینے لگے تھے کہ اکارڈ کے ذریعے شیخ صاحب نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا ہے۔

نومبر ۱۹۷۵ء میں کانگرس کا ایک جلسہ پٹن میں ہوا جہاں لوگوں کو سمجھایا گیا کہ کس [illegible] شیخ صاحب اکارڈ کے ذریعہ بہت سے انتظامی اور آئینی اختیارات سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اکارڈ سے پہلے ریاستی اسمبلی کو صدر ریاست اور الیکشن کمیشن اور اس جیسے معاملات پر کوئی بھی فیصلہ کرنے کا اختیار تھا۔ اکارڈ کے بعد یہ اختیار صدر جمہوریہ ہند کی منظوری کے بغیر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تاویل غلط نہیں تھی۔ اکارڈ سے پہلے واقعی ریاستی اسمبلی گورنر کی تقرری اور اس عہدے سے متعلق دوسرے معاملات طے کرنے کا اختیار رکھتی تھی۔ نیز اکارڈ کے بعد یہ اختیار صدر جمہوریہ کی مرضی کے بغیر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ تاہم کانگرس جو سمجھوتہ کی فریق تھی اکارڈ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا اخلاقی جواز نہیں رکھتی تھی۔

۲۵ فروری ۱۹۷۵ء کو جب شیخ صاحب نے اقتدار سنبھالا تو انہوں نے اپنی پہلی تقریر ۲ مارچ ۱۹۷۵ء کو سرینگر کے لال چوک میں کی۔ شیخ صاحب بانہال کے راستے وادی میں داخل ہوئے قاضی گنڈ سے لال چوک تک جگہ جگہ لوگوں نے شیخ صاحب کا بے مثال استقبال کیا۔ شیخ صاحب نے لال چوک کی تقریر میں اکارڈ کی کوئی وضاحت نہیں کی، انھوں نے صرف اتنا کہا کہ اکارڈ کو پارلیمنٹ میں متوازن طریقہ پر پیش نہیں کیا گیا۔ اس وقت شیخ صاحب کا یہ اشارہ کوئی سمجھ نہ سکا۔

۲۶ ستمبر ۱۹۷۶ء کو عیدگاہ میں انہوں نے اکارڈ کی پوری وضاحت کی[1] انھوں نے کہا کانگرس نے اکارڈ کی جو کاپیاں شائع کی ہیں اس میں ان کی وہ چٹھی شامل نہیں جو انھوں نے اکارڈ سے پہلے وزیر اعظم کو لکھی تھی۔ اور جس میں تحریر کیا گیا تھا کہ میں جب حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالوں گا تو میں اسی جگہ سے شروع کروں گا جہاں سے میں نے ۸ اگست ۱۹۵۳ء کو چھوڑا ہے۔ شیخ صاحب نے وہ چٹھی پڑھ کر سنائی۔ انہوں نے کہا کہ اکارڈ کو کانگرس نے یکطرفہ طور پر شائع کیا ہے۔

کشمیر کے متعلق سمجھوتہ جب ہوا تو ملک کی ترقی پسند جماعتوں کمیونسٹ پارٹی [illegible] ڈی ایم کے۔ اور دوسری جماعتوں نے اس کو ایک تاریخی کارنامہ قرار دیا۔ جن سنگھ نے اس اکارڈ کی زبردست مخالفت کی۔ کشمیر میں مختلف جماعتوں نے مختلف قسم کا ردعمل ظاہر کیا جماعت اسلامی اور عوامی مجلس عمل نے اس پر مخالفانہ رائے کا اظہار کیا۔ محاذ رائے شماری

کے نائب صدر صوفی اکبر نے اکارڈ کو کشمیری عوام کی امنگوں کے خلاف قرار دیا وہ اس معاہدے کے بعد ہی پارٹی سے الگ ہو گئے اور رائے شماری کے اپنے موقف پر قائم رہے مولانا محمد سعید نے اکارڈ پر کھل کر کوئی بات نہیں کہی، البتہ وہ نجی محفلوں میں اس معاہدہ پر نکتہ چینی کرتے رہے۔ کھلم کھلا اس معاہدہ پر انہوں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ کچھ نوجوانوں کی تنظیموں نے اس اکارڈ کو کشمیری عوام کے حقوق سے غدّاری قرار دیا۔ پاکستان نے اپنے ابتدائی ردّ عمل کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔ مسٹر بھٹو نے اکارڈ کے خلاف ناراضگی ظاہر کرنے کے لئے سارے پاکستان میں ہڑتال کی اپیل کی۔ کشمیری عوام خصوصی طور پر مسلمان یہ سمجھنے لگے کہ رائے شماری جس کے لئے بیش بہا قربانیاں دی گئی ہیں کو کیوں ترک کر دیا گیا ہے۔ اس معاہدہ کے بعد ہر شخص ایک سوالیہ نشان بن گیا۔ اور ہر جانب جیسے یہی سوال گونجتا سنائی دینے لگا۔ کہ رائے شماری کے مطالبے کو اتنی قربانیوں کے بعد کیوں ترک کیا گیا۔

رائے شماری کا موقف کیوں ترک کیا گیا

رائے شماری کے موقف کو ترک کر کے ہندوستان کے ساتھ آئینی معاملات پر سمجھوتہ کیوں کیا گیا؟ یہ سوال پوچھنے کا ہر اس شخص کو حق تھا جس نے اس موقف کے لئے قربانیاں دیں! اس حق کے حصول کے لئے جانیں نثار کرنے والے لوگوں نے شیخ صاحب سے کوئی اعتراض نہ کیا وہ مفاہمت سے مطمئن نظر آتے تھے لیکن کانگرس کے ہمدرد اور حامی

شیخ صاحب پر رائے شماری کا موقف چھوڑنے کا الزام کچھ اس انداز سے عائد کرنے لگے کہ لگتا تھا انہوں نے ہی رائے شماری کے لئے قربانیاں دی ہیں کانگرسی جان بوجھ کر یہ تاثر دینے لگے کہ رائے شماری کے موقف کو چھوڑ کر قوم سے غدّاری کی گئی ہے۔ کانگرسیوں کے اس منافقانہ رویہ سے قطع نظر یہ سوال اہم تھا کہ شیخ صاحب کو کن وجوہات نے رائے شماری کے موقف سے انحراف کرنے پر مجبور کیا۔

۱۹۵۳ء کے بعد جن لوگوں نے ریاست کے سیاسی حالات کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہو اور جو دنیا کے بدلتے ہوئے سیاسی رجحانات کا ادراک رکھتے ہوں وہ خود بخود اس تبدیلی کا جواب پا سکتے ہیں۔

۱۹۵۳ء میں جب شیخ صاحب کو حکومت سے الگ کیا گیا تو کشمیر میں ایک زبردست تحریک اٹھی اس وقت کشمیر کے مسئلے کو طاقت بخشنے والے تین عوامل تھے، کشمیر میں ایک جاندار تحریک موجود تھی۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں یہ معاملہ زبردست بحث کا موضوع تھا۔ اور اسکو فوری طور حل کرنے کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ پاکستان بھی اس مسئلے کے حل کے لئے اپنے طور پر کوششیں کر رہا تھا اگرچہ اس نے ابتدا میں یہ مسئلہ طاقت کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی تھی۔

حریف قوتوں کو ان تین قسم کے دباؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا ۱۹۵۳ء کے بعد یہاں کے حکمرانوں نے عوام کی مجاہدانہ سپرٹ ختم کرنے کی کوشش کی۔ لوگوں کو مفادات میں

اُلجھا دیا گیا۔ پرمٹوں، لائسنسوں، ٹھیکوں اور بڑے بڑے عہدوں کا جال بچھایا گیا باثر لوگوں کو رعایات کے ذریعہ اپنا ہم نوا بنایا گیا۔ ملاؤں، مفتیوں اور باثر لوگوں کی خدمات حاصل کرنے کے لئے ان کو خریدا گیا۔ مفادِ خصوصی کے چھوٹے بڑے طبقے پیدا کئے گئے ان طریقوں سے ریاست میں ایک نفسیاتی فضا پیدا کی گئی۔ ایک طرف جیل اور زنجیریں تھیں دوسری طرف باغ اور بنگلے تھے۔ ایک طرف زندگی کے عیش تھے دوسری طرف مصیبتیں اور آلام تھے۔ راستے صرف دو تھے ایک راستہ مصائب اور مشکلات کا تھا اور دوسرا راستہ عیش و آرام کا تھا۔ ایک عجیب کشمکش پیدا ہوگئی کہ دونوں راستوں میں سے کون سا راستہ اختیار کیا جائے اور کس راستہ پر قدم رکھا جائے زندگی کے عیش جس راستہ میں تھے اس راستہ پر چلنے سے کچھ وقت تک احتراز کیا گیا لیکن آہستہ آہستہ یہی راستہ لوگوں کو اپنی جانب کھینچنے لگا۔ رائے شماری کا نعرہ جو پہلے پہل ایوانوں میں زلزلہ پیدا کرتا تھا ایک رسمی نعرہ بن کر رہ گیا اس میں کوئی زور رہا اور نہ کوئی جوش۔ محاذِ رائے شماری جو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھی کے اندر ناپسندیدہ عناصر داخل کر دیئے گئے اس جماعت میں مفاد پرستوں نے دراندازی کی اور اسے اندر ہی اندر کھوکھلا بنا دیا۔ دوسری سیاسی تنظیموں جن میں عوامی مجلس عمل اور دیگر مذہبی جماعتیں شامل تھیں کو باضابطہ طور اپنا وفادار بنایا گیا۔

۱۹۵۳ء کے واقعہ کے بعد بیس سال تک کشمیر میں رائے شماری کے نعرے بلند

ہوتے رہے لیکن کھوکھلے اور بے جان۔ بیس سال کے دوران عوامی مزاحمت کافی حد تک ختم ہوگئی۔ ریاست میں عوامی مزاحمت کم ہونے کے ساتھ ہی عالمی سطح پر بھی کشمیر کا مسئلہ کمزور پڑنا شروع ہوگیا۔ مختلف ممالک کا رویہ کشمیر کے بارے میں بدل گیا۔ سلامتی کونسل میں کشمیر کا مسئلہ برائے نام مسئلہ رہ گیا۔

پاکستان نے ۱۹۶۵ء میں کشمیر کے مسئلے میں جان ڈالنے کے لئے ریاست میں دراندازی داخل کئے۔ اس کارروائی سے عالمی رائے کشمیر کے بارے میں متحرک نہ ہو سکی خود پاکستان اس کارروائی کے بعد کشمیر میں اپنا اثر کھو بیٹھا۔

کشمیر کے بارے میں پاکستان کے رویہ میں تبدیلی

۱۹۷۱ء میں جب پاکستان نے ہندوستان سے شکست کھائی اور مشرقی پاکستان ایک خود مختار ملک کے طور پر ابھر آیا تو برصغیر کی سیاست کا نقشہ ہی بدل گیا اب تک پاکستان چھوٹا ملک ہونے کے باوجود فوجی لحاظ سے ہندوستان کے ہم پلہ مانا جاتا تھا ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد یہ ساری پوزیشن بدل گئی۔ پاکستان فوجی لحاظ سے ایک کمزور ملک تسلیم کیا جانے لگا۔ اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ کر کے بین الاقوامی سطح پر ہند کی سیاسی پوزیشن مضبوط ہوگئی۔

نئے حالات میں رائے شماری کا مطالبہ ایک بے جان مطالبہ بن کر رہ گیا۔ نئی

سیاسی تبدیلیوں کے بعد کشمیر کے مسئلے پر حالات کے نئے پس منظر میں غور کرنے کی ضرورت تھی۔ رائے شماری کے مطالبے کو منوانے کے لئے کشمیر کے اندر ایک زبردست جدّ وجہد کی ضرورت تھی۔ کشمیری عوام اس قسم کی صورتِ حال میں جدّ وجہد کرنے کے لئے تیار نہیں تھے وہ اب اپنے مفادات کو چھوڑ کر نہ گولیوں کے آگے سینہ سپر ہو سکتے تھے اور نہ ہی کسی سرگرم جدّ وجہد میں شامل ہو سکتے تھے اس قسم کی صورتِ حال میں کوئی ایجی ٹیشن شروع کرنا دانش مندی نہ تھی۔ اگر کوئی ایسی ایجی ٹیشن شروع بھی کی جاتی تو کیا ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ ہڑتال ہو جاتی مظاہرے ہوتے، چند گولیاں چلتیں اس کے بعد وہی خاموشی مسلّط ہو جاتی جو ۱۹۵۳ء کے خونیں واقعہ کے بعد پیدا ہوئی تھی ان حالات میں تصادم کی راہ ترک کر کے مصالحت کی راہ اختیار کرنا بہترین حکمت عملی تھی۔ پاکستان نے بھی اب کشمیر کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا تھا۔ شملہ میں ہندوستان اور پاکستان کے لیڈروں میں جو معاہدہ ہوا اس میں دونوں ممالک نے طاقت کے استعمال کو ترک کر کے کشمیر سمیت دوسرے مسائل حل کرنا تسلیم کیا تھا شملہ معاہدہ میں پاکستان اور ہندوستان نے کشمیر کا مسئلہ حتمی طور دو طرفہ بات چیت کے ذریعہ حل کرنا مان لیا۔ اس معاہدہ کے تحت کشمیر میں جنگ کے دوران چھینے گئے علاقوں کی ادلا بدلی جس طریقہ پر شروع کی گئی، اس سے ثابت ہو گیا کہ فریقین نے ذہنی طور پر کشمیر میں ایک نئی پوزیشن تسلیم کی ہے، چھمب کا وسیع علاقہ جو جنگ

میں پاکستان نے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا سے ہندوستان دست بردار ہو گیا اور یہ علاقہ پاکستان کے پاس رہنے دیا گیا۔ پاکستان نے لیپا وادی کا علاقہ ہندوستان کو واپس دے دیا۔ اسی طرح دوسرے چھوٹے چھوٹے علاقوں کی ادلا بدلی دونوں ممالک نے اپنی فوجی ضروریات کے مطابق کی۔ کشمیر میں مقبوضہ علاقوں کو واپس کرتے ہوئے پرانی جنگ بندی لائن کو بنیاد نہیں بنایا گیا۔ ۲۵ سال تک ریاست میں جو جنگ بندی لائن موجود تھی اس میں بڑی تبدیلیاں کی گئیں۔ نئی لائن کا نام جنگ بندی لائن کے بجائے لائن آف کنٹرول رکھا گیا

نومبر ۱۹۷۴ء میں پاکستان کے وزیر اعظم نے آزاد کشمیر کا دورہ کرتے ہوئے وہاں کے لیڈروں کے سامنے ایک تجویز رکھی جس میں انھوں نے کہا کہ آزاد کشمیر کو پاکستان کا صوبہ بنایا جائے۔ انھوں نے کہا کہ سلامتی کونسل کی قراردادیں ردّی کاغذ کے ٹکڑے ہیں۔ اس اظہار سے مسٹر بھٹو نے کشمیر کے بارے میں عوام میں نئی ذہنی تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ پاکستان نے بے شک شملہ معاہدہ میں کشمیر کا مسئلہ موجود رکھا تھا، اور اس کے حتمی حل کے لئے دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ لیکن بدلے ہوئے حالات میں اس مسئلے کو نئے انداز اور نئی ضرورتوں کے مطابق حل کرنے کی ضرورت تھی۔ شملہ معاہدہ کی تمام دفعات پر ہندوستان اور پاکستان نے پانچ سال کے دوران عملدرآمد کیا صرف کشمیر سے متعلق دفعہ پر پاکستان ہندوستان کے ساتھ بات

چیت میں کچھ مشکلات پڑنے لگا۔ کشمیر کے مسئلے کو روایتی ڈگر سے ہٹ کر حل کرنے سے پہلے مسٹر بھٹو کو پاکستان میں ایک سازگار فضا تیار کرنا تھی۔ وہ انتخابات کے بعد اس مسئلے پر ہندوستان کے ساتھ ایک موافق فضا میں بات چیت کرنے کے خواہش مند تھے۔ انتخابات سے پہلے حکومت پاکستان نے کشمیر کے تنازعہ پر ایک وائٹ پیپر شائع کیا جس میں صاف طور پر بتایا گیا کہ کشمیر کے مسئلے پر اب ہندوستان کے ساتھ جنگ کرنے کا خیال احمقانہ ہے۔ اب دونوں ممالک کی بھلائی اسی بات میں ہے کہ محاذ آرائی کا راستہ ترک کیا جائے اور گفت و شنید اور مفاہمت کی راہ کو اختیار کیا جائے۔

ایک طرف شیخ صاحب نے کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ٹکراؤ اور تصادم کا راستہ ترک کر دیا، دوسری طرف مسٹر بھٹو نے بھی ٹکراؤ کا رویہ چھوڑ دیا۔ اور وہ بھی مفاہمت کے جذبے سے ہندوستان کے ساتھ باہمی مسائل حل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ شیخ صاحب اور مسٹر بھٹو نے مفاہمت کا راستہ اختیار کر کے حالات کے نئے پس منظر میں کشمیر کے مسئلے کے حل کے لئے کام کرنا شروع کیا تھا۔

۱۹۶۲ء میں ہی پاکستان نے کشمیر کے بارے میں اپنے رویہ کو تبدیل کیا تھا جب اکتوبر ۱۹۶۲ء میں چین نے ہندوستان پر حملہ کر دیا تو امریکہ کی وساطت سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر پر بات چیت کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا گیا۔ چھ ماہ

سے زیادہ عرصہ تک ہندوستان اور پاکستان کے نمائندے کشمیر پر مذاکرات کرتے رہے۔ چھ ماہ کے دوران چھ بار جو بات چیت ہوئی اس میں تین اہم نکات پر تبادلہ خیال ہوا۔ ہندوستانی ڈیلیگیشن کے لیڈر سردار سورن سنگھ کی تجویز تھی کہ پاکستان کو لوچھ کا قصبہ اور تین ہزار مربع میل پر مشتمل دیگر چھوٹے چھوٹے علاقے پاکستان کو دے دیئے جائیں۔

مسٹر بھٹو کی تجویز یہ تھی کہ سارا جموں اور کشمیر کے کچھ علاقے ہندوستان کو دیئے جائیں، یہ ساری بات چیت ریاست کی تقسیم پر ہوئی۔ پاکستان کی طرف سے کشمیر کی تقسیم پر بات چیت کرنا ان یقین دہانیوں اور وعدوں کے خلاف تھا جن میں اس نے کہا تھا کہ کشمیر کا مسئلہ کوئی علاقائی مسئلہ نہیں بلکہ چالیس لاکھ انسانوں کا مسئلہ ہے، جب بات چیت ناکام ہوئی تو پاکستان دوبارہ رائے شماری پر زور دینے لگا۔

مولانا یوسف شاہ کا خط

مولانا یوسف شاہ صاحب نے ۱۹۵۸ء میں ہی کشمیر کے مسئلے کو بدلے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق حل کرنے کی ضرورت کا احساس کیا تھا۔ دس سال تک آزاد کشمیر میں رہنے کے بعد انہیں بہت سارے تجربے اور مشاہدے ہوئے تھے ۱۹ جولائی ۱۹۵۸ء کو مولانا یوسف شاہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام

ایک خط لکھا جس میں انھوں نے تحریر کیا۔

"میری خانگی مجبوریوں کا خیال رکھتے ہوئے موجودہ نازک حالات میں گورنمنٹ آف انڈیا نے جو ویزا مجھے اور میری فیملی کو دیا ہے، میں اس کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ امر آپ کی وسعت قلبی اور بلند ہمتی کا بہت بڑا ثبوت ہے"۔ مسئلہ کشمیر کا ذکر آپ نے اس انداز سے کیا:

"مسئلہ کشمیر کے دس سالہ تعطل اور مختلف النوع اور بدلتے ہوئے حالات اور واقعات نے اب ایسے ایسے مسائل اور حقائق سامنے لا رکھے ہیں جن کا تصور بھی دس سال پہلے نہیں ہو سکتا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ پرانے نظریات و عقائد میں ترمیم و نظر ثانی کی ضرورت پیش آئی ہے میں چاہتا ہوں دس سالہ ذاتی تجربہ و مشاہدات کی روشنی میں آپ سے اس موضوع پر بات چیت کروں"۔

آزاد کشمیر کی حکومت

مولانا یوسف شاہ دو بار آزاد کشمیر کے صدر رہے۔ صدر کی حیثیت سے ان کو وہاں کے حالات کا کافی تجربہ تھا، مولانا یوسف شاہ کشمیر پر قبائلی حملہ سے پہلے پراسرار طور پر کشمیر سے چلے گئے پاکستان کے کچھ لیڈروں نے ۱۹۴۷ء کے دوران ہی سرینگر کے ایک

میں مولانا یوسف شاہ کے ساتھ ملاقات کی اور ان کو اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ ...ان نے کشمیر کے بارے میں پہلے ہی ایک منصوبہ تیار کیا تھا۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو راولپنڈی ...ہوٹل میں آزاد کشمیر کی حکومت قائم کی گئی، کچھ نامعلوم لیڈروں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو بے دخل ...لان کرنے کا فیصلہ کیا۔

ریڈیو پاکستان نے آزاد کشمیر کی اس عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کیا۔ اس ...ت کے صدر کا نام ریڈیو نے "انور" بتایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انور غلام نبی گلکار ہیں ...کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔ آزاد کشمیر کی حکومت کا اعلان کرنے ...ے کے صدر غلام نبی گلکار مہاراجہ ہری سنگھ کو گرفتار کرنے کے لئے سرینگر روانہ ...اسی دوران کشمیر پر قبائلی حملہ شروع ہوا۔ اور غلام نبی گلکار واپس نہ جا سکے ...صاحب کو بعد میں کشمیر کی نئی حکومت جس کے سربراہ شیخ محمد عبداللہ تھے نے گرفتار ...ں برسوں کے دوران آزاد کشمیر میں چھ صدر بدل گئے۔ ان صدروں کو آزاد ...ے لیڈروں نے چنا تھا اور نہ ہی مسلم کانفرنس نے۔ بلکہ ان کو پاکستان کے ...ر کرتے رہے۔

۱۹۵۵ء میں مسلم کانفرنس نے ایک میمورنڈم تیار کیا جس میں لکھا تھا کہ وزارت ...میر، آزاد کشمیر کی اصل حکمراں جماعت ہے۔ یہی وزارت آزاد کشمیر کی حکومتوں کو ...ہے اور ختم کر سکتی ہے۔

۱۹۷۵ء میں آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی کو داخل کیا گیا۔ سردار عبدالقیوم

خان جو مسلم کانفرنس کے لیڈر تھے کو اپنے عہدے سے معزول کر کے گرفتار کر لیا گیا اس کے بعد کچھ لیڈروں کو اپنا ہم نوا بنا کر پیپلز پارٹی کو دھاندلیوں اور دھونس کے ذریعہ کامیاب بنایا گیا۔ اس سے قبل آزاد کشمیر میں کونسل قائم کی گئی جس کے سربراہ پاکستان کے وزیر اعظم بنائے گئے۔ کونسل قائم کر کے آزاد کشمیر کے عوام پر پاکستان کی مرضی ٹھونسنے کی راہ ہموار کی گئی۔ اس کارروائی کے ساتھ ہی بلتستان کو پاکستان کے ساتھ مدغم کر لیا گیا۔ گلگت کو پہلے ہی پاکستان سرکار نے اپنے براہ راست کنٹرول میں لے لیا تھا۔

۲۵ فروری ۱۹۷۵ء کو کشمیر سے متعلق جو معاہدہ ہوا، اس پر پاکستان کا ردِ عمل محض ایک رسمی قسم کا تھا۔ اس ردِ عمل کے بعد پاکستان نے کشمیر کے معاملے پر ایک خاموشی اختیار کی۔ پاکستان اس معاہدہ کے بعد کشمیر پر کسی کسی وقت اپنے موقف کو دہراتا رہا۔

شملہ معاہدہ سے پہلے پاکستان اور ہندوستان نے ایک دوسرے کے خلاف جو پروپیگنڈا مہم شروع کی تھی بند کر دی گئی۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کئے جانے لگے، ہوائی اور زمینی آمدورفت بحال کی گئی۔ سفارتی تعلقات دوبارہ قائم کئے گئے۔ شملہ معاہدہ کے ۵ سال بعد تک دونوں ملک ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے۔ مسٹر بھٹو مسئلہ کشمیر کے مسئلے پر ہندوستان کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے مناسب

کی تلاش کرنے لگے۔

ڈ اور شبہات

کشمیر اکارڈ کے بعد اس کے پیچھے چھپے ہوئے حقیقی مقاصد پر کشمیر کے سیاسی ں میں زبردست لے دے ہوتی رہی۔ اس معاہدہ کو طے کر کے جس طریقے سے شیخ ب کو حکومت سونپ دی گئی اس نے خواہ مخواہ اس بارے میں شکوک و شبہات گئے۔ عام تاثر یہ تھا کہ اکارڈ نیک نیتی سے نہیں کیا گیا ہے۔ شیخ صاحب نے اسمبلی اور دیگر جمہوری اداروں کے انتخابات عمل میں لانے کی خواہش ظاہر کی انہیں ف حلقوں سے ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ انتخابات کے ٹالنے کے بہانوں سے کوک میں مزید اضافہ ہونے لگا۔ اس بارے میں مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی جانے ں۔ کچھ حلقے کہنے لگے، کانگرسی زعما ایک خاص مدت تک شیخ صاحب کو برداشت کرنا ہتے ہیں۔ تا کہ ریاست میں ان کے خلاف عوام کی بے زاریاں بڑھ جائیں یہ کہا جانے کہ شیخ صاحب آفتاب سر کوہ ہیں اس لئے انتخابات کو یہ جان کر طول دیا جا رہا ہے کو معاہدہ پر عمل درآمد سے پہلے وہ اٹھ جائیں۔

شیخ صاحب نے ۱۹۷۵ء میں جب اسمبلی کے انتخابات عمل میں لانے میں کچھ مشکلات دیکھیں اور مرکزی لیڈروں کو انتخابات کرانے کے لئے آمادہ نہیں پایا۔

تو انھوں نے پنچایتی انتخابات کرانے کی طرف قدم بڑھایا۔ جب پنچایتی انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا تو کانگریس نے دباؤ ڈال کر شیخ صاحب کو یہ فیصلہ واپس لینے پر مجبور کیا۔ ایمرجنسی کے باعث مرکزی لیڈر اسمبلی کے انتخابات کرانے میں اپنی مجبوریوں کا اظہار کرنے لگے، انھوں نے کہنا شروع کیا۔ اسمبلی کے انتخابات عمل میں لانے سے مرکز کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ شیخ صاحب بھی مرکزی لیڈروں کو کسی مشکل میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے تھے وہ ان سے ساتھ موثر اور بامقصد تعاون کرنے کے اپنے وعدے پر قائم تھے۔ ایمرجنسی کے باعث وہ مرکز پر انتخابات عمل میں لانے کا مطالبہ کرنے سے کسی حد تک گریز کرتے رہے۔ ان کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ بھی کافی صبر آزما تھے۔ کشمیر میں جس طریقے سے حکومت کو تشکیل دیا گیا تھا وہ ایک نیا تجربہ تھا شیخ صاحب دوسری جماعت کے سہارے حکومت چلا رہے تھے۔ حکومت چلانے کا یہ انتظام آدھا تیتر اور آدھا بٹیر قسم کا تھا۔ یہ انتظام اور طریقہ کار زیادہ بہتر اور زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا تھا۔

دو سال تک کافی کشمکش کے باوجود اس دوغلے نظام کو قائم رکھا گیا۔ اس نظام سے کافی انتظامی اور سیاسی الجھنیں پیدا ہو گئیں اس دوغلے نظام میں شیخ صاحب اپنی وزارتی ذمہ داریاں بہت مشکل سے انجام دے رہے تھے۔ کانگریسی ممبران شیخ صاحب کو اپنا تعاون دینے کی بجائے دشواریاں پیدا کر رہے تھے۔ اسمبلی کے انتخابات

کانگریس اس تکلیف دہ صورت حال کو ختم کیا جا سکتا اور عوام کو بھی انتخابات کے بعد ایک ... اس ایگر صورت حال سے چھٹکارا حاصل ہو سکتا تھا۔

کانگریس کے لیڈر شیخ صاحب کی مشکلات میں اضافہ کر کے سیاسی فضا کو اپنے حق ... نے کی کوششیں کر رہے تھے۔ شیخ صاحب کے ہر اصلاحی قدم سے سیاسی فائدہ حاصل ... کا جتن کیا جا رہا تھا۔

... ت نہاد ملیوں کی کوششیں

حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی شیخ محمد عبداللہ نے ریاست میں مثبت ... ن کے لئے فضا بنانے کی طرف قدم بڑھانے شروع کئے۔ معاشرے اور انتظامیہ ... خرابیوں کے زہر کو خارج کرنے کے لئے انھوں نے کورپٹ عناصر کے خلاف کارروائیاں ... کیں۔ ان کارروائیوں کے نتیجے میں مفاد خصوصی کے طبقے جو سماج اور انتظامیہ میں ... تے تھے بری طرح متاثر ہونے لگے ان کے ناجائز مفادات پر زد پڑنے لگی ... خصوصی سابقہ نظام میں حکومت کی پشت پناہی سے ہی اپنے ناجائز مفادات ... دادے رہے تھے اب ان کے لئے ناجائز مفادات حاصل کرنا کافی حد تک ... ن گیا تھا۔

حکومت کی ... ذمہ داریاں سنبھالتے ہی جن کورپٹ عناصر کو انتظامیہ سے چلتا کر دیا

گیا تھا۔ ان سے وابستہ مفاد خصوصی کا طبقہ اب اپنے مفادات کے لئے ایک خطرہ محسوس کرنے لگا۔ شیخ صاحب نے اسی دوران سب سڈی میں کمی کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ بھی اصلاحی قدم تھا۔ مفاد خصوصی کے طبقوں نے عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے سب سڈی پر آنسو بہانے شروع کر دیئے۔ اس طرح عوام میں بیزاریاں پیدا کر کے حکومت پر ایک طرح کا دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ کانگرسی اور ان کے حامی ہر اصلاحی کی غلط تاویل اور تشریح کرنے لگے، اور اس طرح وہ خود مفاہمت کو کمزور کرنے کا باعث بننے لگے۔ وہ منفی کارروائیاں کر کے مثبت سرگرمیوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے لگے۔ وہ ہر تین ماہ بعد کابینہ میں پوری نمائندگی کا مطالبہ کرتے رہے۔ اس قسم کے مطالبات سے شیخ صاحب کو پریشان کیا جانے لگا۔

کانگرسی اب محاسبہ کا مطالبہ کرنے لگے اس سلسلے میں انھوں نے کہنا شروع کیا کہ محاسبہ ۱۹۴۷ء سے ہونا چاہیئے۔ اس قسم کے مطالبے سے ان کا مقصد محض اپنی کمائی ثابت کرنا تھا۔ اور عوام کو یہ تاثر دینا تھا کہ شیخ صاحب بھی ہماری طرح ناجائز مفادات حاصل کر چکے ہیں۔ اس قسم کے مطالبات کے پیچھے ایک شرارت تھی۔ شیخ صاحب نے ایسے بے ہودہ مطالبات کا سلسلہ دراز ہوتے دیکھ کر کانگرسیوں سے متعدد بار کہا کہ اگر ان کا اعتماد میری حکومت سے ختم ہو گیا ہے تو وہ گاؤں گاؤں جا کر جلسوں میں حکومت کی نکتہ چینی کرنے کے بجائے میرے خلاف عدم اعتماد کریں۔ اسمبلی ان

وہ حکومت چھوڑ سکتے ہیں۔

کانگرس کی اشتعال انگیزیاں

شیخ صاحب کے خلاف پردیش کانگرس کی اشتعال انگیزیوں اور الزام تراشیوں کے پیچھے یہ مقصد تھا کہ ان کو آئندہ سیاسی طور ایک برتر پوزیشن میں ابھرنے نہ دیا جائے۔ ایک طرف عوام میں ان کے خلاف بیزاریوں کو پیدا کیا جا رہا تھا جس میں وہ آئندہ اپنے لئے راستہ ہموار کرنا چاہتے تھے دوسری طرف ان کو ایک ایسے چناؤ سمجھوتہ پر آمادہ کرنے پر مجبور کیا جا رہا تھا جس سے شیخ صاحب مستقبل میں بھی کانگرس کے سہارے ہی حکومت چلاتے رہیں۔ شیخ صاحب ان تمام قسم کے دباؤ کو قبول کر کے اپنے مقصد کی طرف آگے بڑھتے رہے۔ ان کا مقصد ایک نمائندہ اسمبلی قائم کرنا تھا۔ اسمبلی کے انتخابات مرکزی حکومت کی مرضی کے بغیر کر لینا مشکل تھے۔ مرکزی لیڈر خصوصی طور پر وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی جن پر شیخ صاحب کو کافی اعتماد تھا، اپنی سیاسی مجبوریوں کا ذکر کر کے اسمبلی کے انتخابات کو ٹال رہی تھیں۔ شیخ صاحب وزیر اعظم کی مجبوریوں کے اظہار میں چھپے ہوئے مقاصد کو یا سمجھ نہیں رہے تھے یا مصلحتوں کے باعث وزیر اعظم کے مشوروں کو قبول کر رہے تھے۔ اسمبلی کے انتخابات میں مرکز کی خواہشات کے سامنے جھک جانے میں ایک جواز تھا۔ شیخ صاحب جب پنچایتوں اور بلدیاتی اداروں کے

انتخاب کی بات کرتے تھے اس میں بھی اڑچنیں پیدا کی جا رہی تھیں تین بار شیخ صاحب کو پنچایتی انتخابات ملتوی کرانے پر مجبور کیا گیا۔

پنچایتی یا ملدیاتی اداروں کے انتخابات ریاست کا اپنا معاملہ تھا اور حکومت جب چاہتی ان اداروں کے لئے انتخابات کرانے کا اعلان کر سکتی تھی۔ پردیش کانگرس کے لیڈر اچھی طرح جانتے تھے کہ پنچایتی اور ملدیاتی انتخابات سے کوئی سیاسی تبدیلی پیدا نہیں ہو جائے گی۔ انہیں احساس تھا کہ ان انتخابات میں پارٹیوں کی قوت کا مظاہرہ ہو گا۔ اور اس سے دنیا جان جائے گی کہ کون سی پارٹی عوام کا کتنا اعتماد رکھتی ہے، پنچایتی اور ملدیاتی انتخابات میں اپنی کمزوریوں کا اندازہ لگا کر ہی پردیش کانگرس کے لیڈر کسی نہ کسی طرح ان اداروں کے انتخابات عمل میں لانے کا موقعہ نہیں دینا چاہتے تھے

پنچایتی کمیٹیوں پر اب تک کانگرس کا ہی کنٹرول تھا ۱۹۶۹ء میں صادق صاحب کے وقت انتخابی نتائج الٹ کر جو کمیٹیاں قائم کی گئی تھیں وہ اب تک کام کر رہی تھیں کانگرس کے حامیوں نے حکومت کے پنچایتی انتخابات عمل میں لانے کے سرکاری فیصلے پر کہنا شروع کیا۔ کہ پنچایتوں پر کانگرس کے کنٹرول کو ختم کرنے کے لئے ہی ان کے انتخابات پر زور دیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ پنچایت کمیٹیوں کی میعاد پوری ہو گئی تھی۔ پردیش کانگرس کے اس قسم کے اعتراضات پر شیخ صاحب نے ۱۹۷۶ء کے وسط میں ملدیاتی اداروں کے انتخابات عمل میں لانے کا فیصلہ ہوتے ہی کانگرسی کافی

پیچ و تاب کھانے لگے۔ انھوں نے رابطہ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا۔

رابطہ کمیٹی جو کانگرس اور نیشنل کانفرنس کے تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لئے قائم کی گئی تھی اب اپنے وجود کو دوسرے انداز سے منوانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کمیٹی کا رول ایک مداخلت کار کا رول بن رہا تھا۔ رابطہ کمیٹی کے مشورے پر ریاستی سرکار پر مختلف قسم کے دباؤ ڈالے جا رہے تھے؛ اس کمیٹی کے فیصلوں سے شیخ صاحب کی حکومت بہت سارے ایسے اختیارات بھی استعمال کرنے کے ناقابل بن گئی تھی جن کا مرکز کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ رابطہ کمیٹی کا رویہ اب ریاستی سرکار کے لئے قابل اعتراض بن رہا تھا۔

رابطہ کمیٹی کی سفارشات مسترد

کشمیر سے متعلق معاہدہ کے ڈیڑھ سال بعد تک شیخ صاحب کی حکومت نے رابطہ کمیٹی کے بہت سارے مشورے قبول کئے۔ اگست ۱۹۷۶ء میں رابطہ کمیٹی کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں ریاستی سرکار کے پنچایتی اور ملدیاتی انتخابات عمل میں لانے کے فیصلے پر غور کیا گیا۔ کمیٹی نے ان اداروں کے انتخابات فی الحال ملتوی کئے جانے کی تجویز پیش کی تاکہ ان انتخابات سے پیدا ہونے والے نتائج پر سوچ بچار کیا جا سکے پنچایتی اور ملدیاتی انتخابات کو ملتوی کرانے کے بارے میں رابطہ کمیٹی نے جو دلیل پیش کی تھی

کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے ان پر جب ایک خصوصی میٹنگ میں غور کیا تو اس نے ان دلائل کو نہ صرف غلط قرار دیا۔ بلکہ ان کو جمہوریت کے منافی قرار دیا۔

رابطہ کمیٹی نے پنچایتی اور بلدیاتی انتخابات ملتوی کرانے کی سفارش کرتے ہوئے دلیل دی تھی کہ ان انتخابات سے رسہ کشی پیدا ہوگی۔ اور ناپسندیدہ عناصر کو صورتحال کا ناجائز فائدہ اٹھا کر مفاہمت کو کمزور کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ اس طرح وہ فضا خراب ہو جائے گی جو ایک سال سے زیادہ عرصہ سے کافی محنت کے بعد تیار کی گئی ہے نیشنل کانفرنس نے اس دلیل کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ”انتخابات کے وقت ضرور رسہ کشی پیدا ہو جاتی ہے۔ انتخابات کا مطلب ہی رسہ کشی ہے۔ کوئی بھی انتخاب رسہ کشی اور کھچاؤ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ محض رسہ کشی کے خدشہ سے ہی انتخابات سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔“

نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے پنچایتی اور بلدیاتی کمیٹیوں کے انتخابات ملتوی کرنے کے دلائل کو مسترد کرتے ہوئے پنچایتی انتخابات ملتوی کرنا مان لیا لیکن بلدیاتی انتخابات ملتوی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ورکنگ کمیٹی نے کہا کہ بلدیاتی اداروں پر نیشنل کانفرنس کا ہی کنٹرول ہے، اس لئے اخلاقی طور پر پہلے ان ہی اداروں کے انتخابات عمل میں لانے کی سفارش کرے گی۔

بلدیاتی انتخابات کشمکش کا باعث

ورکنگ کمیٹی کی اس سفارش کے بعد سرکاری طور ایک نوٹیفکیشن جاری کیا گیا جس میں کہا گیا میونسپل کونسل کے انتخابات ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو سرینگر میں اور ۲۴ نومبر ۱۹۷۶ء کو جموں میں ہوں گے۔ کانگریس کی طرف سے اس اعلان کا شدید رد عمل ہوا۔ نیشنل کانفرنس نے پہلے ہی اعلان کیا تھا کہ وہ جماعتی بنیادوں پر میونسپل کمیٹیوں کے انتخاب لڑے گی۔ پردیش کانگریس کے لیڈروں نے بھی اعلان کیا کہ وہ جماعتی طور پر بلدیاتی انتخاب لڑیں گے۔

اس قسم کا اعلان کرنے کے ساتھ ہی کانگریسی زعما مختلف طریقوں سے انتخابات ملتوی کرانے کی کوششیں کرنے لگے۔ انہوں نے مختلف قسم کے دباؤ استعمال کرنے شروع کئے۔ اس سلسلے میں پہلی بار شیخ صاحب پر جن سنگھ اور راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے ساتھ خفیہ روابط کا الزام عائد کیا گیا۔

۱۰ ستمبر ۱۹۷۶ء کو اکھنور (جموں) میں کانگریس کا ایک کنونشن ہوا جس میں کئی قراردادیں پاس کی گئیں۔ ان قراردادوں میں کہا گیا کہ جن سنگھ اور آر ایس ایس کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ کا رویہ بہت ہی ہمدردانہ ہے۔ ریاست کے اندر اور ریاست سے باہر سیکولر قوتوں کو شیخ صاحب کے ساتھ زبردست امیدیں وابستہ تھیں۔ ان سے

توقع تھی کہ وہ فرقہ پرستوں اور رجعت پسندوں کا مقابلہ کریں گے۔ یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ تنگ نظری پر مبنی سیاسی مصلحتوں نے ملک کے وسیع مفادات کو خطرہ پہنچانا شروع کیا ہے!!

۲۴ ستمبر ۱۹۷۶ء جمعۃ الوداع کے روز شیخ صاحب نے اس الزام کا جواب شاہی مسجد سرینگر میں دیا۔ انھوں نے کہا:— "اس قسم کے الزامات کا ذکر کرنا ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں، ایک وقت ہم پر پاکستانی ہونے کا الزام دیا گیا۔ مسلمان ہونے کے ناطے پاکستانی ہونے کا الزام آسانی کے ساتھ مجھ پر لگ سکتا تھا۔ ۲۲ سال تک اسی بات کی گردان کی جاتی رہی۔ آج ہمیں جن سنگھیوں سے وابستہ کیا جا رہا ہے۔ میں اس دیوانگی کا کیا جواب دوں۔ شیخ صاحب نے کہا کہ ہمارے کانگریسی دوستوں کو یہ دکھ ہے کہ جن سنگھ اور آر ایس ایس والے مجھے گالیاں کیوں نہیں دیتے۔ ایک وقت جن سنگھی مجھے اپنا بدترین دشمن تصور کرتے تھے۔ مجھ پر ذاتی طور جو گزری سو گزری۔ اقتدار کی کرسی پہ بیٹھ کر میں کسی سے انتقام نہیں لے سکتا۔ ایسا کرنا اسلام اور قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے میں اس کرسی پر بیٹھا ہوں جہاں مجھے دوست اور دشمن کے ساتھ انصاف کرنا ہے اگر انصاف دشمن کے حق میں ہو تو مجھے اسکی ہی حمایت کرنا ہے میں کسی کو کوئی ناجائز فائدہ نہیں دے سکتا۔ شیخ صاحب نے کہا کہ ملک میں ایمرجنسی نافذ ہونے کے بعد جماعت اسلامی کو ممنوعہ جماعت قرار دیا گیا جن سنگھ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی اسلئے

جن سنگھ کو اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری رکھنے سے ہم روک نہیں سکتے جن سنگھ کے ساتھ اس قسم کے رویہ کو ہمارے کانگریسی دوست ہمارے اور ان کے درمیان ایک گٹھ جوڑ سے تعبیر کرتے ہیں، اگر کانگریسی دوستوں کو احساس ہوا ہے کہ میں ان کے اعتماد کے قابل نہیں رہا ہوں۔ تو اپنے اعتماد کو واپس لینا چاہیئے۔ انہیں اتنی سخت دوڑ دھوپ کی ضرورت نہیں۔ ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ شیخ صاحب کوئی ایسی شئے نہیں جس کو خریدا جا سکے۔ شیخ صاحب نے کہا:

میرے ہاتھ میں حکومت دیکر کانگریسی زعماؤں کو آج افسوس ہو رہا ہے۔ وہ شاید سمجھ رہے ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھ میں اقتدار دیکر انھوں نے غلطی کی ہے اگر ان کو اقتدار کی ہی ضرورت ہے تو انہیں فضا کو مسموم بنانے کی بجائے مثبت رویہ اپنانا چاہیئے۔ کرسی کے ساتھ ہماری کوئی دلچسپی نہیں۔ ہمارا مقصد قوم کے لئے عزت و آبرو کا مقام حاصل کرنا ہے اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اقتدار ہمارے مقاصد میں رکاوٹ بن رہا ہے تو ہم اس اقتدار کو ٹھکرا دیں گے۔ کانگریسیوں کو اپنے آقاؤں کے پاس جانا چاہیئے۔ انہیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ ۱۹۳۱ء میں ہم نے جو تحریک شروع کی تھی اس کو ہم مرنے دیں گے۔ کانگریسی ہمیں اس قسم کے اشتعال دیکر شاید یہ امید رکھتے ہیں کہ ہم حکومت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جائیں گے لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم ہفتہ وار اشتعال میں آکر ہم حکومت چھوڑنے والے نہیں۔

۲۶ ستمبر ۱۹۷۶ء کو عید گاہ سری نگر میں شیخ صاحب نے عید الفطر پر ایک تقریر کی۔ انھوں نے کہا کہ کانگریس نے اکارڈ کو یک طرفہ طور شائع کیا۔ اس موقعہ پر انھوں نے وہ انگریزی خط پڑھ کر سنایا جو انھوں نے وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو لکھا تھا۔ خط میں شیخ صاحب نے یہ بات واضح کی تھی کہ وہ حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہوئے اپنا کام ۹، اگست ۱۹۵۳ء کی پوزیشن سے شروع کریں گے۔

انھوں نے کہا کہ مرکزی لیڈروں نے ریاست میں کانگریس کو موجود رکھ کر معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ شیخ صاحب نے ایک اہم بات یہ کہی کہ محاذ رائے شماری کو جماعت نے توڑا ہے عوام نے نہیں۔

حقیقی ارادوں کو بھانپنے کی کوشش

۴ ستمبر ۱۹۷۶ء اور ۲۶ ستمبر ۱۹۷۶ء کو شیخ صاحب نے اکارڈ سے اس وقت تک کے حالات پر جس [illegible] لہجہ میں تبصرہ کیا۔ اس سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ مرکز اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان غلط فہمیاں موجود ہیں اور اب تک دونوں ایک دوسرے کے حقیقی ارادوں کو بھانپنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔

شیخ صاحب کے ہاتھ میں اقتدار سپرد کر کے مرکزی زعماؤں اور خود پردیش کانگریس کے کچھ لیڈروں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ شیخ صاحب مرکزی سرکار کے ایک وفادار وزیر اعلیٰ

طرح کام کریں گے، اور وہ مرکز کے منشا اور خواہشات کے مطابق ہی ہر قدم اٹھائیں گے ... امید تھی کہ شیخ صاحب کانگریسی تنظیم میں کام کرنا پسند کریں گے۔

شیخ صاحب نے جب نیشنل کانفرنس کے احیائے نو کا اعلان کیا اور محاذ اور پردیش کانگریس کے لیڈروں کو دعوت دی کہ وہ اپنی تنظیموں کو ختم کر کے نیشنل کانفرنس میں شامل ہو جائیں، تو کشمکش کا آغاز ہو گیا۔ کشمکش اس وقت اور بھی تیز ہو گئی جب شیخ صاحب نیشنل کانفرنس کے خود صدر بن گئے۔ مرکزی لیڈر اسی وقت سے سمجھنے لگے کہ شیخ صاحب قابو میں آنے والے نہیں ہیں۔ اب کانگریسی زعماؤں کو نئے اندیشے پیدا ہونے لگے۔ پردیش کانگریس کے لیڈر حکومت کے بل بوتے پر ہی تنظیم چلاتے تھے وہ حکومت کے ہی سہارے انتخابات میں اپنی کامیابی کی راہیں بھی ہموار کیا کرتے تھے۔ اب انتخابات میں ان کی کامیابی کے امکانات بہت تاریک ہو گئے تھے۔

شیخ صاحب کے خلاف عوام میں جو بیزاریاں پیدا ہو رہی تھیں ان کا فائدہ کانگریس کو نہیں مل سکتا تھا۔ کانگریس کے لیڈر اور مرکزی رہنما اب شیخ صاحب کے ساتھ ٹکرانے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ وہ اب دباؤ اور نرمی دونوں طریقے استعمال کر رہے تھے۔ جہاں نرمی کی ضرورت تھی وہاں نرمی اور جہاں دباؤ کی ضرورت ہوتی تھی وہاں دباؤ استعمال کیا جاتا تھا۔ شیخ صاحب اور بیگ صاحب دباؤ اور نرمی کی اس حکمت عملی سے غیر واقف نہ تھے۔ ان کی منزل اسمبلی کے انتخابات تھے اور وہ اسمبلی کے

انتخابات کی خاطر کافی حد تک جھک رہے تھے۔ مرکز کے سامنے اس جھکاؤ کی حکمت عملی کا بھی کانگریس نے ایک فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ پردیش کانگریس کے لیڈر جو بات خود نہیں کہہ سکتے تھے ان کو اپنے رشتہ داروں کے ذریعہ کہلوایا جاتا تھا۔

مولانا فاروق نے اب کہنا شروع کیا تھا کہ جو وزیر اعلیٰ بلدیاتی انتخابات کرانے کا اختیار نہ رکھتا ہو۔ وہ کشمیری عوام کو عزت و آبرو کا مقام کہاں دلا سکتا ہے۔ مولانا فاروق کے اس طعنہ سے مشتعل ہو کر شیخ صاحب نے ۲۶ ستمبر ۱۹۷۶ء کو عیدگاہ میں بلدیاتی انتخابات عمل میں لانے کا اعلان کیا۔ انھوں نے مولانا فاروق سے بھی کہا کہ وہ انتخابات کے لئے تیار رہیں۔

بلدیاتی انتخابات کی تاریخوں کا اعلان ہونے کے بعد ہی نیشنل کانفرنس اور کانگریس کے درمیان کشمکش تیز ہو گئی۔ پردیش کانگریس کے لیڈروں نے شیخ صاحب پر دباؤ ڈالنے کے لئے وزارتی کونسل میں برابر کی نمائندگی کا مطالبہ کیا۔

شیخ صاحب نئی دہلی طلب کئے گئے۔ جہاں کانگریس کے اس مطالبے پر مرکزی لیڈروں کے ساتھ صلاح مشورہ ہوا۔ شیخ صاحب کانگریس کو وزارتی کونسل میں مساوی نمائندگی دینے پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔ وزارتی کونسل میں کانگریس کے دو جونیئر وزیروں کو کابینہ کے وزیروں کا درجہ دینے پر شیخ صاحب تیار ہو گئے۔ اس کے علاوہ اپنی وزارتی کونسل کے لئے شیخ صاحب نے کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے پانچ وزیروں کے

ناموں پر اتفاق کیا۔ شیخ صاحب نے کانگریس کے جن دو وزیروں کو اپنی وزارتی کونسل میں شامل کرنا تسلیم کیا۔ ان میں عبدالغنی گونی اور علی محمد نائیک شامل تھے۔ اسکے علاوہ نیشنل کانفرنس سے عبدالغنی میر، محمد اشرف اور محمد شفیع کو وزارتی کونسل کے لئے چن لیا گیا۔ کانگریس کے علی محمد نائیک اور عبدالغنی گونی کا جو انتخاب شیخ صاحب نے کیا وہ پردیش کانگریس کے لیڈروں کے منشا اور مقصد کے خلاف تھا۔ کانگریسی زعما غلام رسول کار اور جی ایل ڈوگرہ کو وزارت میں شامل کرنے کے حق میں تھے۔ علی محمد نائیک اور عبدالغنی گونی کافی عرصہ تک محاذ رائے شماری سے وابستہ رہے تھے۔ ان دونوں لیڈروں نے ۱۹۵۳ء کے بعد محاذ میں نمایاں رول ادا کیا تھا۔ اس نسبت سے ان کو شیخ صاحب کا ہی آدمی سمجھا گیا۔ عبدالغنی میر، محمد اشرف، اور محمد شفیع نے کانگریس سے استعفیٰ دیدیا تھا۔ اور اب وہ نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے تھے ان کی وزارت میں شمولیت کو سارے کانگریس کے لئے ایک چیلنج سمجھا گیا۔ پردیش کانگریس کے لیڈروں اور کارکنوں نے اس انتخاب کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ انھوں نے مرکز پر دباؤ ڈالا کہ اگر فوری طور نیا انتخاب عمل میں نہ لایا گیا تو کانگریس کے تمام ممبر مستعفی ہو جائیں گے۔ پردیش کانگریس کے لیڈروں کی دھمکی سے مرکزی لیڈر مرعوب ہو گئے۔ انھوں نے کانگریس کے نئے منتخب وزیروں سے کہا کہ وہ حلف لینے کی تقریب میں شامل نہ ہو جائیں۔

بحران

اکتوبر ۱۹۷۷ء کو راج بھون میں نئے وزیروں کو حلف دلانے کی تقریب تھی اس سلسلے میں آفسروں اور شہریوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ کانگریسی منتخب وزیروں نے حلف لینے کی تقریب میں شامل ہونے سے انکار کیا۔ اس کارروائی سے ایک زبردست بحران پیدا ہو گیا۔ گورنر اور شیخ صاحب سخت مخمصے میں پڑ گئے۔ اس بحران کو ختم کرنے کے لئے بیگ صاحب نے مشورہ دیا کہ تمام نئے وزیروں کے حلف لینے کی تقریب منسوخ کر دی جائے۔ شیخ صاحب نے فوراً ہی بیگ صاحب کے اس مشورے پر عمل کیا انھوں نے حلف لینے کی تقریب منسوخ کی۔ اس کے ساتھ ہی بلدیاتی انتخابات کو بھی ملتوی کرنے کا اعلان کیا گیا۔

شیخ صاحب کی طرف سے نئے وزیروں کے تقرر اور بلدیاتی انتخابات، کو ملتوی کرنے کے اعلان کے بعد بحران ٹل گیا۔ کانگریس کا مدعا اس کارروائی سے پورا ہو گیا اسکے بعد بلدیاتی انتخابات ملتوی کرانے کے لئے جو حکمت عملی اختیار کی تھی وہ اب کامیاب ہو گئی تھی۔

ایک نیا اضطراب

گورنر نے شیخ صاحب کے مشورے پر نئے وزیروں کو حلف دلانے کی تقریب [ملتو]ی۔ شیخ صاحب نے اس موقع پر ایک بیان پڑھ کر سنایا جس میں درج تھا"

میری یہ خواہش تھی اور امید تھی کہ آج کی یہ تقریب وزراء کی کونسل میں کانگریس پارٹی کی بھرپور شمولیت سے پُر مسرت بنے گی لیکن یہ بات میرے لئے باعث افسوس ہے، کہ وزارتی کونسل کی تشکیل اور میونسپل انتخابات جیسے معاملات پر تنظیمی سطح پر کچھ مشکلات اب بھی حائل ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اور مفاہمت سے کام لے کر ان تمام مشکلات کا تسلی بخش حل بھی نکل آئے گا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ میں نے اپنی جانب سے ہر سطح پر کانگریس کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور اسی مقصد کے پیش نظر میں نے کانگریس کے چار سرکردہ اراکین سے وزارتی سطح پر وزارت میں شامل ہونے کی درخواست کی تھی اسکے علاوہ میں نے آنے والے بلدیاتی انتخابات میں نشستوں کی تقسیم کے معاملہ پر بھی کانگریس پارٹی کو اپنے پورے تعاون کی پیشکش کی تھی چنانچہ اسی جذبے کے

تحفظ ہو سکے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کی آخری تاریخ بھی بڑھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس طرح میں نے ہر مرحلہ پر یہ واضح کیا کہ میں کانگریس پارٹی کا سرگرم اور تعمیری تعاون کا بجا طور متمنی ہوں بدقسمتی سے موجودہ غلط فہمی سے فضا مکدر ہو گئی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ آج کی تقریب سے اشتراک و مفاہمت کے اس مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہو گی جو وزراء کی کونسل کی تشکیل نو میں کار فرما تھا۔ اس لئے میں نے گورنر سے درخواست کی کہ آج کی رسمی تقریب منسوخ کی جائے انہوں نے یہ درخواست منظور فرمائی۔ بہر حال ہم کانگریس کی لیڈرشپ کے ساتھ ایک ایسے حل کی تلاش جاری رکھیں گے جو باہمی طور قابل قبول ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر اور مناسب ماحول پیدا کرنے کے لئے حکومت نے کچھ وقت کے لئے ضمنی انتخابات ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا ہے میں نے یہ اقدامات اس بھروسے اور یقین کے ساتھ کئے ہیں کہ ان سے مفاہمت اور تعاون کے جذبے کو بڑھاوا ملے گا جو ہمیشہ سے میرا اولین مقصد رہا ہے۔ ایسی مفاہمت اکارڈ کے

پس منظر میں اور وسیع تر قومی مفاد کے لئے کہ جو ایک طرح [illegible] ضروری ہے جس طرح یہ ریاست یا اس کی تیز تر ترقی کے لئے بھی لازمی ہے میں پورے خلوص سے کانگریس کے تعاون کی قدر کرتا ہوں کیونکہ اس وقت میرا اقتدار ان کے ہی تعاون پر منحصر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کانگریس لیڈرشپ ان حالات پر از سر نو غور کرے گی اور میں نے جو اقدام کئے ہیں ان کے نتیجے میں جو سازگار ماحول قائم ہو گا اس سے ایک تعمیری مطالعہ اور مکالمہ کے لئے راہ ہموار ہو گی۔"

اندیشے

شیخ صاحب کی اس کارروائی سے سیاسی بحران ٹل گیا لیکن اسی وقت سے کئی اندیشے پیدا ہونے لگے۔ مرکزی لیڈروں اور شیخ صاحب کے درمیان بظاہر صلح شیخ صاحب نے کانگریسی لیڈروں کے ساتھ براہ راست رابطہ قائم کر کے اکارڈ کی حقیقی سپرٹ میں عمل کرنے کی خاطر فضا تیار کرنے کی کوشش کی مرکزی لیڈروں نے سب کچھ نظر انداز کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اندر ہی اندر چنگاریاں سلگنے لگیں اس سے ماحول میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ مرکزی لیڈر براہ راست شیخ صاحب کے ساتھ

تعلقات میں کوئی بگاڑ پیدا کرنے سے گریز کرتے رہے۔ پردیش کانگرس کے لی
اپنی شرائط سے کابینہ میں آنے کے لئے تیار نہیں تھے، وزیروں کی حلف والے
میں کانگرسی وزیروں نے جس وقت اور جس انداز سے انکار کیا وہ پردیش کانگر
لیڈروں کا انفرادی فعل نہیں تھا۔ اس قسم کا قدم کانگرس ہائی کمانڈ کی اجازت
منظوری کے بغیر ناممکن تھا۔ کانگرس ہائی کمانڈ نے کانگرس کے نئے وزیر
میں شامل ہونے سے بائیکاٹ کرنے کی ہدایت پر پردیش کانگرس کے لیڈروں ک
ہونے کی دھمکی کی وجہ سے کی یا اس کے کچھ اور وجوہات تھے۔ اس کارروائی
شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد شیخ صاحب کا رویہ بہت سخت ہو گیا
نے اپنی کئی تقریروں میں مرکزی لیڈروں اور کانگرس کے رویہ کی سخت الفاظ
چینی شروع کی۔

۴ نومبر ۱۹۷۷ء کو شیخ صاحب نے سوپور کے ایک بڑے اجتماع
کیا۔ انھوں نے اپنی وزارت میں نئے کانگرسی وزراء کی شمولیت کے انکار پر
ڈالی۔ شیخ صاحب نے کہا:

"پچھلے دنوں کانگرس کے مرکزی لیڈروں کے ساتھ مشورہ کر
ہم نے اپنی کابینہ میں توسیع کرنا مان لیا تھا۔ یہ افسوس کی بات
ہے کہ ملک کی اتنی بڑی جماعت چار گھنٹے تک بھی اپنے

فیصلے پر قائم نہیں رہ سکی۔ ہندوستان ایک بڑا ملک ہے اور
کانگرس کے لیڈر ساٹھ کروڑ عوام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اتنے بڑے
ملک کے لیڈروں کا ایک اصول ہونا چاہیئے۔ ان کے فیصلے پر
ایک اعتبار ہونا چاہیئے۔ اتنے بڑے ملک کے لیڈر صرف چار
گھنٹے کے اندر ہی اندر اپنے فیصلے بدل دیتے ہیں۔ آخر کوئی
اخلاقی معیار بھی ہونا چاہیئے۔ ہم ایمانداری کے ساتھ کانگرس
کو اپنی کابینہ میں نمائندگی دینا چاہتے تھے ہم سمجھتے تھے ان
کا یہ مطالبہ ناجائز نہیں ہے۔ اس سلسلے میں وزیروں کے
چننے کا اختیار میرا تھا۔ مجھے کانگرس کے وزیروں کے ناموں کے
اعلان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اگر تخت دہلی میں ان ناموں
پر اتفاق نہ ہوا ہوتا۔"

پہلا ردِّ عمل

کانگرسی وزیروں کے حلف اٹھانے کی تقریب میں شامل ہونے سے انکار کے
بعد شیخ صاحب نے وادی کا دورہ شروع کیا۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو انھوں نے اسلام آباد چوک
میں پہلی تقریر کی۔ وزارتی کونسل میں کانگرسی وزیروں نے شامل ہونے سے انکار کر کے

جو نئی صورتِ حال پیدا ہوئی تھی اس پر اپنا پہلا ردِ عمل شیخ صاحب نے اسلام آباد چوک میں ظاہر کیا۔ اس موقعہ پر کانگریس کے وہ ارکان بھی سٹیج پر موجود تھے جنہوں نے کانگریس سے الگ ہو کر نیشنل کانفرنس میں شمولیت کی تھی۔ ان ممبروں میں عبدالغنی لون، محمد اشرف خان بھی شامل تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں کہا:

"گزشتہ ہفتہ جو واقعات رونما ہوئے مختلف لوگ ان واقعات کو مختلف طریقوں سے پیش کر رہے ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں شریمتی اندرا گاندھی کے ساتھ جو سمجھوتہ ہوا، اس میں ایک مد یہ تھی کہ نئی اسمبلی قائم کی جائے گی جو ان تمام مرکزی قوانین پر نظر ثانی کرے گی جن کو ۱۹۵۳ء کے بعد ریاست پر لاگو کیا گیا۔ اس وقت ہندوستان میں حالات اچھے نہیں تھے۔ گجرات اور بہار میں اسمبلیاں توڑنے کا مطالبہ ہو رہا تھا۔ ایسے حالات میں اگر ریاست کی اسمبلی کو توڑنے کا مطالبہ کیا جاتا تو بہار اور گجرات میں ایسا مطالبہ کرنے والوں کو ایک جواز مل جاتا۔ اس وقت میں نے مرکزی لیڈروں سے کہا کہ میرے پاس جب اپنی اسمبلی نہیں تو میں حکومت کیسے چلا سکتا ہوں۔ مجھے یقین دلایا گیا کہ کانگریس ممبران اسمبلی میرا پورا ساتھ دیں گے۔ وزیروں کا انتخاب کرنے میں میں آزاد ہوں گا

اور اسمبلی یا اسمبلی سے باہر کسی کو بھی اپنی وزارت میں لے سکتا ہوں۔ اس وقت تک کچھ معاملات حل طلب تھے ان کے بارے میں فیصلہ ہوا کہ آگے چل کر ان کو حل کیا جائے گا۔ حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالتے وقت میں نے یہ بات بالکل واضح کر دی کہ میں ۸، اگست ۱۹۵۳ء کی پوزیشن سے شروع کروں گا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد جو کچھ کیا گیا اسے میں کسی صورت میں تسلیم نہیں کروں گا۔ چنانچہ طے ہوا کہ انتخابات کے بعد نئی اسمبلی تمام قوانین پر نظر ثانی کرے گی۔ اسمبلی کو اختیار ہو گا کہ وہ جن قوانین کو مفید اور فائدہ مند سمجھے ان کو باقی رکھے۔ جن مرکزی قوانین سے ریاست کی اندرونی خود مختاری متاثر ہو رہی ہے ان کو اسمبلی واپس کر سکتی ہے۔ ان شرائط کے بعد ہم نے حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ کانگریس اپنے وعدے پر قائم نہ رہی۔ انہوں نے ہمارے کچھ وعدوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے ہمیں آگے بڑھنے نہیں دیا۔ اس بات پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس وقت ہم بہت ہی خطرناک حالات سے گزر رہے ہیں۔ ہم نہیں بتا سکتے کہ

آگے کیا ہوگا، میں وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی سے کہنا چاہتا ہوں کہ جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے اُس سے ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اگر ہندوستان کو ہم پر اعتبار نہیں تو سارا قصہ ختم کیا جانا چاہیئے۔ ہم نے طوفان دیکھے ہیں ہم میں اب تک کسی بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کرنے کی قوت ہے۔ یہ آج کی بات نہیں ہم نے ان حالات میں بھی طوفانوں سے مقابلہ کیا ہے جب ہمارا کوئی یار و مددگار نہیں تھا۔ آج ہزاروں جوان قوم کی عزت و آبرو بچانے کے لئے جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہیں۔ ہندوستان کے لیڈر اگر کشمیری عوام کا اشتراک چاہتے ہیں تو ان کو اپنا طریقہ بدلنا ہوگا۔"

جنگ ختم نہیں ہوئی

۲۹ اکتوبر کو چرار شریف میں شیخ صاحب نے پھر سخت الفاظ میں کانگریس لیڈروں کی تنقید کی۔ ان کا لہجہ بہت سخت تھا۔ آپ نے کہا:

"میں لوگوں پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہماری جنگ ابھی نہیں ہوئی ہے۔ ہماری جنگ ابھی جاری ہے ہم نے تہیہ کر لیا ہے

جب تک ہماری رگوں میں خون دوڑ رہا ہے ہم کسی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی کشمیری عوام کو دوبارہ زنجیریں پہنانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اگر کسی کو گمان ہے کہ وہ پیسے کے بل بوتے پر کشمیری عوام کو خرید سکتا ہے تو وہ بھول رہا ہے۔ ۲۲ سال تک ان لوگوں نے یہاں کے عوام کو خریدنے کی کوشش کی۔ کشمیری عوام نے اپنے آپ کو فروخت کرنے سے انکار کیا۔ ۲۲ سال گزرنے کے بعد بھی لڑائی جاری ہے کانگریس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح پہلے اسے یہاں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے آئندہ بھی اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم غالباً اب تک اپنی جدوجہد میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں آئندہ کیا ہوگا۔ اس کا حال خدا ہی کو معلوم ہے۔ کانگریس کو اگر مجھ پر اعتبار نہیں تو اُسے اپنے آدمیوں کو سامنے لانا چاہیئے ہم ان کے لئے میدان خالی کریں گے ہم اپنی تقدیر کے ساتھ کسی کو کھیلنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ کشمیری عوام ان لوگوں کے ہاتھ میں اپنی تقدیر نہیں سونپ سکتے جنہوں نے ہماری عزت و آبرو کے ساتھ کھیلا ہے

۱۱ نومبر ۱۹۷۶ء کو شیخ صاحب نے ہندوارہ میں ایک اور تقریر کی انھوں نے مرکزی لیڈروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

کردار کشی نہیں کردار سازی کی ضرورت

"ہندوستان نے اگر ۱۹۵۳ء کے واقعات کو دہرانے کی کوشش کی تو اس سے ملک کو اور نہ ہی اس کے مقصد کو تقویت حاصل ہوگی جس کے لئے ہندوستان اٹھا تھا۔ ہندوستان کردار کشی سے نہیں کردار سازی سے ہی بن سکتا ہے اور ترقی کر سکتا ہے۔ جب ہم نے دوسری بار اقتدار کی ذمہ داریاں سنبھالیں ہم نے کوشش کی وہ غلطیاں سرزد نہ ہو جائیں جن کی وجہ سے تباہ کن حالات پیدا ہو گئے۔ ۱۹۵۳ء میں دولت اور رشوت کے ذریعہ کشمیری لیڈر بنانے کی کوششیں کی گئیں۔ بخشی غلام محمد کو روپے اور لالچ دے کر استعمال کیا گیا۔ لیڈر روپے سے نہیں بنائے جاتے لیڈر اپنے کردار سے بنتے ہیں۔ کسی آدمی کا نام اخباروں ریڈیو اور ٹیلیویژن پر اچھالنے سے لیڈر بنایا نہیں جا سکتا۔

۱۹۵۳ء میں کشمیر میں جو کچھ ہوا وہ ہمارے ساتھ بہت بڑی ناانصافی تھی جس ملک کے ساتھ خون کے دریا عبور کر کے ہم نے ہاتھ ملا دیا تھا۔ وہ ہماری عظیم قربانی کو سمجھ نہ سکا۔ اس وقت ہم انسانیت کی جنگ لڑ رہے تھے ہم نے کچھ اعلیٰ اصولوں کے لئے ہندوستان کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ ہم نے کشمیر میں زبردست قربانیوں کے بعد انسانیت کے جھنڈے کو بلند رکھا۔"

مقاصد کی نشاندہی

۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کو اپنی سالگرہ پر شیخ صاحب نے مجاہد منزل سرینگر میں نیشنل کانفرنس کے ورکروں کے سامنے ایک طویل تقریر کی۔ اس تقریر میں شیخ صاحب نے ابتداء سے اس وقت تک کے تمام سیاسی واقعات پر موثر انداز میں تبصرہ کیا۔ اس تقریر میں آپ نے ان اسباب کو بھی بیان کیا جن کے باعث آپ سیاسی میدان میں آنے پر مجبور ہوئے۔ شیخ صاحب نے رقت آمیز لہجے میں کہا:

"میں اس وقت آفتابِ سرِ کوہ ہوں۔ کچھ دن اور آپ کے ساتھ گذار دیں گے۔ غالباً سال گرہ منانے کی رسم تھی ہی نہیں۔

مجھے معلوم نہیں یہ سلسلہ کیوں شروع کیا گیا۔ بہرحال میں اس موقعہ
پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ۱۷ سال کے دوران جو کچھ مجھ پر گذری ہے
وہ ایک لمبی داستان ہے۔ ایک سمندر ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہاں سے
شروع کروں۔ بہرحال زندگی گذر گئی۔ ہم نے ایک عزم وارادہ کیا تھا۔
اور جہاں تک ممکن ہو سکا اس کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ جو
حالات ہمارے اردگرد تھے ان سے میرے دل میں ایک تبدیلی ہوئی
میں نے ارادہ کیا کہ میں ان حالات کو بدل دوں گا۔ میں نے اپنی منزل
معین کر لی۔ وہ منزل یہ تھی کہ یہ قوم جو صدیوں سے پامال ہو چکی
ہے جس کے عزتِ نفس کو پامال کر کے ذلت آمیز زندگی سے
اس کو نکال دوں۔ میں نے اس کام کو ایک فرض بنا لیا۔ میں نے
جان لیا تھا کہ اگر قوم زندہ ہے تو فرد بھی زندہ ہے۔ میں نے مصمم
ارادہ کر لیا کہ اس کو حاصل کرنے کیلئے تمام زندگی داؤ پر لگا دوں گا
یا اس قوم کی تقدیر بدل دوں گا یا اس جدوجہد میں خود مٹ
جاؤں گا۔ اس وقت یہاں کے انسان میں ایک مادہ پک چکا تھا
کچھ نوجوان اسی انداز سے سوچتے تھے۔ ماحول سے انہوں نے بھی یہی
اثر لیا تھا چنانچہ چند نوجوانوں کا ایک گروہ میدان میں کود پڑا۔ اس
کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ تاریخ بن گئے ہیں جن کے کہنے کا مطلب

ہے کہ جو منزل ہم نے معین کی ہے وہ آج کی نہیں ۲۰ سال کی نہیں،
سال کی نہیں بلکہ اس سے پہلے ہم نے یہ منزل معین کی ہے۔ میں اس منزل تک
نے کی جدوجہد کرتا آیا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ اس مقصد کو حاصل کئے
زندگی بے معنی ہے۔ اگر قوم کی عزتِ نفس پامال ہوتی رہی تو پھر اپنی
اس قوم کیلئے زندہ رہنا بےکار ہے۔ منزل تک پہنچنے کی راہ مشکلات سے
ہے۔ اس منزل تک ہم سخت جدوجہد اور خندہ پیشانی سے پہنچ سکتے
جب ہم اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے تو ایک کاروان بنا۔ بہت
رے دوست تھوڑی دور چلے کچھ دوست اور آگے بڑھے وہ اسی حد
اپنی منزل سمجھنے لگے۔ جب ہم منزل کے نزدیک تھے تو بہت سارے دوست
نے لگے کہ کرسی ہی منزل ہے۔ ہم کرسی کو ایک منزل نہیں بلکہ منزل
پہنچنے کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بعض اوقات مایوسیاں بھی آگئیں۔
بغیر کسی معاوضہ کے جدوجہد کرتے رہے۔ ہمارے قدم نہیں ڈگمگائے۔
بعض اوقات خیال ہوا ساری زندگی جیل میں گذرے گی کیونکہ ہمارے
لاف ایسے مقدمے کئے گئے تھے جن کی سزا پھانسی ہو سکتی تھی۔ ہم نے داد
لگایا تھا۔ خدا کا منشا دور تھا ہم اس مشکل سے نکل گئے اور پھر آگے
بڑھے۔ بار بار ایسے واقعات سامنے آئے۔ ہم نے جو تحریک شروع کی تھی وہ
اب تک جاری ہے نیشنل کانفرنس نے ایک پُرآشوب دور میں قوم کی
صحیح سمت کی طرف رہنمائی کی۔ اسوقت یہ کام آسان نہ تھا۔ ہندو

دھرم اور اسلام کے نام پر قتل عام ہو رہا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں نیشنل کانفرنس جیسی ایک چھوٹی جماعت کا کروڑوں لوگوں کو چیلنج کرنا آسان نہ تھا۔ اس جماعت نے ایک ایسے نظام کو جس نے یہاں صدیوں سے بنیادیں قائم کی تھیں۔ ہلا دیا۔ نیشنل کانفرنس نے وہ کچھ کیا جو کانگریس کافی کوششوں کے باوجود نہ کر سکی۔ یہ چھوٹی جماعت اپنے کارناموں پر فخر کر سکتی ہے۔ پھر بھی یہ ہماری منزل نہیں۔ ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ ہم ایک با وقار قوم کی طرح زندہ رہیں گے۔ ۵۳ کا واقعہ دراصل ہماری خامکاری کا نتیجہ تھا۔ ہمارے کچھ ساتھی طاقت اپنے ہاتھ میں آتے دیکھ کر بھٹک گئے۔ کانگریس نے ایک ایسے وقت اپنے آپ کو زمین پر لٹا دیا جب قوت کی ضرورت تھی نیشنل کانفرنس جیسی ایک چھوٹی جماعت نے ایک بڑی طاقت کو للکارا۔ کانگریس میں ہمت اور عزم کی کمی تھی۔ نیشنل کانفرنس نے جو کارنامے انجام دیئے سارا ہندوستان ان پر فخر کر سکتا ہے۔ نیشنل کانفرنس نے ہندوستان کی عظمت کے جھنڈے کو بلند رکھا۔ جب مدد کا کوئی راستہ نہ تھا یہاں کے نوخیز لڑکے اور لڑکیاں سامنے آئیں اور ایک خطرناک نظریے کے خلاف ایک جنگ لڑی۔ ہمارے نوجوانوں نے خون کا ایک ایک قطرہ اپنے اصولوں کو بچانے کیلئے بہایا۔ وہ خون ہمیں بہت عزیز ہے۔ ہر ہندوستانی کو ان نوجوانوں کا خون عزیز ہونا چاہیئے۔ نیشنل کانفرنس ایک تاریخ ہے اس قوم کی جس نے انسانیت کی سربلندی کیلئے سب کچھ نچھاور کیا۔ آج جو دوست اس جماعت کو چیلنج کرتے ہیں ان سے با ادب پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ساری باتیں صحیح نہیں اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو کیا نیشنل کانفرنس

صبر آزما صورتِ حال

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے شیخ صاحب کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کی تفاصیل ۲۵ فروری ۱۹۷۵ء کو ہند پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیں۔ اس روز سے ۱۵ فروری ۱۹۷۷ء یعنی لگ بھگ دو سال کے عرصہ تک شیخ صاحب ایک بہت ہی صبر آزما صورتِ حال کا مقابلہ کرتے رہے اس سارے عرصہ کے دوران کانگریس اور شیخ صاحب کے درمیان ایک زبردست کشمکش جاری رہی یہ کشمکش کبھی وقت شدت اختیار کرتی رہی اور کبھی وقت اس کا زور کم ہو گیا۔

شیخ صاحب بار بار یہ کہتے رہے کہ اگر کانگریسی لیڈروں کا ان پر اعتماد نہیں تو وہ اپنا اعتماد واپس لے لیں۔ مرکزی لیڈر خاموشی کے ساتھ شیخ صاحب کے کام اور ان کی تقریروں کا مشاہدہ کرتے رہے مفاہمت کے باوجود اعتماد کی فضا پیدا نہ ہو سکی۔ کانگریسی لیڈر شیخ صاحب کی حکومت کو تعمیری تعاون پیش کرنے کی بجائے ان کے کام میں رکاوٹیں پیش کرتے رہے اب شیخ صاحب کو انتظامی محاذ کے علاوہ سیاسی محاذ پر بھی لڑنا پڑ رہا تھا۔ کانگریس اور دوسری جماعتیں ایکا ہو کر شیخ صاحب کی سیاسی قوت کو ختم کرنے کی کوششیں کرتی رہیں۔ شیخ صاحب کے اثر کو ختم یا کم کر کے ہی دوسری جماعتوں کی قوت میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ انتظامیہ کی سطح پر مشکلات

پیدا کے شیخ صاحب کے سیاسی اثر کو زائل کرنے کی کوششیں شروع کی گئیں
اور دوسری جماعتیں ہر اصلاحی قدم کی مخالفت کرتی رہیں۔ مثبت تبدیلی
کے لئے جو بھی فیصلہ کیا جاتا تھا اس کو منفی کارروائیوں سے بے اثر اور
بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ شیخ صاحب انتظامیہ میں تطہیر کے ساتھ ہی
میں بھی اصلاح پیدا کرنے کے اقدام کر رہے تھے۔ اس تطہیری عمل کے نتیجے میں معاشرے
اور انتظامیہ میں کام کرنے والے کرپٹ عناصر بری طرح متاثر ہوئے۔ ان عناصر
اب اپنے آپ کو کانگریس کے ساتھ وابستہ کرنا شروع کیا تاکہ شیخ صاحب کے
میں ایک بڑی تنظیم کو طاقت ور بنایا جائے۔

شیخ صاحب نے اپنی شہرت اور مقبولیت کی قیمت پر کچھ خطرناک فیصلے کئے
ایسے فیصلے کرنے لگے جن سے عوام میں ان کے تئیں بدظنی اور بے اعتمادی پیدا ہونے
قومی نقطۂ نگاہ سے یہ "اچھے" فیصلے تھے لیکن سیاسی اعتبار سے ان فیصلوں کو اچھا
سمجھا جا سکتا تھا۔ سیاسی لیڈر قومی مفادات کے مقابلہ میں ذاتی مفادات
ترجیح دیتے ہیں۔ سبسڈی ختم کرنے کا فیصلہ قومی مفاد کے لحاظ سے بہت اچھا تھا لیکن
سیاسی اعتبار سے یہ بہت ہی خطرناک فیصلہ تھا۔ کورپشن کے خلاف ایک زور
اور بامقصد مہم چلانا قوم کے لئے فائدہ مند تھا لیکن اس فیصلے میں سیاسی نقصان
تھے۔ جن رعایات کا عوام کو عادی بنایا گیا تھا ان رعایات کو چھین لینے

قومی معیشت مضبوط بن سکتی تھی لیکن سیاسی لحاظ سے ان کے اثرات بہت مہلک
تھے۔ شیخ صاحب نے سیاسی فائدوں کے مقابلہ میں قومی فائدوں کے لئے
کام کرنا شروع کیا۔ انھوں نے کوئی بھی کام سیاسی مصلحت انگیزی سے نہیں کیا۔ یہ تمام
مثبت اقدام تھے اور ان کی بدولت جہاں ریاست میں صالح سیاسی نظام کی داغ بیل
ڈالی جا سکتی تھی وہاں قومی معیشت کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کیا جا سکتا تھا۔ شیخ
صاحب معاشرے اور انتظامیہ میں صحت مند تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوششیں اس امید پر
کرتے رہے۔ تاکہ بالآخر ان کے "اچھے" نتیجے برآمد ہوں۔ اور لوگ کچھ وقت بعد اچھی طرح سمجھنے
لگیں گے کہ ان سے چھینی ہوئی رعایات سے قومی صحت بحال ہونے لگی ہے اور مثبت
تبدیلیوں کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔ اس قسم کے فیصلوں سے قوم اور افراد کا طرز فکر بدل سکتا
تھا۔ اور لوگوں میں پیدا ہوئی تخریبی سوچ تعمیری رخ اختیار کرتی۔ جب قوم کے افراد
میں ذہنی تبدیلیوں کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ قومی زندگی میں مثبت رول ادا کرنے
کے قابل بن جاتے ہیں اس طرح ایک ذہنی انقلاب آ جاتا جو سابقہ دور کی
تمام بری روایتوں کو تہس نہس کر دیتا۔

اشتعال انگیزی کا حربہ

جس سماج میں سینکڑوں مفاد خصوصی کے طبقے پیدا ہو گئے ہوں اور سیاسی

استحصال روز کا معمول بن گیا ہو ۔ ان عوام کو تعمیری انداز فکر لیت نہیں آ
کی سوچ بدلنا ایک مشکل کام ہوتا ہے اس کام میں بڑے خطرے ہوتے ہیں
نے بڑے خطرے مول لے کر قومی ذہن کو ایک تعمیری سمت کی طرف موڑنے کی
گی اس کام سے وہ طبقے ان کے خلاف ہو گئے جو مختلف قسم کے استحصال
اپنے مفادات کو بڑھا وا دے رہے تھے ۔

شیخ صاحب کی ان کوششوں سے ایک تعمیری فضا پیدا ہو گئی
غیر یقینیت کا وہ ماحول جس میں مفاد خصوصی کے طبقے بڑے فائدے حاصل کرتے
کشیدگی سے پاک ہونے لگا ۔ تناؤ اور کھچاؤ کی کیفیت باقی نہیں رہی ۔ ان
کے ماحول میں مفاد خصوصی کے طبقوں کا دم گھٹنے لگا ۔ ماضی میں یہ طبقے سیاسی
یقینیت میں ہی بڑے بڑے مفادات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے
ہر وقت اشتعال انگیز بیانات دیکر فضا کو زہر آلود بناتے تھے ۔ ان طبقوں کی
انگیزی سے جب شیخ صاحب اور ان کے دوسرے ساتھی اپنے شدید ردّ عمل کا
کرتے تھے تو ایک کشیدہ صورت حال پیدا ہو جاتی تھی اس قسم کی صورت
میں مفاد پرست طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی مانگ بڑھ جاتی
صاحب کا ہر عمل ان لوگوں کی قیمت بڑھانے کا موجب بن جاتا تھا ۔ یہ لوگ
بڑھانے کے لئے ہر وقت شیخ صاحب کو اشتعال دیتے رہتے تھے ۔ کافی د

ی کے طبقوں اور سیاسی استحصال پسندوں نے یہی طریقہ اختیار کیا ۔ ۷۵ ء
شیخ صاحب نے مرکزی حکومت سے ایک سمجھوتہ کیا تو یہ طبقے بے وقعت
ان کی قیمت گر گئی اور ان کی مانگ بھی ختم ہونے لگی ۔ اپنی مانگ بڑھانے
مفاد خصوصی اور سیاسی استحصال پسندوں کے یہ طبقے حالات کو مخدوش بنانے
تحصالی طبقوں کے ساتھ ہندوستان کے حامی اور پاکستان کے بہی خواہ
گئے ۔

...ف الخیال لوگوں کا اتحاد

شیخ محمد عبداللہ کا المیہ یہ ہے کہ ہندوستان کے وفادار اور پاکستان کے حامی
ان کو اپنا دشمن تصور کرتے ہیں ۔ ان دونوں قسم کے لوگوں کے سیاسی نظریات
دوسرے سے بالکل مختلف ہیں ۔ شیخ صاحب کی تنقید اور نکتہ چینی کرتے وقت
طبقے ایک ہو جاتے ہیں ۔ اور ان کے تمام اختلافات مٹ جاتے ہیں پاکستان
امیوں کو یہ دکھ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں شیخ صاحب نے ہی پاکستان کے کشمیر پر قابض ہونے
منصوبے کو ناکام بنایا ۔
ہندوستان کے بہی خواہوں کو یہ صدمہ ہے کہ شیخ صاحب کشمیر کو ہندوستان
ضم کرنے کے خلاف ہیں اور وہ کشمیر کی خصوصی پوزیشن بحال کرنا چاہتے ہیں جموں

کے لوگ شیخ صاحب کو پاکستانی سمجھتے ہیں اور کشمیر کے لوگ نہیں ہندوستانی سمجھتے ہیں۔ ان دو طبقوں کے علاوہ ریاست میں مفادِ خصوصی کا طبقہ ہے۔ اس طبقہ کا کوئی سیاسی نظریہ ہے اور نہ ہی سیاسی عقیدہ۔ یہ لوگ مفادات میں ہی یقین رکھتے ہیں۔ شیخ صاحب کے دوبارہ برسرِ اقتدار آنے سے ان مفاد پرستوں کے تمام ناجائز مفادات خطرے میں پڑنے لگے تھے اور وہ سیاسی اور سماجی استحصال کے ناقابل بن گئے تھے ان تمام طبقوں نے شیخ صاحب کے خلاف ایک مشترکہ محاذ قائم کیا۔ نئی دہلی میں بیٹھے ہوئے کانگرسی لیڈر ریاست میں اپنی جماعت کی سیاسی طاقت بڑھانے کے لئے ان تمام عناصر کی حوصلہ افزائی کرنے لگے اس طرح وہ خود مفاہمت کے خلاف کام کرنے لگے۔

تعلقات کمزور کرنیوالوں کی پشت پناہی

مفاہمت کا بنیادی مقصد ریاست میں صحت مند سیاسی تبدیلیوں کے لئے فضا بنانا تھا۔ تاکہ ہندوستان اور کشمیر کے رشتے نئی اور عوامی بنیاد پر استوار ہو سکیں ریاستی عوام کے مسلمہ لیڈر ہونے کے ناطے شیخ صاحب ہی عوامی سطح پر ایک پائیدار رشتہ قائم کر سکتے تھے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے شیخ صاحب کے ہاتھ مضبوط بنانے کی ضرورت تھی۔ نئی دہلی میں بیٹھے ہوئے لیڈروں نے ان ہی لیڈروں کی پشت پناہی شروع کی۔ جو ان رشتوں کو کمزور بنانے کے باعث بن گئے تھے اور جن کی وجہ سے فاصلے بڑھنے

اس قسم کے حالات میں مفاہمت کا میاب ہونے کے بہت کم امکانات ...ی لیڈروں کے اس قسم کے طرزِ عمل سے اعتماد کی فضا پیدا ہونے کے بجائے ...کارروائی شک آلود بن گئی۔ شبہات اور شکوک کو تقویت حاصل ہونے لگی اس ...آلود ماحول میں بھی شیخ صاحب نے تعمیری ذہن پیدا کرنے کی کوششوں کو ترک ...یا۔

شیخ صاحب کے حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی ہر سطح پر کشمکش ختم ہو گئی ...ان جو روزانہ سڑکوں پر دندناتے رہتے تھے اور مختلف بہانوں سے حالات کو ...بناتے تھے اپنی دھما چوکڑی بھول گئے۔ کالجوں اور سکولوں میں ڈسپلن پیدا ہو گیا ...ہ کی اونچی سطح پر بدعنوانیوں کے واقعات کم ہونے لگے اینٹی کورپشن کا ڈپارٹمنٹ ...فعال ادارہ بن گیا۔ رشوت خور ملازم اور آفیسر رشوت لیتے ہوئے زبردست خطرہ ...محسوس کرنے لگے چیف انجینئروں کے عہدوں تک کے آفسروں کو بھی اپنی بداعمالیوں کی سزا ...کورپٹ آفسروں کو بچانے کے لئے اب قانون میں تبدیلی کرنے کا سلسلہ بند کیا گیا۔

۱۹۶... میں ایک چیف انجینئر کو اینٹی کورپشن کمیشن نے ابتدائی تحقیقات کے بعد کورپشن ...کا مرتکب قرار دیا۔ کمیشن نے اینٹی کورپشن ایکٹ کے تحت چیف انجینئر کو اپنے عہدے سے ...الگ کرنے کی سفارش کی۔ اس انجینئر کو بچانے کے لئے وزارتی سطح پر کوششیں کی گئیں (...

وہ لیڈر جو سیاسی استحصال کے لئے غیر یقینیت کے حالات پیدا کرتے تھے تہ خانوں میں بیٹھ گئے۔ حکومت عوام کی مادی اور اخلاقی اصلاح کے لئے نئی سکیمیں بروئے کار لانے لگی۔

کشمیر کے جوان

نوجوان کشمیر کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔ ہر سماج میں نوجوان ہی مستقبل کے معمار ہوتے ہیں مستقبل کے معماروں کو قومی زندگی میں صحت مند اور بامقصد رول ادا کرنے کے لئے ان کی ذہنی اصلاح پہلی ضرورت ہوتی ہے

کشمیر کے جوان جن حالات میں پیدا ہوئے اور پرورش پا چکے تھے وہ حالات زہریلے پروپیگنڈے سے پر تھے۔ ایک طرف پاکستان کا پروپیگنڈا زوروں پر تھا دوسری طرف اندرونی خلفشار تھی۔ انتشار افراتفری اور سیاسی غیر یقینیت میں نئی پود بڑھی اور پروان چڑھی تھی۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۵ء تک کا سارا دور کشمکش اور کشیدگی کا دور

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) کی گئیں۔ اور قانون میں ترمیم کی گئی۔ اس قسم کا ایک اور واقعہ شیخ صاحب کی حکومت میں پیش آیا۔ چیف انجینئر دوبلے کے خلاف جب ویجی لنس کمیشن نے تحقیقات مکمل کی۔ اور حکومت سے ان کے خلاف کیس دائر کرنے کی اجازت طلب کی تو شیخ صاحب نے فوراً اسکی اجازت دے دی۔

تھا۔ تمام قسم کی برائیاں اور بد اعمالیاں اسی دور میں پیدا ہوگئیں۔ نوجوان ایک بہت کورپٹ ماحول میں تربیت و تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس قسم کے ماحول میں نوجوانوں کا ذہن اس زہریلے اثر سے کہاں پاک رہ سکتا تھا جو بہت ہی زہریلے پروپیگنڈے نے سارے ماحول میں گھول دیا گیا تھا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد ایک پوری نسل تیار ہوگئی تعلیمی اور تربیتی اداروں میں اس نسل سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر وہ جوان داخل ہو گئے۔ جن کا تعلق کورپٹ عناصر کے ساتھ تھا۔ ان اداروں سے جو بھی جوان فارغ التحصیل ہو کر نکلے، ان میں اکثر سماج میں صحت مند اور تعمیری رول ادا کرنے کے جذبے سے عاری تھے۔ ان کو جس گھریلو ماحول میں پرورش پانے کا موقعہ ملا تھا، اس میں کورپشن کا دور دورہ تھا۔ مفاد خصوصی کے طبقوں نے اپنے صاحبزادوں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرنے کے لئے تعلیمی اداروں میں کورپشن داخل کر دیا۔ کورپشن کے ذریعہ اپنے بیٹے بیٹیوں کو اعلیٰ پوزیشنیں دلائی گئیں اس طرح مفاد خصوصی کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے جوان بلا محنت اعلیٰ پوزیشنیں حاصل کرتے رہے۔ اور غریب طلبا سخت محنت کے باوجود ناکام ہوتے رہے۔

تعلیمی استحصال اور ناجائز طریقوں سے حاصل کی گئی کامیابیوں سے ساید مسٹریلیشن پر مفاد پرست طبقہ بری طرح چھا گیا۔ اس سارے دور میں نوجوانوں کا ذہنی انتشار بڑھ گیا۔ ایک طرف نوجوان طبقاتی کشمکش کے شکار بن گئے دوسری طرف

اندرونی اور بیرونی سیاسی پروپیگنڈا ان کے ذہن کو متاثر کرتا رہا۔

سرحد پار کے پروپیگنڈے کی وجہ سے نوجوانوں میں خطرناک رجحانات پیدا ہونے لگے۔ نوجوان اپنے اسلاف کی یکجہتی کی روایات کو مٹانے کی کوششیں کرنے لگے اس رجحان کو پنپنے دینے میں ریاست کے حکمرانوں نے بھی مواقع پیدا کیے۔ کشمیر میں ایک متبادل لیڈرشپ قائم کی گئی جس نے نوجوانوں میں فرقہ وارانہ اتحاد کے احساس کو مٹانا شروع کیا۔ اس زہریلے اور انتشار انگیز ماحول میں نوجوانوں میں فرقہ وارانہ اتحاد کے احساس کو مٹانا شروع کیا۔ اس زہریلے اور انتشار انگیز ماحول میں نوجوانوں کا ذہن تخریب پسند بنا دیا گیا۔ انہوں نے ہر علت کو گلے لگانا شروع کیا ان میں بڑے بڑے عہدوں کی چاہ پیدا کی گئی۔

۱۹۷۴ء میں ایک معاہدے کے بعد جب شیخ صاحب نے مثبت تبدیلیوں کے لئے کام شروع کیا۔ تو انہوں نے نوجوانوں میں تعمیری انداز فکر پیدا کرنے کی طرف قدم بڑھایا یہ ایک بہت ہی مشکل کام تھا۔ اس کام میں جب تک تمام مکتب خیال کے لوگوں کا تعاون شیخ صاحب کو حاصل نہ ہو جاتا کامیابی کے امکانات تاریک ہی تھے۔ دانشوروں اور مفکروں کا طبقہ نوجوانوں میں تعمیری سوچ پیدا کرنے میں بڑی مدد دے سکتا تھا یہاں دانشور طبقہ سب سے زیادہ کورپٹ بن چکا تھا۔ اس کا اپنا انداز فکر منفی قسم کا تھا۔ چنانچہ ان سے تعاون کی امید رکھنا عبث ہی تھا۔ دانشوروں اور مفکروں نے منفی عناصر کا ساتھ

نا شروع کیا ان تمام دشواریوں کے باوجود شیخ صاحب نوجوانوں اور ساری قوم میں ایک احساس جگانے میں کامیاب ہو گئے۔ سب سطحی پر عام لوگوں اور نوجوانوں نے انداز سے بحث کرنا شروع کیا۔ اس سے یہ بات نمایاں ہو گئی کہ عوام اس رعایت سے محروم ہونے سے انکار کے باوجود اس کے مضرت رساں اثرات کو سمجھنے لگے ہیں اس قسم کا احساس لوگوں میں پیدا ہونا ہی ایک بڑی کامیابی تھی عوام کا ذہنی رویہ اب کئی قسم کے تعصبات کے باوجود کئی مسائل کے بارے میں بدلنے لگا تھا۔ یہ کام دو ایک سال میں انجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس کام میں کافی مدت اور تمام اہل الرائے حضرات کا اشتراک بہت ضروری تھا۔ دو سال کے عرصہ میں ہی نوجوان اور عام لوگ جس انداز سے سماجی اور سیاسی مسائل پر غور کرنے لگے تھے اس سے ایک خوشگوار تبدیلی کے امکانات روشن نظر آنے لگے تھے

مضبوط معیشت قائم کرنے کی طرف

ایک متوازن سماج اور معیشت قائم کرنے کے لئے ایک مستحکم مالی نظام استوار کرنا پہلی شرط تھی۔ ریاست کا مالی ڈھانچہ قرضوں اور مرکزی امداد کے سہارے کھڑا تھا اسکی بنیادیں کمزور تھیں۔ ریاست کے اپنے مالی وسائل بہت محدود تھے۔ ان وسائل کو بڑھانے میں مرکز سے جتنی بھی امداد اور قرضے حاصل کیے جاتے تھے وہ غیر

پیداواری اور غیر ضروری سکیموں پر صرف کیے جاتے تھے۔ ایسے سرمایہ کی مد سے روپیہ حاصل کر کے ایڈمنسٹریشن کے اخراجات پورے کیے جاتے تھے۔ مرکز سے دوسری ریاستوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ قرضے اور سب سے زیادہ امداد حاصل کرنے کے باوجود کشمیر کی ترقی کا ریکارڈ بہت ہی مایوس کن تھا۔

کشمیر کو پہلے چار پنج سالہ منصوبوں کے دوران ۱۹۴۳ء۴۴ کروڑ روپے کی امداد حاصل ہو گئی۔ یہ امداد فی کس ۳۵۴ روپے بنتی تھی، جب کہ اسی مدت کے دوران دوسری ریاستوں کے لیے فی کس امداد ۶۴ روپے تھی[1]

ریاست کو پہلے چار منصوبوں کے دوران جو قرضے ملے وہ فی کس ۱۲۸ روپے تھے جب کہ دوسری ریاستوں کے لیے اسی عرصہ کے دوران فی کس قرضہ ۵۶ روپے تھا اگر مرکز کے زیر انتظام کام کرنے والی ریاستوں کو الگ کیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ ریاست کو دوسرے صوبوں کے مقابلے میں تین گنا زیادہ رقم وصول ہو گئی۔ مرکز سے جموں و کشمیر کو جو امداد ملتی ہے اس میں ۳۰ فی صدی گرانٹ اور ۷۰ فی صدی قرضہ ہوتا ہے

ریاست کے سالانہ اخراجات جن میں زیادہ تر غیر منصوبہ جاتی اور انتظامیہ کے اخراجات شامل ہیں بہت تیزی کے ساتھ بڑھتے رہے۔ ان اخراجات میں

---

[1] ریاستوں کے لئے مرکزی امداد کی رپورٹ۔

۱۹۵۳ء کے بعد ۴ گنا سے بھی زیادہ اضافہ ہوا۔ ۱۹۵۲ء میں ریاست کی آمدن ریونیو اور سرمایہ کی مد میں چھ کروڑ روپے سے کم تھی یہ آمدن ۷۲-۱۹۷۱ء تک ایک ارب چالیس کروڑ روپے تک پہنچ گئی ریاست کی یہ آمدن فی کس ۳۰۵ روپے بنتی تھی۔ اسی سال دوسری ریاستوں کی فی کس اوسط آمدن کا تخمینہ ۱۰۲ روپے تھا۔ ریاست جموں و کشمیر اپنی اصل آمدن کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ رقم صرف کرنے کے قابل کس طرح بن گئی اور دوسری ریاستوں کے مقابلہ میں اسکی آمدن کس طرح سہ گنا ہو گئی۔ یہ ایک اہم سوال ہے۔

ریاست کے مالیات میں یہ معجزہ کیسے ہوا؟ اس کا راز یہ ہے کہ ریاست کو مرکز سے بھاری مالی امداد فراہم ہوتی رہی۔ ریاست کے ریونیو میں ۶۰ فیصد سے زیادہ حصہ مرکز سے حاصل ہوتا رہا۔ سال ۱۹۷۱ء میں ریاست کو مرکز سے ۶۴ کروڑ روپے منتقل ہو گیا۔ اس رقم میں ۵۶ کروڑ روپے گرانٹ ان ایڈ کے طور پر حاصل ہوا اور ۹ کروڑ روپے ٹیکسوں کے حصے کے طور وصول ہو گیا۔

مرکزی سرکار ریاست کے سرمایہ کی مد میں قرضوں کے طور پر روپے فراہم کرتی رہی۔ ریزرو بنک آف انڈیا کے بلیٹن برائے سال ۱۹۷۱ء کے مطابق ریاست جموں و کشمیر کو ٹیکسوں کے ذریعہ ۱۱ کروڑ ۵۲ لاکھ روپے کی آمدن سال ۱۹۷۱ء میں ہوئی۔ یہ آمدن ۱۹۷۶ء میں ۱۸ کروڑ تک پہنچ گئی ریاست میں ٹیکسوں کا واحد ذریعہ ایکسائز ہے۔

ریاست کو مرکز سے جو گرانٹس ان ایڈ مل رہی تھی۔ وہ فی کس ۹۷ روپے تھی جب کہ دوسری ریاستوں کے لئے گرانٹس ان ایڈ فی کس ۶۵،۱۰ تھی۔ ریاست کو مرکز سے منتقل ہونے والے وسائل (گرانٹس، قرضے، ٹیکسوں کے حصّے) مجموعی طور کل وصول شدہ رقوم کا ۷۲ فی صد ملتے تھے۔ دوسری ریاستوں کے لئے مرکز سے منتقل ہونے والی رقوم صرف ۲۸ فی صدی تھی۔ سال ۱۹۷۱ میں ریاست جموں و کشمیر کو ۳۱ کروڑ روپے بطور قرضہ ۳۱ کروڑ روپے بطور گرانٹس ان ایڈ اور ۷،۶۴ کروڑ روپیہ مرکزی ٹیکسوں کے حصّے کے طور پر حاصل ہو گئے۔ اسی سال کے دوران ریاست کے کل اخراجات ۹۶ کروڑ ۲ لاکھ روپے تھے۔ (ریونیو ستّر کروڑ ۴ لاکھ اور سرمایہ ۲۶ کروڑ ۲۵ لاکھ روپے) گویا ۹۶ کروڑ ۳ لاکھ کے کل اخراجات میں ریاست کا حصّہ ۷کروڑ ۴۹کروڑ روپے تھا۔

ان اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ ریاست کا مالی ڈھانچہ مرکز کے قرضوں اور امداد کے سہارے ہی کھڑا تھا۔ اور اس کی اپنی کوئی بنیاد نہیں تھی۔ جس ملک کا مالی ڈھانچہ قرضوں کے سہارے کھڑا ہو، وہ قومی معیشت کے استحکام کا ذریعہ نہیں بن سکتا تھا۔ اس مالی ڈھانچے کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ:

ریاست کے بجٹ کو متوازن بنانے کے لئے سرمایہ کی مد سے رقوم حاصل کرنا پڑتی تھی۔ سرمایہ کی مد میں مرکز سے جو قرضے حاصل کئے جاتے تھے ان کا بڑا حصّہ انتظامیہ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جس ریاست کا

انتظامیہ قرضوں کے روپیہ سے چلایا جائے ایسا انتظامیہ معیشت کے لئے تباہ کن بن سکتا ہے۔

جن لوگوں کے ہاتھ میں انتظامیہ کی باگ ڈور تھی۔ انہیں ریاست کی آمدن اور خرچ اخراجات میں توازن پیدا کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی حکمران رعایات کے ذریعہ لوگوں کو خوش کر کے اپنے اقتدار کے لئے ہر خطرے کو ٹالنے کی کوششیں کر رہے تھے مرکزی سرکار اپنی سیاسی مجبوریوں کے باعث قرضے فراہم کرنے پر راضی ہو رہی تھی۔

۱۹۵۳ء میں جب خوراک پر سب سڈی دینے کا سلسلہ شروع کیا گیا، تو اس سے ریاست کے مالیات پر ایک کروڑ روپے کا بوجھ پڑ گیا۔ یہ بوجھ سال بہ سال بڑھتا رہا۔ سال ۱۹۷۵ء تک سب سڈی کی رقم ۱۴ کروڑ روپے تک پہنچ گئی۔ سب سڈی کے بھاری خسارے کو پورا کرنے کے لئے ریاست کو مرکز سے قرضے حاصل کرنے پڑے۔ سب سڈی کا قرضہ ۲۰ سال میں تین ارب سے بھی تجاوز کر گیا جس پر ۵ کروڑ روپے کا سود ادا کرنا پڑ رہا تھا۔

سب سڈی اور انتظامیہ کے اخراجات

ایک طرف سب سڈی کی رقم میں سال بہ سال اضافہ ہو رہا تھا دوسری طرف انتظامیہ کے اخراجات بھی بڑھے۔ سال ۱۹۷۴ء میں صرف ملازموں

کی تنخواہ کے اخراجات ۴۴ کروڑ روپے سے بھی بڑھ گئے۔ تنخواہوں کا بل اس حد تک بڑھ جانے کے باوجود ملازموں کی بھرتی بڑے پیمانہ پر جاری رکھی گئی تھی۔ ملازموں کے ذریعہ ہی بے کاری کے مسئلے کو حل کرنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں ہم، ۱۹ء میں ملازموں کی تعداد ریاست میں ایک لاکھ تیس ہزار سے بھی بڑھ گئی۔ ملازموں کی تعداد کا یہ تناسب ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ہے

ساری ریاست میں بے کاروں کو روزگار دلانے کے لئے فضول محکمے تخلیق کیے گئے۔ ان محکموں میں ملازموں کو بغیر کسی کام اور ضرورت کے بھرتی کیا گیا۔ ملازمتیں دینے اور دلانے کو بھی ایک سودا بنایا گیا۔ دو سو کی ملازمت کے لئے ایک ہزار اور پانچ سو کی ملازمت کے لئے تین چار ہزار کی رشوت طلب کی جاتی تھی۔ بڑے بڑے افسروں اور سیاسی لیڈروں کے صاحب زادوں کے لئے بڑے عہدے تخلیق کئے جاتے تھے بارسوخ اشخاص کے لڑکے جب کالجوں اور تربیتی اداروں میں ناجائز طریقوں سے کامیاب ہو کر ڈگریاں حاصل کرتے تو وہ اپنے لئے خود بڑے عہدے پسند کرتے تھے اور ان کو وہ عہدے دیئے جاتے تھے۔ لڑکوں کے علاوہ لڑکیوں کے لئے بڑے عہدے تخلیق کیے جاتے تھے۔ کورپٹ سیاست دانوں کے لڑکے جب کورپشن کے ذریعے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتے تھے۔ تو وہ مفاد خصوصی کے طبقوں کے لئے کام کرتے تھے۔ یہ لوگ دفتروں کی زیب و زینت بڑھانے میں ہی دلچسپی لیتے تھے۔

افسر مالی سال کے اختتام پر سرکاری فنڈوں کا بڑا حصہ آرائش کا سامان خریدنے رف کرتا تھا اس سامان کی خریداری میں کمیشن بھی ملتا تھا۔ اور افسرانہ شان ن قائم ہو جاتی تھی۔ اس طرح مرکز سے حاصل ہوتے قرضوں اور امداد کو بڑی بیدردی ے ضائع کیا جاتا تھا۔

سرکاری محکموں کے علاوہ سرکاری کارخانوں کا بھی یہی حال تھا سرکاری خانوں میں رشوت اور سفارش کی بنا پر ملازم بھرتی کیے جاتے تھے ان کارخانوں تجارتی بنیادوں پر چلانے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔ کارخانوں کے جمنٹ میں بڑے بڑے افسروں کے غیر ضروری عہدے تخلیق کیے جاتے تھے اس رح ان کارخانوں پر غیر ضروری اخراجات کا بوجھ ڈالا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ سارے رخانے ترقی کی بجائے خسارے کی طرف جانے لگے۔ کارخانے کے ملازموں اور دوروں کو اکثر سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ مزدور انجمنوں کے ذریعے ے افسروں پر دباؤ ڈالا جاتا تھا۔ جو اپنے فرائض دیانت داری سے انجام دیتے تھے اور جو منسٹروں اور دیگر بڑے عہدے داروں کے ناجائز مفادات کی تکمیل ذریعے بننے سے انکار کرتے تھے۔ اس قسم کی مداخلت سے کارخانے بحران کا شکار گئے۔ اور وہ خسارے پر چلنے لگے۔

دو ہی راستے

شیخ محمد عبداللہ نے جب ۱۹۷۵ء میں حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو ان کے سامنے دو صورتیں تھیں۔ ایک صورت یہ تھی کہ انتظامیہ کو اپنی ڈگر پر چلایا جاتا اور اس میں اصلاح کی کوئی کوشش کئے بغیر کورپشن، بھرشٹاچار اور تمام برائیوں کو قائم رہنے دیا جاتا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ انتظامیہ کو آپ وضات کیا جاتا اور اس کو سماجی زندگی میں صحت مند تبدیلیاں پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا۔ پہلی صورت میں کام کرنا آسان تھا۔ اس طریقے سے کام کر کے شیخ صاحب مفاد خصوصی کے طبقوں اور کورپٹ عناصر کی سازشوں کے شکار نہیں بن سکتے تھے۔ پہلا راستہ آسان تھا اور دوسرا راستہ مشکل۔ شیخ صاحب نے مشکل راستہ کو ہی اختیار کیا۔ اس راہ میں پیش آنے والے خطروں اور دشواریوں کا ہمت اور جرأت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے وہ تیار ہو گئے۔ انھوں نے اپنی شہرت اور اپنی مقبولیت کو داؤ پہ لگا دیا اور انتظامیہ اور معاشرہ کی اصلاح میں وہ جٹ گئے۔ انھوں نے ریاست کے مالی نظام کو مستحکم بنیاد پر کھڑا کرنے کے لئے سب سڈی ختم کرنے کی طرف قدم بڑھانا شروع کیا۔ انھوں نے ٹیکس چوروں کے خلاف مہم شروع کی انھوں نے انتظامیہ میں غیر

بھرتی کا سلسلہ ختم کیا۔ کورپشن کے خلاف انھوں نے انتظامیہ کی اعلیٰ سطح سے کاروائیاں شروع کیں۔ سیاسی استحصال کرنے والے عناصر کو انھوں نے بے دست و شروع کیا۔ انھوں نے پرمٹ سسٹم ختم کیا اور ہر شخص کو مخصوص رقم ادا کر کے حاصل کرنے کا مستحق قرار دیا۔ ان اقدام سے ریاست کی آمدن اور اخراجات ہونے والی خلیج بتدریج کم ہونے لگی۔ آمدن کے نئے وسائل پیدا کئے جانے لگے۔

ریاست کی معیشت کو ٹھوس بنیاد حاصل ہونے لگی نئے کارخانے نے کے منصوبے تیار کئے جانے لگے۔ بے روزگاری دور کرنے کے لئے کئی مفید ں پر عمل ہونے لگا۔ ایک ٹھوس اور مضبوط معیشت کی بنیاد ڈالنے کے لئے انتظامیہ شعبوں کو نئے سرے سے منظم کیا جانے لگا۔ دو سال کے مختصر عرصہ میں ریاست ھانچہ اس قدر مضبوط ہونے لگا کہ ریاست پہلی بار منصوبہ جاتی مقاصد کیلئے ہم کرنے کے قابل بن گئی۔ دو سال کا یہ زمانہ شکست و ریخت کا ہی زمانہ تھا ضبوط مالی ڈھانچہ تیار کرنے کے لئے کافی وقت اور تمام طبقوں کے تعاون کی ضرورت شیخ صاحب کو بگڑے انتظامیہ اور تباہ حال معاشرے کو سدھارنے کے لئے نہ زیادہ وقت نہ ہی تمام طبقوں کا تعاون حاصل ہوا۔ جس عرصہ کے دوران وہ ریاست کو مالی بے یوں اور انتظامی بدعنوانیوں سے پاک کرنے میں مشغول رہے انہیں سیاسی مسائل کا امنا کرنا پڑا۔ مفاد خصوصی کے طبقوں اور سیاسی حریفوں نے ہر قدم پر ان کے لئے

مشکلات پیدا کیں۔ ایک سیاسی لیڈر کو سب سے پہلی توجہ سیاسی مقاصد کی طرف کرنا ہوتی ہے شیخ صاحب چاہتے رہے کہ انہیں انتظامیہ اور معاشرے کو سدھا... کے لئے کچھ وقت تک سیاسی جھمیلوں سے چھٹکارا مل جائے، لیکن سیاسی حریفوں کی دکانیوں کی وجہ سے انہیں زیادہ تر توجہ سیاسی معاملات کی طرف ہی مبذول کرنا... اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست میں انتشار کی فضا قائم رہی اور اس قسم کی فضا میں اقتصاد... محاذ پر اس رفتار سے آگے بڑھنا مشکل بن گیا جس رفتار سے شیخ صاحب آگے بڑھنا چاہتے تھے،

محاسبہ کیوں نہیں کرایا گیا

حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے سے قبل شیخ صاحب نے عوام سے وعدہ کیا تھا کہ ان لوگوں کا محاسبہ کیا جائے گا جنہوں نے وزارتی عہدوں پر رہ کر اپنی پوزیشن کا ناجائز استعمال کیا۔ انہوں نے ایسے سیاسی لیڈروں کے احتساب کا بھی یقین دلایا تھا جنہوں نے سیاسی استحصال کے ذریعہ دولت بنائی۔ سیاسی اور سماجی زندگی کو تمام قسم کی آلودگیوں سے پاک کرنے کے لئے ایسے لوگوں کا احتساب ضروری تھا... اس قسم کے احتساب سے جہاں وہ لوگ ننگے ہو جاتے جنہوں نے قومی سرمایہ... لوٹ لیا تھا۔ وہاں قوم کی زندگی میں آئندہ ایسے لوگوں کے ابھرنے کے مواقع نہ...

...داریاں سنبھالنے کے بعد شیخ صاحب نے محاسبہ کا وعدہ پورا نہیں کیا وہ اس ...خاموش ہو گئے۔ حکومت کی خاموشی کے یہی معنے لئے گئے کہ شیخ صاحب ...سے مکر گئے ہیں۔ اور وہ اب احتساب کرانا ضروری نہیں سمجھتے۔ کانگریس ...نے شیخ صاحب کے رویہ کو دیکھ کر پورے زور سے محاسبہ کا مطالبہ شروع ...وں کی طرف سے محاسبے کے مطالبے سے شیخ صاحب کی پوزیشن بھی مشکوک

...کانگریسی لیڈر محاسبہ کا مطالبہ زور شور سے کیوں کرنے لگے تھے اور شیخ صاحب ...کو جو ان کا وعدہ بھی تھا کیوں نظر انداز کر رہے تھے اس کی کچھ وجوہ تھیں ...کرنے کا وعدہ جو شیخ صاحب نے عوام سے کیا تھا اسی صورت میں پورا کیا جا سکتا ...شیخ صاحب کے پاس اسمبلی ہوتی۔ ریاست میں سیاسی لیڈروں اور سابقہ ...محاسبہ کرانے سے متعلق کوئی قانون موجود نہیں تھا۔ اس غرض سے سب سے ...قانون بنانے کی ضرورت تھی یہ قانون بھی ایسا ہونا چاہیئے تھا جس کی بدولت ...ذرائع حاصل کی گئی جائیداد کا پتہ لگانا ممکن بن جاتا۔ جن لوگوں کے خلاف یہ قانون ...تھا وہی لوگ قانون بنانے والے بھی تھے، ایسی صورت میں محاسبہ کرانے سے متعلق ...بنانے کی کوئی کوشش ایک خطرے کو دعوت دینے کے برابر تھی اس قسم کے ...سے بہت ساری سیاسی پیچیدگیوں کے پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ مرکزی لیڈر

ریاست میں جن لیڈروں کے سہارے اپنی تنظیم چلا رہے تھے ان کو محاسبے
قانون کے ذریعے بے وقعت بنانے کی کوشش بہت بڑے سیاسی بحران
بن جاتی۔ شیخ صاحب محاسبے کے وعدے کو پورا کرنے کے قانونی اور سیاسی مضمرات
اچھی طرح واقف تھے چنانچہ وہ بار بار کہتے تھے محاسبہ ہوگا لیکن موزوں وقت پر
لیڈر محاسبے کا مطالبہ پیش کر کے جہاں اپنے بے گناہ ہونے کا ثبوت فراہم کرنے
وہاں اس قسم کے مطالبے سے ایک سیاسی بحران پیدا کرنا چاہتے تھے۔ عوامی ذہنوں
میں ڈالنے کے لئے محاسبہ کا مطالبہ بار بار پیش کیا جا رہا تھا۔

محاسبہ ایک قانونی اور سماجی مسئلہ تھا یہ مسئلہ ایک خطرناک سیاسی مسئلے
طور پر ابھر سکتا تھا۔ اگر شیخ صاحب محاسبے کی کوئی کوشش کرتے۔ اس قسم کی کوئی کو
شیخ صاحب کے بنیادی مقاصد کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی تھی۔ شیخ صاحب
بنیادی مقاصد کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی تھی۔ شیخ صاحب مفاہمت کو
پر قائم رکھنا چاہتے تھے۔ محاسبہ مفاہمت سے قیمتی نہیں تھا۔ مفاہمت کو
اور برقرار رکھنے کے لئے محاسبہ جیسے مسائل کو کچھ وقت تک نظر انداز کیا جا
اور دیانت داری کے ساتھ اکارڈ کی سپرٹ کے مطابق کام کرنا تھا۔ اکارڈ کی
یہ بھی کہ ریاستی عوام کو وفاقی ڈھانچے میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق آزادی کے تحت
سیاسی و اقتصادی امور میں فیصلے کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ ایسا اسی وقت ہو سکتا

جب ریاست میں نمائندہ اسمبلی قائم کی جاتی۔ ایک نمائندہ اسمبلی کا قیام ہی اکارڈ کا مقصد
تھا۔ دو سال تک ایک یا دوسرے بہانے اسمبلی کے انتخابات کا موقعہ نہیں دیا گیا۔

اسمبلی قائم کرنے میں تاخیر سے اعتماد کی فضا پیدا ہو جانے کے بجائے شکوک و
شبہات بڑھنے لگے۔ کانگرسی دوست شیخ صاحب کے جمہوری اداروں کے انتخابات عمل
میں لانے کے ہر فیصلے میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگے۔ پنچایتی اور بلدیاتی انتخابات تک
بھی کرانے نہیں دیئے گئے۔

پارلیمنٹ کے انتخابات

۱۶ جنوری ۱۹۷۷ء کو جب وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے سارے ملک
میں پارلیمنٹ کے انتخابات عمل میں لانے کا اعلان کیا تو اس وقت بھی ریاستی اسمبلی کے انتخابات
عمل میں لانے نہیں دیئے گئے۔ مسز اندرا گاندھی نے اپنی کچھ مجبوریوں کا اظہار
کر کے شیخ صاحب کو کچھ کہنے نہ دیا۔

پارلیمانی انتخابات میں کانگرسی لیڈروں نے ریاست میں کانگرس اور نیشنل
کانفرنس کو مساوی تعداد میں سیٹیں الاٹ کر کے کانگرس کو برابری کی پوزیشن میں رکھا۔ پارلیمانی
انتخابات میں شیخ صاحب نے کانگرس اور نیشنل کانفرنس کے درمیان سیٹوں کی الاٹمنٹ
میں برابری کا درجہ قبول کیا۔ کانگرس کو اودھم پور، اسلام آباد اور لداخ کے تین انتخابی حلقے

الاٹ کر دیئے گئے۔ نیشنل کانفرنس کو سرینگر، بارہ مولا اور جموں کے تین انتخابی حلقے الاٹ کئے گئے۔ ان تینوں حلقوں میں کانگریس کو تین اسمبلی نشستیں اور نیشنل کانفرنس کو چوالیس اسمبلی نشستیں حاصل ہو جاتی تھیں۔ گویا شیخ صاحب نیشنل کانفرنس کی برتر پوزیشن منوانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ کانگریس نے پارلیمانی انتخابات میں نشستوں کی الاٹمنٹ میں جو پوزیشن تسلیم کی تھی، بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ کانگریس اسمبلی انتخابات میں اس پوزیشن کو تسلیم کرنے پر مشکل سے ہی تیار ہوتی۔

پارلیمانی انتخابات میں کامیابی حاصل کر کے مسز اندرا گاندھی طاقت کے بل بوتے پر کانگریس کی برتر پوزیشن قائم رکھنے کی کوشش کرتی۔ پارلیمانی انتخابات کے فوراً بعد پردیش کانگریس کے لیڈروں نے اکارڈ کو بالائے طاق رکھ کر جس جلدی سے شیخ صاحب کی حکومت ختم کرنے کی کوشش کی وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کانگریس نے اکارڈ نیک نیتی سے نہیں کیا تھا۔ شیخ صاحب نے ریاست میں گورنر راج قائم ہونے کے بعد وادی کے اندر داخل ہوتے ہی کانگریسی لیڈروں کے حقیقی ارادوں کا انکشاف کیا۔ انہوں نے کہا کہ کانگریسی لیڈروں نے منصوبہ بنایا تھا کہ مرکز میں جب ان کی اپنی حکومت قائم ہو جائے گی۔ تو ریاست جموں وکشمیر میں کانگریس کے زعما حکومت اپنے ہاتھ میں دوبارہ لے لیتے۔ ایسی صورت میں اگر ہماری طرف سے کوئی مزاحمت ہوتی تو ۱۹۷۲ء کی طرح ہمیں جیلوں میں بند کر دیا جاتا۔

...تماد واپس لیا گیا

۵ مارچ ۱۹۷۷ء کو پردیش کانگریس کے صدر مفتی محمد سعید نے گورنر کو ایک ...لکھی جس میں انہوں نے کہا کہ کانگریس شیخ صاحب سے اپنا اعتماد واپس لیتی ہے ...کومت کی ذمہ داریاں سنبھالنا چاہتی ہے۔ جس وقت یہ خط گورنر کو نئی دہلی میں ملا ...صاحب بھی دہلی میں موجود تھے۔

پردیش کانگریس کے لیڈروں نے یہ فیصلہ ہائی کمانڈ کی مرضی سے ہی کیا تھا، ...میں کانگریس کی زبردست شکست کے بعد ہائی کمانڈ کا اپنے لیڈروں پر کنٹرول نہیں ...تھا۔ کانگریس ہائی کمانڈ نے اس موقعہ پر اکارڈ کے خلاف جس طرح پردیش کانگریس ...لیڈروں کو کام کرنے کی اجازت دی اس نے ثابت کر دیا کہ کانگریس کے لیڈر اپنی شکست ...بعد بھی اکارڈ کو قائم رکھتے تو سمجھا جا سکتا تھا کہ انہیں قومی مفادات عزیز ہیں اور ...جماعت قومی مفادات پر جماعتی مفادات کو ترجیح نہیں دیتی۔ شکست و فتح کا سامنا ...جماعت کو کرنا پڑتا ہے۔ شکست کھانے کے بعد بھی اعلیٰ آدرشوں کے لئے کام کرنے ...ی جماعتیں اپنے اصول نہیں چھوڑتی ہیں۔ کسی جماعت کو اصول ہی زندہ اور پائندہ ...تے ہیں۔ کانگریس کو سارے ملک میں جس شکست کا سامنا کرنا پڑا اس کی بنیادی ...یہ ہے کہ اس جماعت کے لیڈروں کا اصولوں پر سے اعتقاد ختم ہو گیا تھا۔ اور یہ جماعت

صرف حکومتی طاقت پر ہی بھروسہ کرتی تھی۔ حکومتی طاقت کے بل بوتے پر ہی کانگریس نے ملک کے آئین کو تہس نہس کر دیا۔ جمہوریت کی جڑیں کھوکھلی کر دیں، اور آمرانہ رجحانات کو تقویت پہنچائی۔ کانگریس اور اس کے لیڈر اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھنے لگے تھے وہ عوام کی امنگوں اور جمہوری اصولوں کو پامال کر کے نظام حکومت چلا رہے تھے۔

عبداللہ ہٹاؤ کا مقصد

پارلیمانی انتخابات شروع ہوتے ہی ریاست میں بھی انتخابی سرگرمیوں کا آغاز ہو گیا۔ مختلف جماعتوں اور لیڈروں کے علاوہ بہت سارے آزاد امیدواروں نے انتخابات میں حصہ لینے کا آغاز کیا۔ نیشنل کانفرنس کے علاوہ کانگریس، جماعت اسلامی اور جنتا پارٹی جو جموں میں قائم ہو گئی تھی۔ انتخابات لڑنے کے لئے میدان میں آ گئی۔ عوامی مجلس عمل نے براہ راست انتخابات میں حصہ نہ لیا، لیکن کچھ امیدواروں کی حمایت کا اس نے اعلان کیا۔ پارلیمانی انتخابات میں ایک نیا رجحان نمایاں ہو گیا۔ نیشنل کانفرنس کی مخالف جماعتیں کانگریس سمیت ایک ہو گئیں۔ "عبداللہ ہٹاؤ" تمام جماعتوں کے امیدواروں کا مقصد بن گیا۔ عبداللہ ہٹاؤ کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تمام نئے اور پرانے شکست خوردہ لیڈر مخالف جماعتیں

اور مفاد پرست لوگ ایک ہو گئے۔

جماعت اسلامی، مجلس عمل، کچھ دینی تنظیمیں انتظامیہ سے کورپشن کی پاداش میں نکالے گئے لوگ، نوجوانوں کے گروہ، پاکستان کے حامی اور ہندوستان کے بہی خواہ سب ایک ہو کر "عبداللہ ہٹاؤ" کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے زبردست جدوجہد کرنے لگے۔ سرمایہ داروں اور مفاد خصوصی کے طبقوں نے ان جماعتوں اور امیدواروں کو سرمایہ فراہم کیا۔ ان عناصر نے اپنی کامیابی کے امکانات کو پیدا کرنے کے لئے پبلسٹی کے تمام ذرائع کو اپنے حق میں کر دیا۔

"عبداللہ ہٹاؤ" کے مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ گمراہ کن پروپیگنڈا کر کے عوامی ذہن کو منتشر کیا جانے لگا۔ اتنی سکیموں اور کوششوں کے باوجود بھی یہ عناصر اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے جب انتخابی نتیجے برآمد ہوئے تو دھاندلیوں کا الزام لگا کر اپنی خفت مٹانے کی کوشش کی گئی۔ ریاست پر گورنر راج نافذ کرنے کے لئے اسمبلی کے انتخابات میں کامیابی کے امکانات پیدا کرنے کے لئے ان عناصر کے پیش نظر "عبداللہ ہٹاؤ" کا مقصد رہا۔ "عبداللہ ہٹاؤ" کوئی نیا نعرہ نہیں تھا۔ ۱۹۴۲ء سے ہی یہ نعرہ مختلف موقعوں پر مختلف طریقوں سے بلند ہوتا رہا۔ عبداللہ کی لیڈرشپ ختم کرنا ہی ابتدا سے کشمیریوں کے حقوق سے کھیلنے والے لوگوں کا مقصد رہا۔

شیخ صاحب کے اقتدار سنبھالنے کے بعد مفاد خصوصی کا بہت بڑا طبقہ مرکز اور ریاستی عوام کا اقتصادی اور سیاسی استحصال کرنے کے ناقابل بن گیا تھا۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ اگر شیخ صاحب اسمبلی کے انتخابات میں کامیاب ہو گئے اور نیشنل کانفرنس حکومت بنانے کے قابل بن گئی تو ان لوگوں کو عجب سے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جن لوگوں نے ۲۲ سال کے دوران مرکزی حکومت کو ایکسپلائیٹ کر کے بڑی بڑی جائدادیں بنائی تھیں وہ شیخ صاحب کے کامیاب ہونے کی صورت میں اپنے مستقبل کو تاریک دیکھ رہے تھے۔ "عبداللہ ہٹاؤ" کا نعرہ دینے والے مختلف اعتقادات اور نظریات کے حامل ہیں لیکن جب "عبداللہ" کا وجود ان کے سامنے ابھرتا ہے تو اپنے اختلافات بھول جاتے ہیں

"عبداللہ ہٹاؤ" کا نعرہ دینے والے ہزاروں لوگ اب تک پیدا ہو گئے وہ اس نعرے کو بلند کرتے ہوئے خود ہٹ گئے۔ عبداللہ کو ہٹانے کے لئے ان لوگوں نے ہزاروں افسانے گڑھ لئے۔ ہزاروں فریب ایجاد کئے۔ ان لوگوں کا ہر افسانہ اور ہر فریب ختم ہوتا رہا۔ اور عبداللہ ایک چٹان کی طرح اپنی جگہ قائم رہا۔ آج جب مفاد خصوصی کے طبقوں کی تعداد کافی بڑھ گئی ہے تو "عبداللہ ہٹاؤ" کا مقصد حاصل کرنا پہلے سے زیادہ ضروری بن گیا ہے۔ آج تمام استحصالی طبقے منظم ہو کر اس مقصد کو حاصل کرنے میں جٹ گئے ہیں یہ طبقے اب رائے عامہ کو گمراہ

کر کے اپنے عزائم کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ ایک طرف یہ عوام کی دکھتی رگ کو چھیڑنے کی کوشش کرتے ہیں دوسری طرف یہ مرکزی لیڈروں سے بھی اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ عوام کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں اور نئی دہلی کے لیڈروں کو بھی۔ نئی دہلی میں بیٹھے ہوئے لیڈر ان مفاد پرستوں کی وفاداریوں میں چھپی ہوئی فریب کاریوں کو سمجھ رہے ہیں یا نہیں۔ لیکن کشمیری عوام کا بہت بڑا طبقہ اب اچھی طرح ان لوگوں کے مکر و فریب کو سمجھ رہا ہے۔

عوام کے احساسات اور رجحانات کو دیکھ کر یہ لوگ اپنی کامیابیوں کے لئے غیر جمہوری اور غیر اخلاقی طریقے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر سلدی کے مسئلے کو اچھال رہے ہیں۔ سب سلدی کے مسئلے پر ہی یہ یہاں کے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

رشتے مضبوط بنانا پہلی ضرورت

اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان اور کشمیر کے رشتوں کو پائیدار بنایا جائے۔ یہ رشتے ان لوگوں کی جو شعلہ افزائی کر کے پائیدار نہیں بن سکتے، جو عوام میں اپنا کوئی اثر نہیں رکھتے۔ اور جن پر لوگوں کو ذرا بھر بھی اعتماد اور بھروسہ نہیں۔ جو لوگ کشمیر کی غیر یقینیت سے بڑے بڑے فائدے حاصل کرتے

رہے ہیں ان کو سیاسی طور مضبوط بنا کر غیر یقینیت ختم نہیں ہو سکتی۔ کشمیر اور ہندوستان کے رشتے مضبوط بنانے کے لئے ان لیڈروں کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے جو کشمیری عوام کے مفادات کو پیش نظر رکھ کر ملک کے مجموعی مفاد کے لئے بھی کام کرنا چاہتے ہیں۔ کشمیری عوام ہندوستان کے ساتھ ایک مضبوط رشتے میں منسلک ہونا چاہتے ہیں۔ ان رشتوں کو کمزور کرنے والے وہ لوگ ہیں جو ہندوستان سے اپنی نام نہاد وفاداری کا دم بھر کر صرف اقتدار پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ جب اقتدار میں آجاتے ہیں تو الحاق اٹوٹ انگ کا نعرہ دیتے ہیں اور جب ان سے اقتدار چھن جاتا ہے تو یہ مخالفانہ رجحانات کو ہوا دینے لگتے ہیں۔ ان کی وفاداریاں اقتدار تک ہی قائم رہتی ہے ایسے لوگ کبھی بھی ہندوستان کے لئے ایک سرمایہ نہیں بن سکتے یہ لوگ سارے ملک کے لئے خطرہ بن جاتے ہیں۔ جب یہ لوگ اقتدار میں آجاتے ہیں تو یہ لوگ مرکز پر دباؤ ڈالنے اور اپنے اقتدار کو دائمی بنانے کے لئے فرضی خطروں کا ہوا کھڑا کر دیتے ہیں۔ یہ اشتعال انگیزی کے ذریعہ فضا کو مخدوش بناتے ہیں یہ لوگ انتشار اور افراتفری کو ہی اپنے اقتدار کا ضامن سمجھتے ہیں چنانچہ اس قسم کی فضا پیدا کرنے کے لئے یہ لوگ نئے فتنے جگاتے ہیں۔ ان فتنہ پرستوں اور مفاد پرستوں کے ساتھ رشتہ قائم کر کے ہند و پاک کا رشتہ مضبوط ہونے کی بجائے کمزور ہی بنتا ہے

شیخ صاحب واحد لیڈر ہیں جو ہند کشمیر کے رشتے کو مضبوط بنا سکتے ہیں بشرطیکہ ان کے ساتھ با مقصد مصالحت کی جائے ؟